الترتیل

تجوید الحروف

معرفة الوقوف

مدوّن و متلفظ

علمِ تجوید کے موضوع پر عام فہم اور سلیس زبان میں بشکلِ سوال و جواب
ایک جامع اور مفید ترین کتاب

مُعلّم التجوید

مقیس

لِلمُتعلّم المُستفید

شیخ القرّاء حضرة مولانا قاری محمّد شریف رحمۃ اللہ علیہ
بانی مدرسہ دار القرّاء لاہور پاکستان

تدوینِ نو: خالد محمود

مکتبة القراءة لاهور

مدوّن و متلفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝

علم تجوید کے موضوع پر عام فہم اور سلیس زبان میں بشکلِ سوال وجواب
ایک جامع اور مفید ترین کتاب

مُعَلِّمُ التَّجْوِیْد

لِلْمُتَعَلِّمِ الْمُسْتَفِیْد

تألیف

شیخ القراء حضرۃ مولانا قاری محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدرسہ دار القرآء لاہور، پاکستان

(المتوفی ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ / اکتوبر ۱۹۷۸ء)

تدوینِ نو: خالد محمود (ابن مؤلف)

ناشر

مکتبۃ القراءۃ

143-B ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبر 042-35853171

تکمیل تدوین نو: ۹ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ، ۷ اپریل ۲۰۱۷ء

ناشر
مکتبۃ القراءۃ لاہور پاکستان

شیخ القراء حضرت مولانا
قاری محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ
(مؤلف کتاب)

- پیدائش: لاہور (تب متحدہ ہندوستان) ۱۹۲۳ء/ ۱۳۴۱ھ | وفات وتدفین: لاہور (پاکستان) ۱۹۷۸ء/ ۱۳۹۸ھ
- حفظ قرآن کریم: بعمر نو سال (یومیہ منزل ۱۵ پارے) از حضرۃ قاری خدا بخش صاحب رحمہ اللہ (امرتسر، متحدہ ہندوستان ۱۹۳۲)
- حفظ "اردو ترجمہ قرآن کریم" اور نحو وصرف: از حضرۃ قاری خدا بخش صاحب رحمہ اللہ (امرتسر، متحدہ ہندوستان ۱۹۳۵)
- درسی کتب اور عربی وفارسی گرائمر: حضرۃ مولنا عبد الرحمن صاحب رحمہ اللہ (امرتسر ۱۹۳۹، انگلش گرائمر وعصری تعلیم: لاہور ۱۹۴۱)
- جزوی استفادہ: از حضرۃ قاری فضل کریم صاحب امرتسری رحمہ اللہ (لاہور ۱۹۴۲) | قاری کریم بخش صاحب رحمہ اللہ (امرتسر ۱۹۴۲)
- روایتِ حفص اور قراءاتِ سبعہ (تکمیل اول): از حضرۃ قاری خدا بخش صاحب رحمہ اللہ (امرتسر، متحدہ ہندوستان ۱۹۴۴)
- قراءاتِ عشرہ کبریٰ (بطریق طیبۃ النشر): از حضرۃ مولنا قاری عبد المعبود صاحب رحمہ اللہ (لکھنؤ، متحدہ ہندوستان ۱۹۴۵)
- ترتیل اور لمبے سولہ پارے (یومیہ پانچ رکوع/پارہ): از حضرۃ قاری احمد علی صاحب رحمہ اللہ (لکھنؤ، متحدہ ہندوستان ۱۹۴۵)
- اداء، تلفظ اور لحون: از امام الفن حضرۃ مولنا قاری عبد المالک صاحب رحمہ اللہ (لکھنؤ ۱۹۴۵، کراچی ۱۹۵۱، لاہور ۱۹۵۷)
- قراءاتِ سبعہ وعشرہ اور روایتِ حفص (مکرر): از حضرۃ مولنا قاری عبد المالک صاحب رحمہ اللہ (لاہور، پاکستان ۱۹۵۴)
- قرآن کریم کی معیاری اداء اور ترویج کیلئے شعبہ تجوید کا اجراء (لاہور ۱۹۴۵) | اور مدرسہ دار القراء کا قیام (لاہور ۱۹۶۳)
- تجوید وقراءات کی اردو زبان میں مستند اور معیاری کتب کی نشر واشاعت کے لیے مکتبۃ القراءۃ کا قیام (لاہور ۱۹۵۶)
- تلامذہ ومستفیدین: بالواسطہ وبلا واسطہ بے شمار، پاکستان اور دنیا بھر میں بشمول حرمین شریفین، سعودیہ اور بلادِ اُخریٰ۔
- تصانیف:- التبیان فی ترتیل القرآن، معلم التجوید للمتعلم المستفید، زینت القرآن، التقدمۃ الشریفیۃ فی شرح المقدمۃ الجزریہ، سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد، حاشیہ جمال القرآن، توضیحاتِ مرضیہ حاشیہ فوائد مکیہ، مکمل قرآنی قاعدہ، اشرفی قرآنی قاعدہ، اجراء التجوید، اردو ترجمہ مقدمہ جزریہ مع تحفۃ الاطفال، نیل الشفاعۃ والشفاء، ہجاء القرآن مع طریقہ تعلیم القبیان۔
- غیر مکمل تصانیف: شرح شاطبیہ، صرف ونحو کی کتب، عمدۃ البیان فی صیانۃ القرآن، رجاء الغفران فی بیان رسم القرآن، غایۃ البرہان فی وجوب تجوید القرآن، عمدۃ البیان فی نفائس القرآن وغیرہ۔
- دیانت وامانت: نرم خو اور رحمدل ہونے کے باوجود حدر سنتے وقت رُو رعایت یا تساہل کی گنجائش نہ تھی۔ ایک وقت میں ایک ہی طالب علم کی حدر پوری توجہ اور صحتِ لفظی کیساتھ سنتے اور پوری تندہی سے اصلاح کرتے۔ پھر تکمیل قرآن، تکمیل نصاب اور امتحان میں کامیابی کے بعد ہی طالب علم کو سند جاری ہوتی۔ صحت وبیماری ہر حال میں اسی اصول پر عمل پیرا رہے۔ بالآخر اس شعبہ پر گہرے نقوش چھوڑتے ہوئے بعمر ۵۶ سال اللہ کے حضور پہنچ گئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی البرزخ وفی الیوم الجزاء

daisydig@saudiaonline.com

باب نمبر | فصل نمبر | موضوع

فہرست مضامین معلم التجوید

باب سوم

خاتمہ

معلم التجوید کے بارے میں حضرات مجودین وشیوخ قراءات کی گرانقدر

تقاریظ

امام المجودین شیخ القراء استاذی المکرم حضرت مولنا الحافظ المقری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ

(بانی مدرسہ دارالترتیل لاہور، وسابق شیخ القراء مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ امابعد! رسالہ المعلم معلم التجوید المستفید مؤلفہ محبّی قاری محمد شریف صاحب (صدر شعبہ تجوید، مدرسہ تجوید القرآن لاہور) کو میں نے اکثر جگہ سے دیکھا۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ موجودہ جتنے اردو میں تجوید کے رسائل ہیں، یوں تو سب ہی بہتر اور نافع ہیں، لیکن اس رسالہ میں مؤلف نے تجوید کے جملہ مسائل کو نہایت کاوش کے ساتھ عمدہ اور سلیس عبارت میں سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ جس سے معمولی استعداد کا طالب علم بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ نیز تجوید کے تمام مسائل سَلَف اور خَلَف کی معتبر کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ پھر ہر مسئلہ کو سوال اور جواب کی صورت میں پیش کیا ہے، جس سے مسائل کو یاد کر لینے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ اس رسالہ کو سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد پھر بقیہ دیگر رسالوں کے پڑھنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فنِ تجوید وقراءات کی مزید خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

(قاری) عبدالمالک صدر مدرس
مدرسہ دارالترتیل لاہور، ۲۹ شوال ۱۳۷۸ھ

حافظ قراءاتِ عشرہ حضرت مولنا الحافظ القارئ المقری فتح محمد صاحب پانی پتی، مدظلہ العالی

(شارح شاطبی ودرّہ وغیرہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، امابعد!

احقر نے کتاب معلم التجوید کی فہرست اوّل سے آخر تک بغور سُنی اور چند مضامین تفصیلاً بھی

سنے، بحمد اللہ! اس کو طلباء کی ضرورت کے اور نیز ان کو تجوید کے علم میں ماہر بنانے کے بارے میں نہایت ہی جامع پایا۔ اور طرز بیان بھی نہایت عجیب ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب طلباء کی خیر خواہی اور ان پر بے حد شفقت کے، اور ان کو اللہ کا خالص بندہ اور قرآن کا سچا عاشق اور مخلص خادم بنانے کے دلی تقاضے سے مرتّب کی گئی ہے۔ اس کے لفظ لفظ سے اس کی خوبیاں آشکارا ہوتی ہیں اور حضرتِ مُرتّب کے کمالِ علمی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ نیز رشک آتا ہے کہ کاش یہ بیش بہا اور خالص علمی اور مفید ترین خدمت اس بندۂ ناچیز کو بھی نصیب ہو جاتی، لیکن ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدا تعالیٰ شانہٗ مؤلف کو اعلیٰ سے اعلیٰ جزاء عطاء فرمائے۔ اور طلباء کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

(قاری) فتح محمد ۲۴ شوال ۱۳۷۸ھ

حضرت مولٰنا الحافظ القاریٔ المقری محمد سلیمان صاحب رحمہ اللہ (المتوفّٰی رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ)

(مظاہر العلوم، سہارنپور، بھارت)

مکرم و محترم جناب قاری صاحب زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا ارسال کردہ رسالہ معلم التجوید للمتعلم المستفید اور اس کے بعد ایک لفافہ پہنچا، بہت بہت شکریہ۔ اظہار رائے کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے، سو عرض ہے، احقر نے رسالہ ہٰذا کو بہ نظرِ تحقیق من اولہٖ الیٰ آخرہٖ دیکھا، موافق قواعد کتب تجوید پایا۔ حق تعالیٰ اسکے مؤلف کو جزائے خیر عطاء فرمائے، کہ اس پُر آشوب زمانہ میں اس فن کے افراد نادر الوجود ہیں۔ اس رسالہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی زبان نہایت سلیس، عام فہم اور ترتیب نہایت عمدہ اور دلآویز ہے۔ مسائلِ تجوید نہایت صاف اور واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ جن سے امید واثق ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ شائقینِ علم تجوید کیلئے عموماً اور مُبتدیانِ فن کیلئے خصوصاً نافع اور مفید ثابت ہوگا۔ میں مؤلف رسالہ ہٰذا کو اس رسالہ کی تدوین و ترتیب پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور دست بہ دعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیتِ عامّہ عنایت فرمائے۔ آمین

بندہ محمد سلیمان غفرلہٗ، مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

۱۰ رمضان ۱۳۷۸ھ

حضرت مولانا الحافظ القاریؒ المقری محب الدین احمد صاحب مدظلہ العالی

(حال صدر مدرس مدرسہ تجوید القرآن لکھنؤ)

مُحِبّی مُخلِصی جناب قاری صاحب زید مجدکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مُرسَلہ کتاب معلم التجوید بذریعہ رجسٹری پہنچی۔ ماشاء اللہ بہت خوب ہے۔ اس وقت رمضان المبارک کی وجہ سے پوری کتاب نہیں دیکھ سکا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عید کے بعد آپ کی خواہش کے مطابق اس کو ضرور دیکھوں گا۔ بہر حال جس قدر بھی دیکھا اس سے یہ خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے اور اپنے ہی بزرگوں کی تصانیف کی عمدہ پیرائے میں پوری طرح شرح کردی۔ اور فن کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔

آپ کی کتاب معلم التجوید طلبائے فن کیلئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ طلبائے فن کو چاہیئے کہ اس کتاب کو ضرور دیکھیں۔

ابن ضیاء محب الدین احمد

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

مخدومنا استاذی المحترم حضرت الحافظ القاریؒ المقری خدابخش صاحب مدظلہ العالی

(مقیم: کانٹھ، ضلع مراد آباد، بھارت)

کتاب معلم التجوید مُرسلہ وصول پائی۔ بالاستیعاب مِنْ وعَنْ تو سننے کا اتفاق نہیں ہوا، البتہ مختلف مقامات سے سنی، ماشاء اللہ نہایت مفید پائی۔ عبارت اور مضامین مطلب خیز اور سہل الوصول ہیں۔ میں دعاء کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو خدمتِ قرآن کی مزید توفیق اور ملکہ عطاء فرمائے۔

اور تحدیثِ نعمت کے طور پر مجھ کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ میری تمنّا پوری ہوئی، اور میری ابتدائی کوششوں کا نتیجہ اَحسن اور نعم البدل نکلا۔

(قاری) خدابخش کانٹھوی

مخدومنا حضرت الحافظ القاریٔ المقری فضل کریم صاحب رحمہ اللہ

(صدر مدرس مدرسہ تجوید القرآن، موتی بازار لاہور)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ امابعد: کتاب معلم التجوید احقر کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہے۔ احقر نے اس میں سے جس بیان کو بھی سنا، بغیر تکمیل چھوڑنے کو دل نہ چاہا۔ میں نے اپنی اس آرزو کو مؤلف زادہ اللہ عمراً وعلماً وافادتاً للمسلمین الطالبین کے سامنے ایک مرتبہ دورانِ گفتگو میں رکھا، جیساکہ انہوں نے کتاب کے شروع میں تصریح کی ہے، الحمدللہ تعالیٰ علیٰ احسانہ انہوں نے نہ صرف میری اس درخواست کو منظور ہی کیا، بلکہ فوراً اس کی تکمیل میں مصروفِ عمل ہوگئے۔ کتاب کو دیکھنے اور سننے سے پتہ چلتا ہے کہ کتابِ ہذا متعلّمین اور معلّمین دونوں کیلئے معلّم ہے۔ بطریقِ سوال وجواب لکھے جانے کے باعث اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگ گئے۔ بارگاہِ الٰہی میں استدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو مؤلف کیلئے کفارۂ ذُنوب اور مغفرت اور ترقی درجات کا باعث بنائے۔ اور طالبینِ فن کیلئے یہ کتاب مشعلِ راہ ثابت ہو۔

اَرْجُوْا بِہٖ اَنْ یَّنْفَعَ الطُّلَّابَا وَالْاَجْرَ وَالْقَبُوْلَ وَالثَّوَابَا
یَا نَاظِرًا فِیْہِ سَلْ بِاللّٰہِ مَرْحَمَۃً عَلَی الْمُصَنِّفِ وَاسْتَغْفِرْ لِصَاحِبِہٖ
وَاطْلُبْ لِنَفْسِكَ مِنْ خَیْرٍ تُرِیْدُ بِھَا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ غُفْرَانًا لِکَاتِبِہٖ

(قاری) فضل کریم ۲۶ شوال ۱۳۷۸ھ

مخدومنا حضرت الحافظ القاریٔ المقری محمد حسن صاحب امروہی مدظلہ العالی

(خطیب شاہی مسجد، ریاستِ قلات، بلوچستان)

معلم التجوید للمتعلم المستفید کو میں نے اکثر مقامات سے دیکھا ہے۔ کتاب کو نہایت ہی جامع اور طلبائے تجوید کے لیے واقعی مُعلّمُ التجوید کو اسمِ بامُسمّٰی پایا۔ تدوین وحفاظتِ قرآن کے بارے میں جناب مؤلف نے ایک مفید اور مُدلّل بحث کر کے موجودہ دور کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا

ہے۔ اُصولِ تجوید اور اُس کے متعلقات کو اس طرح سوالاً جواباً حل کیا ہے کہ متعلم ذرا سی محنت سے بآسانی قواعد تجوید پر عبور حاصل کرسکتا ہے۔ میری یہ دعاء ہے کہ خداوند کریم طلبائے تجوید کو اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، اور جناب مؤلف کے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت کرے۔

محمد حسن امروہی (خطیب شاہی مسجد قلات)

فخر المجودین شیخ القراء استاذی المکرم حضرت مولانا الحافظ القارئ المقری عبد المعبود صاحب رحمہ اللہ

(سابق شیخ القراء، مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَفْضَلِ رُسُلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَحُفَّاظِ كِتَابِهٖ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ:

رسالہ معلم التجوید للمتعلم المستفید کو میں نے شروع سے آخر تک خوب اچھی طرح دیکھا۔ ماشاء اللہ اس کے مؤلف یعنی عزیز محترم مولوی حافظ قاری مقری محمد شریف صاحب نے مسائلِ فن تجوید کو عمدہ عنوان اور نئی طرز پر بیان فرمایا ہے۔ جسے طلبہ کمالِ دلچسپی اور نہایت رغبت وشوق سے حاصل کریں گے۔ واقعی یہ رسالہ معلّمین ومتعلّمین دونوں کیلئے بے حد مفید ہے۔ اور ایک ایسا چراغ ہے جس کی روشنی وضوء سے ہر ایک اپنے مقاصد میں کامیاب رہے گا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا اِلْجَزَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

(نیز آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا):

عزیزم محترم! میں نے آپ کے رسالہ کو مسلسل ایک مہینہ میں خوب اچھی طرح غور سے دیکھا۔ مسائل سب صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں۔ مجھے آپ کی اس محنت سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں۔ نیز اس کے علاوہ اور بھی خدمتِ قرآن پاک کی توفیق عطاء فرماویں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

عبد المعبود ابن الشیخ منشی عبد الرزاق صاحب الہ آبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

خطبہ اور سببِ تالیف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ وَشَرَّفَنَا بِحِفْظِهٖ وَتِلَاوَتِهٖ وَاَمَرَنَا بِتَجْوِیْدِهٖ وَتَرْتِیْلِهٖ وَجَعَلَ ذٰلِكَ مِنْ اَعْظَمِ عِبَادَتِهٖ. فَطُوْبٰی لِمَنْ اَعْرَضَ عَنْ كُلِّ شَاغِلٍ یَّشْغُلُهٗ عَنْ تَدَبُّرِهٖ وَدِرَاسَتِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ اَنْبِیَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ نَهَضُوْا لِخِدْمَةِ كِتَابِهٖ فَجَاهَدُوْا فِیْ حِفْظِهٖ وَاِشَاعَتِهٖ. اَمَّا بَعْدُ!

احقر العباد محمد شریف بن شیخ مولا بخش امرتسری ثم لاہوری، غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ ولمشائخہٖ، جملہ مُحبّانِ قرآن کی خدمت میں عموماً اور طالبانِ علمِ تجوید کی خدمت میں خصوصاً عرضِ رسا ہے کہ عرصہ سے خیال تھا کہ علمِ تجوید میں ایک ایسا رسالہ تالیف کیا جائے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جملہ ضروری اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت عمل میں آنے والے مسائل پر حاوی ہو۔ مگر کاہلی، عدیمُ الفرصتی اور اپنی بے بِضاعتی، تکمیلِ ارادہ میں حائل رہی۔ تا آنکہ میرے برادرِ عزیز جناب قاری محمد الیاس صاحب سلّمہٗ (مہتمم مدرسہ ترتیل القرآن، تاجک، ضلع کیمپلور) نے بھی اثنائے گفتگو میں اسی قسم کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور اظہار سے بڑھ کر یہاں تک اصرار کیا کہ مجھے فوری طور پر تکمیلِ ارادہ کا پختہ وعدہ کرنا پڑا، مگر وعدہ کرنے کے بعد پھر کچھ حالات ایسے ہوئے کہ ممکن تھا کہ ایفائے عہد سے غفلت ہو جاتی، یا کچھ دیر کیلئے یہ کام معرضِ التواء میں پڑ جاتا، حتیٰ کہ ایک روز علم تجوید کی

نشر واشاعت کے متعلق دورانِ گفتگو میں میرے استاد اور محترم بزرگ حضرت حافظ قاری فضل کریم صاحب (صدر مدرس وبانی مدرسہ تجوید القرآن، کوچہ کندیگراں، موتی بازار لاہور) نے بھی ارشاد فرمایا کہ میں علم تجوید میں بہ شکل سوال وجواب نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں کہ جسے مبتدی طلباء بآسانی سمجھ سکیں، ایک مختصر مگر ضروری مسائل کو واضح کرنے والا رسالہ تالیف کروں، اور اس کام کو فوراً ہی شروع کردوں، تاکہ اختتام شعبان تک مکمل ہوکر آئندہ سال فن کے طالبین کیلئے داخلِ نصاب ہوسکے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات کی فرمائش اور ارشاد کی تعمیل میں نیز اپنی دیرینہ تمنّا کے پورا کرنے اور اِس مقدس علم کے طلباء کی خدمت و اِفادہ کے پیش نظر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اُس کریم ذات سے اجر وثواب کی اُمّید رکھتے ہوئے بتاریخ ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۷۷ھ (بروز چہارشنبہ، مطابق یکم جنوری ۱۹۵۸ء) کو اس رسالہ کا آغاز کردیا۔ اور اسکا نام "معلم التجوید للمتعلم المستفید" تجویز کیا۔ جو بفضلِ اللہ تعالیٰ وبتوفیقہٖ ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ (مطابق ۴ مارچ ۱۹۵۹ء) کو اِختتام پذیر ہوکر ماہِ ذیقعد میں حلیۂ طباعت سے آراستہ ہوگیا۔

اِعتذار اور اظہارِ حقیقت

گو یہ حقیر سی خدمت اس قابل تو نہیں کہ فن کی تصانیف میں کوئی مقام حاصل کرسکے، اس لیے کہ مؤلف نہ تو عبارت آرائی اور اس میں حُسن پیدا کرنے کے فن سے واقف ہے اور نہ ہی اس کو اس علم میں کوئی ایسی دسترس حاصل ہے کہ جس کی بناء پر اس کی یہ محنت اربابِ فن اور اصحابِ علم کے ہاں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاسکے، مگر عام طلباء اور اس فن کے مبتدیوں کیلئے اس میں کتنی افادیت ہے اور اس محنت سے ان کو کیا کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے، اس کا فیصلہ خود وہ طلباء ہی کرسکیں گے جن کے مطالعہ میں یہ رسالہ آئے گا، یا جن کو پڑھایا جائے گا۔ اور اگر فن کے معلّمین بھی مؤلف کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اور محض حُسنِ ظن سے کام لے کر اس کو داخلِ نصاب فرمالیں گے، تو بارگاہِ صمدی سے قوی اُمّید ہے کہ وہ بھی اس کو طلباء کیلئے بے حد مفید اور

ان کیلئے فن کے مسائل ضبط کرنے میں ان شاء اللہ الحمید بے عدیل پائیں گے۔ اور گو یہ کچھ بھی نہیں، لیکن اتنی سی خدمت کو بھی اگر پسندیدگی اور قدر افزائی کی نظر سے دیکھا گیا، تو ان شاء اللہ یہ بھی فن سے رُوشناس کرانے اور اس کی اہمیت کو دلوں میں بٹھانے کیلئے بہت حد تک کافی ثابت ہوگی، بلکہ مؤلف کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہاں تک اُمید ہے کہ یہ رسالہ نہ صرف طلباء کیلئے بلکہ فن کے ابتدائی معلّمین کیلئے بھی مفید اور ان کیلئے تفہیمِ مسائل میں مُمِد ومعاون ثابت ہوگا۔ اللہ کرے کہ یہ اُمّید پوری ہو اور یہ خدمت اسمِ بامُسمّٰی ثابت ہو۔

بلاشبہ یہ قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ مجھ جیسے بے علم اور ناکارہ کو بھی اس مبارک خدمت کی توفیق مُیَسَّر آئی۔ ورنہ میں کہاں، اور یہ خدمت کہاں ......

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل　　　نسیمِ صبح تیری مہربانی

اس میں جو بھی اِفادِیّت اور نفع رَسانی ہے وہ بِلاشک حق تعالیٰ کی مہربانی اور اُنہی کی عِنایت سے ہے۔ اور غلطی اور بھول چوک؟ سو وہ یقیناً میری لَغزِش کا نتیجہ ہے! جس کیلئے میں اصحابِ فضل وکمال سے مُسامحت اور اصلاح کی توقع رکھتا ہوں، اور دعائے صلاح وفلاح کا مُلتجی ہوں۔

چونکہ یہ رسالہ مبتدیوں کیلئے لکھا گیا ہے، اس لیے طرزِ تخاطُب بھی ایسا ہی اختیار کیا گیا ہے کہ گویا مُخاطَبین چھوٹے بچے اور مُبتدی طلباء ہی ہیں، لہٰذا ناظرین پر ناگوارِ خاطر نہ گزرے، کیونکہ اصل مقصود مبتدیوں کو ہی سمجھانا اور مسائل کا ان کے ذہن نشین کرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قارئین عبارت میں بعض جگہ بجائے اختصار کے قدرے تطویل پائیں گے۔

مسائل کے سمجھانے کی آسان سے آسان تر عبارت میں کوشش کی گئی ہے، لیکن اس پر بھی ناظرین اگر کسی جگہ عبارت کو مُغلَق یا مشکل پائیں تو مُؤلّف کو معذور سمجھیں۔ اس لیے کہ ہر فن میں کچھ نہ کچھ اِصطِلاحی الفاظ ہوا کرتے ہیں، جن کے سمجھنے میں بہر حال کچھ نہ کچھ دِقّت تو پیش آتی ہی ہے۔ پھر بھی مبتدیوں کی مزید سہولت کی خاطر اکثر جگہ مشکل اَلفاظ کا تَرجمہ قَوسَین میں لکھ دیا گیا ہے۔ اور جن موقعوں میں کچھ تفصیل تھی ان کی وضاحت حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما کر طالبینِ فن کیلئے نافع اور مؤلف پُرتقصیر کیلئے توشۂ آخرت بنائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

العبد الفقیر الی اللہ الغنی الحمید
محمد شریف خادم شعبہ تجوید وقراءات
مدرسہ تجوید القرآن، موتی بازار، لاہور

اس کتاب کی تالیف میں، مَیں نے جن کتابوں سے مدد لی

۱	جمال القرآن	۱۳	العقد الفرید
۲	اس کا حاشیہ تسہیل الفرقان	۱۴	ضوابطِ نُبلاء التجوید
۳	تیسیر التجوید	۱۵	مقدمۃ الجزریہ
۴	فوائد مکیہ	۱۶	اس کی شرح المنح الفکریہ
۵	اس کا حاشیہ تعلیقات مالکیہ	۱۷	نہایۃ القول المفید
۶	ضیاء القراءات	۱۸	شرح سبعہ قراءات
۷	اس کی شرح تنویر المراۃ	۱۹	التیسیر
۸	جامع الوقف	۲۰	رائیہ
۹	معرفۃ الوقوف	۲۱	شاطبیہ
۱۰	ضیاء التجوید	۲۲	اعلاء السُّنن
۱۱	ہدیۃ الوحید	۲۳	امداد الفتاویٰ
۱۲	ہدایۃ المستفید	۲۴	الاتقان فی علوم القرآن

ان کے علاوہ اور بھی بعض کتابیں مطالعہ میں آئیں۔

التّبیان فی ترتیل القرآن

احقر نے اس سے پہلے ۱۳۷۵ھ ۹ ذی الحجہ یومِ عرفہ کو اسی موضوع پر ایک مُفَصَّل اور مَبسُوط کتاب کا آغاز کیا تھا، جس کا نام "التبیان فی ترتیل القرآن" تجویز کیا گیا تھا۔ مُقدِّمہ اور پہلا باب تقریبًا مکمل ہو چکا تھا کہ رِسالۂ ہٰذا کی وجہ سے اسکے کام کو مؤخر کرنا پڑا۔ زیرِ نظر رسالہ میں آپ کو اس کا نام جا بجا ملے گا، اس کی تکمیل کیلئے دعاء فرمائیں۔ مؤلف

تَشَکُّر و اِمتِنان

میں اپنے ان تمام دوستوں اور عزیزوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے رسالۂ ہٰذا کی تالیف کے دَوران کسی حیثیت سے بھی میرا ہاتھ بٹایا، یا اس کی طباعت کے لیے کوشش فرمائی۔ بالخصوص عزیزم حافظ محمد اکبر شاہ مظفر آبادی سَلَّمَہُ اللہ تعالیٰ (متعلم قراءاتِ سَبْعَ، مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور)، ان میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے جس محنت اور جانفشانی کے ساتھ رسالہ ہٰذا کے مُسَوَّدَہ کی کتاب کا کام اَنجام دیا، وہ بلاشک دلی خلوص اور اشاعتِ فن کی محبت کے بغیر ممکن نہیں تھا، فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔ اور ایک بار نہیں تین بار مسودہ تیار کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مختصر سے رِسالہ میں اتنی طویل مدّت صرف ہوئی۔ گو اس تاخیر کا باعث اور بھی بہت سے مشاغلِ ضروریّہ اور طرح طرح کی ذہنی کوفتیں ہوتی رہیں، مگر طلباء کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے اور ان کے لیے اس میں زیادہ سے زیادہ اِفادِیّت بہم پہنچانے کی حرص نے دوسری بار اور پھر اسکے بعد تیسری بار محنت کرنے پر مجبور کیا۔ اور گو جی اب بھی نہیں بھرا، مگر اس خَیال سے کہ باقی ماندہ حرص ان شاء اللہ تعالیٰ "التبیان فی ترتیل القرآن" میں پوری ہو جائے گی، اسی پر بس کرنے کو کافی سمجھا۔

دیباچہ طبع پنجم (جنوری ۱۹۷۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا کہ کتاب معلم التجوید للمتعلم المستفید کا پانچواں ایڈیشن میری زندگی ہی میں حلیۂ طباعت سے آراستہ ہوکر قارئین و مستفیدین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ طبع دوم کے بعد اب اس اشاعت میں پھر کافی اصلاحات و ترامیم کی گئی ہیں، جو انتہائی اہم اور نہایت مفید ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس مرتبہ تو کسی حد تک ترتیب بھی بدلنی پڑی ہے۔ چنانچہ استعاذہ اور بسملہ کی بحث کو بابِ اوّل کی بجائے خاتمۃ الکتاب میں درج کیا گیا ہے۔ ایسے ہی لحن اور اس کے متعلقات کی بحث بھی بابِ اوّل کی بجائے باب سوم میں درج کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بابِ معرفۃ الوقوف میں بھی کافی تبدیلیاں اور بہت سے مفید اور کارآمد اضافے کیے گئے ہیں۔ بابِ اوّل اور دوم کے مضامین کو صرف ایک باب میں اور ایسے ہی بابِ سوم و چہارم کے مضامین کو بھی ایک ہی باب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اب یہ کتاب پانچ ابواب کے بجائے صرف تین ابواب پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں، جس کی تفصیل مضامین کے اجمالی خاکہ کے زیرِ عنوان درج ہے۔

گو یہ ایڈیشن ہے تو پانچواں، لیکن اس اعتبار سے آخری ہے کہ اب اس میں مزید ترامیم و اصلاحات نہیں کی جائیں گی، ان شاء اللہ۔ اور گو ارادہ تو طبع دوم کے بعد بھی نہیں تھا، لیکن اب چونکہ اس کی از سرِ نو کتابت کرانے کی ضرورت پیش آئی، اسلئے خیال آیا کہ جب کتابت کرانی ہی ہے تو کیوں نہ پھر ایک بار نظر ڈال لی جائے، تاکہ ظاہری خوبیوں کی طرح معنوی خوبیوں میں بھی اضافہ ہو جائے۔ امید ہے کہ یہ ایڈیشن بحمد اللہ تعالیٰ سابقہ تمام ایڈیشنوں کی نسبت مفید تر اور انفع ثابت ہوگا۔

شکریہ معاونین

اس مرتبہ میری معاونت عزیزی قاری سراج احمد اور عزیزی محمد اقبال و عبد الغفور خانپوری سلّمہم نے کی۔ اور انتہائی شوق، ذوق اور رغبت و محبت کیساتھ یہ خدمت انجام دی۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء

ابو الاشرف محمد شریف
حال خادم مدرسہ دار القراء، ماڈل ٹاؤن، لاہور
جمعۃ المبارک ۱۸ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ، ۳۱ جنوری ۱۹۷۵ء

تدوین نو: خالد محمود (ابن مؤلف)
۹ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ ـ اپریل ۲۰۱۵ء

مضامین کا اِجمالی خاکہ

یہ رسالہ ایک مُقدّمہ، تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے

مقدمہ میں چند ایسے مضامین درج کیے گئے ہیں جن کا جاننا ایک قاری اور مجود کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً:۔

- قرآن کی محفوظیّت
- تلاوتِ قرآن کے فضائل
- قرآن مجید کی تاریخ
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اشاعتِ قرآن سے شغف اور اسکے پھیلانے کا شوق
- قراء سبعہ رحمہم اللہ کے اسماء گرامی
- حضرت حفص رحمہ اللہ اور ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کی سند
- اور تجوید وصحت لفظی کی اہمیت، وغیرہ وغیرہ۔

بابِ اوّل میں فن کے مَبادی، حروف کے مخارج، ان کی صفاتِ لازِمہ اور ان صفات کے معنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔ اور پھر باب کے آخر میں تجوید میں کمال پیدا کرنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

بابِ دوم میں تجوید کے بقیہ مسائل یعنی تفخیم، ترقیق، اظہار، ادغام، اقلاب، اخفاء، غنہ، تسہیل، اِبدال، حذف اور مد کا بیان ہے۔ نیز اسی باب میں ادغام کی تفصیلی بحث، ہمزہ کے اَحکام، حَرَکات اور ان کی کیفیاتِ ادا، اجتماعِ ساکنین کی بحث، ہائے ضمیر کے مسائل، نیز دس

اہم اور ضروری تنبیہات بھی درج کی گئی ہیں۔ پھر باب کے خاتمہ میں لحن، اس کی قسمیں اور ان کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

بابِ سوم میں وقف وابتداء، اور سکتہ وقطع وغیرہ کا، نیز بقدرِ ضرورت قرآن مجید کے رسمُ الخط کا بیان ہے۔

خاتمہ میں آدابِ تلاوت، اِستعاذہ اور بَسملہ کے احکام، عربی لَہجہ کی اہمیت، بعض ان چیزوں کا ذکر جو تلاوت میں معیوب ہیں اور ختمِ قرآن کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ مضامین کی مفصل فہرست مع تَعیُّنِ صفحات کتاب کے شروع میں درج ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ طلبائے فن کو ان مسائل کے محفوظ کرنے اور پھر ان کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

وَهُوَ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ، وَهُوَ رَبِّيْ وَحَسْبِيْ وَلَا مَلْجَاً وَلَا مَاْوٰى اِلَّا اِلَيْهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا وَشَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

مفہوم وترجمہ

[1] اور وہی اچھائی اور حق کی توفیق دینے والا ہے اور اُسی پر بھروسہ ہے۔ وہی میرا پالنہار ہے اور وہی مجھے کافی ہے۔ نہ ہی میری کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ ہی میرا کوئی ٹھکانہ مگر سوائے اُسی کے۔ اور نہیں ہے ہمت گناہوں سے بچنے کی اور نہ طاقت ہے نیکی کرنے کی بجز اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔ اے اللہ! درود بھیج ہمارے آقا اور ہمارے سردار اور ہمارے شفیع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر، اور برکت وسلامتی بھی بھیج بہت زیادہ اور کثرت کے ساتھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

اس میں تین فصلیں ہیں

- فصلِ اوّل میں قرآن کی محفوظیّت۔
- فصلِ دوم میں قرآن کے فضائل۔
- فصلِ سوم میں قرآن کی تاریخ اور تجوید کی حیثیت بیان کی گئی ہے۔

فصلِ اوّل

قرآن کی محفوظیّت کے بیان میں

001 **سوال** محفوظیّت کے کیا معنیٰ ہیں۔ اور قرآن کی محفوظیت سے کیا مراد ہے؟

جواب محفوظیّت کے معنیٰ ہیں "محفوظ ہونا"۔ اور قرآن کی محفوظیّت سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید اپنے زمانہ نزول سے لےکر اب تک محفوظ چلا آرہا ہے اور اس میں پہلی کتابوں کی طرح کسی قسم کی تبدیلی اور کمی بیشی نہیں ہوئی، بس اس فصل میں یہی چیز قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

002 **سوال** اس کتاب کا موضوع تو علم تجوید ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، پھر اس میں قرآن کی محفوظیّت سے بحث کرنے اور اس چیز کے بیان کرنے کے کیا معنیٰ؟

جواب علمِ تجوید میں چونکہ قرآن کے الفاظ اور ان کے تلفظ سے بحث کی جاتی ہے تو جب تک پہلے خود قرآن کی محفوظیّت اور اس کے اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہنے اور باقی آسمانی

کتابوں پر اس کی برتری اور فضیلت کو بیان نہ کر دیا جائے، اس وقت تک اس لطیف اور نہایت نفیس علم کے مسائل اور اس کی باریکیوں کو بیان کرنا کچھ زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ ان چیزوں کے جاننے کے بعد ہی قرآن کے ساتھ محبت اور دل میں اس کی عَظَمَت پیدا ہوگی، تب ہی اس کو صحیح پڑھنے اور علم تجوید کے حاصل کرنے کا شوق بھی پیدا ہوگا، اس لیے اصل مقصود سے پہلے بطورِ "مُقَدِّمَہ" یہ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

003 **سوال** آسمانی کتابوں سے کون سی کتابیں مراد ہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر انسانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی رُشد و ہدایت کے لیے بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ بس انہی کتابوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمائی ہیں، آسمانی کتابیں کہتے ہیں۔

004 **سوال** کل کتابیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمائیں وہ کتنی ہیں؟

جواب نازل شدہ کتابوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے، جن میں سے سو چھوٹی ہیں اور چار بڑی۔

005 **سوال** چار بڑی کتابوں کے نام کیا ہیں۔ اور وہ کن پیغمبروں پر اتاری گئیں؟

جواب ان چار بڑی کتابوں اور جن پیغمبروں پر نازل کی گئیں، ان کے نام یہ ہیں:-

۱	تَوراۃ	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر
۲	زَبور	حضرت داوٗد علیہ السلام پر
۳	اِنجیل	حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر
۴	قرآن مجید	خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل ہوا

006 **سوال** کیا یہ تمام کتابیں اس وقت دنیا میں اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہیں؟

جواب ان میں سے صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی اصلی شکل میں ایک حرف اور ایک نقطہ کی کمی و بیشی کے بغیر آج دنیا میں محفوظ ہے۔ اور باقی تمام کتابیں مُحرَّف ہو کر ضائع ہو گئی ہیں، مگر ان سب پر ایمان لانا یعنی یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کی سب حق اور اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا، گویا خود قرآن ہی کا انکار کرنا ہے۔ ہاں! یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ اب ان میں سے قرآن پاک کے سوا کوئی بھی محفوظ نہیں!

007 **سوال** یہ کیسے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ باقی سب کتابیں ضائع ہو گئی ہیں؟

جواب اس حقیقت کا انکشاف بھی قرآن مجید ہی نے کیا ہے۔ چنانچہ علاوہ دوسرے موقعوں کے سورۂ بقرہ (رکوع: ۹) اور سورۂ مائدہ (رکوع: ۳، ۶) میں یہ اعلان خُصوصیّت کے ساتھ موجود ہے۔ جس میں حق تعالیٰ شانُہٗ نے خبر دی ہے کہ اہلِ کتاب نے اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور ان میں ردوبدل کر ڈالا۔ ان کی اس ناشائستہ حرکت کو قرآن نے تحریف[1] کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں: ادل بدل اور کچھ کا کچھ کر دینا۔ ہم نے یہ سب آیتیں مع ان کی تفسیر کے اپنی کتاب "التبیان فی ترتیل القرآن" میں درج کر دی ہیں۔

008 **سوال** آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید تو اپنے زمانۂ نُزول کے چودہ سو برس بعد تک بھی بِعَینِہٖ و بِلَفظِہٖ محفوظ ہے اور باقی آسمانی کتابیں مُحَرَّف ہو کر ضائع ہو گئی ہیں، جبکہ ان سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے؟

جواب یہ اس لیے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کام تو خود اللہ جلَّ شانُہٗ نے اپنے ذمہ لیا اور اس سے پہلے کی نازل شدہ کتابوں کی حفاظت انسانوں کے سپرد کی گئی۔ پس جس طرح حق تعالیٰ کی ذات لازوال اور اَبدی ہے، اِسی طرح اُن کی حفاظت بھی دائمی اور غیر فانی ہے۔ اور جس

[1] كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ (البقرة: ۷۵)۔ وَقَالَ تَعَالٰى: يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (المائدة: ۴۱)۔

طرح انسان فانی ہے، اسی طرح اس کی حفاظت بھی فانی اور غیر باقی ہے۔

009 سوال یہ کیسے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کام تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا اور دوسری کتابوں کی حفاظت کا ذمہ دار انسانوں کو ٹھہرایا؟

جواب اس حقیقت کا اعلان بھی قرآن مجید کی دو الگ الگ آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے متعلق تو یہ ارشاد ہوا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (سورۃ الحجر: ۹)

ترجمہ: بے شک ہم ہی نے الذکر (یعنی قرآن مجید) کو نازل فرمایا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور توراۃ سے متعلق حفاظت کی نوعیت سورۂ مائدہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِیۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِهَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَیۡهِ شُهَدَآءَ ۚ (المائدۃ: ۴۴)

ترجمہ: بے شک ہم ہی نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اسی کے مطابق وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے، یہودی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ اور (اسی طرح) ان کے مشائخ اور علماء (بھی)۔ اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے گواہ تھے۔

پس ان دو آیتوں میں قرآن اور توراۃ دونوں کتابوں کی الگ الگ نوعیت کی حفاظت کا ذکر وضاحت کے ساتھ موجود ہے، کہ قرآن مجید کی حفاظت تو خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی اور توراۃ کی حفاظت کا مطالبہ علمائے یہود سے کیا۔

010 سوال اس امتیاز اور فرق کی کیا وجہ ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں اور اس کی حکمتوں کا اِحاطہ تو کسی انسان کے بس میں نہیں، البتہ اس امتیاز اور فرق کی بڑی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا کہ توراۃ، زَبور اور انجیل، یہ سب کتابیں اپنے اپنے وقت پر نازل ہوں اور انسان ان کے احکام پر عمل کر کے دین و دنیا کی سعادت حاصل کریں۔ اور پھر ایک وقت ایسا آئے کہ سب سے آخر میں قرآن مجید نازل ہو کر پہلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دے۔ قیامت تک اسی کا قانون جاری ہو اور اسی کے احکام پر عمل درآمد ہو اور قیامت تک صرف یہی پڑھا پڑھایا جائے، پس پہلی کتابوں کی محفوظیت چونکہ قیامت تک مقصود نہیں تھی، اس لیے اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی انسانوں کو ٹھہرایا گیا۔ اور قرآن مجید کو چونکہ قیامت تک باقی رکھنا مقصود تھا اور اسکے بعد کسی نئی کتاب کا نازل کرنا منظور نہیں تھا، اسلیے حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی، کیونکہ اگر اس کی حفاظت بھی انسانوں کے سپرد کر دی جاتی تو قیامت تک اس کا باقی رہنا بھی ناممکن تھا۔

011 سوال اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدۂ حفاظت کو کس طرح پورا فرمایا؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو ایسے حیرت انگیز طریقے سے پورا فرمایا کہ جسے دیکھ کر یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس قسم کی حفاظت "بشری طاقت" سے باہر ہے۔ اور یہ کسی ایسے زبردست اور حکمت والے مالک کی کارفرمائی ہے کہ جس کے ارادے کو کوئی مُتزَلزِل نہیں کر سکتا، اور وہ جو کچھ چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ کوئی اسکے ارادے میں حائل نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کتنا ہی پیچ و تاب کھائے اور اس کی کتاب کو خدانخواستہ معدوم کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس حفاظت کی یہ صورت پیدا فرمائی کہ قرآن کے اترنے کے زمانہ سے اِس وقت تک ہر زمانہ میں سینکڑوں، ہزاروں، بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں ایسے لوگوں کو پیدا فرماتے رہے جو اپنے سینوں میں اُس کی اس پاک کتاب کو بہ تمامہٖ محفوظ کرتے رہے۔ یہ لوگ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے اتنی ضخیم کتاب کو اوّل سے آخر تک اس طرح حفظ کرتے رہے کہ اسکا ایک کلمہ تو کیا، ایک حرف اور ایک حرکت، بلکہ ایک نقطہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا۔ چنانچہ اِس پُرفتن دور

میں بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص ایسے موجود ہیں کہ جن کے سینوں میں پورے کا پورا قرآن مجید محفوظ ہے اور وہ اس کو ایک حرف کی کمی وبیشی کے بغیر فرفر پڑھ کر سنا سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو جنہیں پورا قرآن مجید یاد ہوتا ہے، اسلامی اصطلاح اور بول چال میں حُفّاظِ قرآن (یعنی قرآن کے حافظ) کہتے ہیں۔

012 **سوال** کیا حُفّاظِ قرآن کو اسلام نے کوئی خاص اور امتیازی مقام بھی دیا ہے؟

جواب ہاں اسلام نے ان کو بلند مرتبہ اور خصوصی مقام عطاء کیا ہے۔ چنانچہ آئندہ فصل میں فضائل قرآن کے سلسلہ میں درج ہونے والی حدیثوں میں سے تیسری حدیث میں خصوصیّت کے ساتھ حفاظ قرآن کے اس امتیازی مقام اور مرتبہ کا ذکر آرہا ہے۔

013 **سوال** کیا اس قسم کی انوکھی حفاظت پہلی کتابوں میں سے بھی کسی کتاب کو حاصل ہوئی تھی؟

جواب یہ عجیب وغریب اور ناقابلِ فناء حفاظت صرف قرآن ہی کے حصّہ میں آئی ہے، پہلی کتابوں کی حفاظت کے لیے یہ صورت موجود نہ تھی۔

014 **سوال** وہ کون سی چیز ہے جو ہر زمانہ کے مسلمانوں کو قرآن پاک کے حفظ کرنے پر آمادہ کرتی رہی ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ نے قرآن مجید کے حفظ کرنے اور اس کو پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا ہے، کہ آخرت میں ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ایسے بُلند درجے اور اونچے مَراتب حاصل ہوں گے کہ جو دنیا اور اس کی نعمتوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔

فصل دوم

قرآن مجید کے فضائل میں

015 **سوال** وہ احادیث کیا ہیں جن میں قرآن مجید کے فضائل ذکر کیے گئے ہیں؟

جواب اس باب میں یوں تو بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، مگر چونکہ یہ رسالہ مختصر ہے، اس لیے ہم یہاں صرف تین حدیثوں کے ذکر پر ہی اکتفاء کریں گے:۔

1 عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔ (رواہ البخاری: ۴۶۳۹)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف سیکھے اور سکھائے۔ (روایت کیا ہے اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے)

فائدہ: یہ حدیث فضائل قرآن کے باب میں بہت ہی مشہور ہے۔ اس میں قرآن مجید کی ایسی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور اسکے سیکھنے سکھانے کے بارے میں اسکے سوا کوئی اور حدیث وارد نہ بھی ہوتی تو یہی ایک حدیث خُدّامِ قرآن کی عزت افزائی کیلئے کافی ووافی تھی، کیونکہ اس میں ان کی ایسی فضیلت کا ذکر ہے جو دنیا و مافیہا سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ان کو دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے خَیْرُکُمْ یعنی امت میں سب سے بہتر ہونے کا تمغہ عطاء ہو رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ

توضیح: بعض کتابوں میں وَعَلَّمَہٗ کے بجائے اَوْ تَعَلَّمَہٗ ہے۔ اس صورت میں یہ فضیلت عام ہوگی کہ خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے، دونوں کے لیے مستقل خیر اور بہتری ہے۔ (فضائل قرآن)

۲ عَنْ مُعَاذِ ڹِالْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، ضَوْؤُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا. (رواہ أحمد وابو داؤد وصحّحهُ الحاكم، فضائل قرآن)

ترجمہ: حضرت معاذ جُہَنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے احکام پر عمل بھی کرے، تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جایگا جس کی روشنی اور چمک آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، اگر وہ آفتاب اس دنیا میں تمہارے گھروں میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا خود اس شخص کے متعلق جس نے ان احکام پر عمل کیا ہوگا۔

چند ضروری فوائد اور تنبیہات

① یعنی اگر بالفرض سورج ہم میں سے کسی کے گھر میں اتر آئے تو جتنی روشنی اور چمک اس کی اس صورت میں معلوم ہوگی، اُس تاج کی چمک اور روشنی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔

② پس جب اسکے والدین پر اتنا بڑا انعام حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے، تو خود وہ شخص جس نے قرآن پڑھا ہوگا اور اس پر عمل کیا ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام اور اس کا کس قدر اعزاز واکرام ہوگا، اس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

③ ہاں! یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس انعام کا وعدہ اُس شخص کے لیے ہے جس نے قرآن پڑھا بھی اور اس پر عمل بھی کیا۔ جس کا یہ واضح نتیجہ ہے کہ بے عمل حفاظ وقراء اس انعام کے مستحق نہیں سمجھے جائیں گے، اس لیے قراءۃِ قرآن کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ کا اہتمام بھی ضرور ہونا چاہیئے۔

۳ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ

وَاسْتَظْهَرَهُ، فَاَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ، اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ، كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (رواہ احمد:۱۲۷۸، والترمذی:۲۹۰۵، فضائل قرآن)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کو حفظ یاد کیا، پھر اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اور اسکے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شَفاعَت قبول فرمائیں گے کہ جن پر ان کے گناہوں کے سبب دوزخ کا عذاب واجب ہو چکا ہوگا۔

سبحان اللہ! کیا اونچی شان ہے حافظِ قرآن کی! کہ خود بھی جنت میں جائیگا اور دس اوروں کو بھی ساتھ لے جائیگا۔ مگر یہ حقیقت بھی بھولنے نہ پائے کہ یہ فضیلت حافظِ قرآن کو اِسی صورت میں حاصل ہوگی کہ وہ قرآن کی دولت سے مالا مال ہونے کیساتھ ساتھ، عقائد کی درستی اور خیالات کی پاکیزگی سے بھی آراستہ اور مُزیَّن ہو۔ ورنہ خدانخواستہ حافظِ قرآن کے عقائد کی اگر اصلاح نہ ہوئی اور وہ غیر اسلامی عقائد ہی کو اپناتا رہا، مَثَلاً:۔

- خَتمِ نُبُوَّت کا انکار
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی
- انکارِ حدیث
- یا اس قسم کی اور دوسری بدعقیدگیوں میں مبتلا رہا

تو ایسی صورت میں نہ صرف یہ کہ وہ اس فضیلت ہی سے محروم رہے گا، بلکہ اِن بُرے عقیدوں کی وجہ سے نارِ جہنم کا مستحق قرار پائیگا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْهَا وَاَبْعَدَنَا

خلاصہ یہ کہ وہ تمام فضائل جو حافظ قرآن کے بارے میں احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اسی صورت میں حاصل ہوں گے جبکہ حافظ قرآن صحیح اسلامی عقائد کا بھی حامل ہوگا، اس لیے

طلبائے تجوید کو چاہیئے کہ اس مقدس علم کے ساتھ ساتھ وہ ایسی کتابوں کا مطالعہ بھی ضرور رکھیں جن سے ان کے دلوں میں صحیح عقائد اور عظمتِ اسلام پیدا ہو کر نورِ ایمان جگمگا اٹھے۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ لِھٰذَا وَاِیَّاکُمْ

ایک مُغالَطَہ اور اس کا اِزالہ

016 **سوال** بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کے معنیٰ سمجھے بغیر اس کو حفظ کرنا اور اس کی تلاوت کرنا طوطے کی طرح رٹنے کے مانند ہے اور اسکا کوئی فائدہ نہیں، تو کیا ان کا یہ کہنا واقعی صحیح ہے؟

جواب ہرگز نہیں! ان کا یہ قول سَراسَر باطل اور یہ خیال بالکل لغو ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے قلوب قرآن مجید کی عَظَمت سے خالی اور ان کی زبانیں اس کی ضرورت سے منکر ہیں، اس لیے وہ ایسے گندے خیالات پھیلا کر اوروں کو بھی تعلیمِ قرآن سے روکنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر التبیان فی ترتیل القرآن میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ایک حدیث اور ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ بلا معنیٰ سمجھے بھی صرف اَلفاظِ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کرنے کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

حدیث شریف

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَاَ حَرْفًا مِّنْ كِتَـابِ اللّٰـهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَّالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَـا، لَا اَقُوْلُ الٓـمّٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ، وَّلَامٌ حَرْفٌ، وَّمِيْمٌ حَرْفٌ. (رواہ الترمذی: ۱۰۲۹)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: فرمایا

رسول اللہ ﷺ نے: جس شخص نے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا تو اس کو اس کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی، اور ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔

یعنی الٓمٓ میں چونکہ تین حرف ہیں اسلئے اسکے پڑھنے والے کو تیس نیکیاں ملیں گی۔

فائدہ: غور کرو کہ اس حدیث میں یہ کوئی شرط نہیں لگائی گئی کہ پڑھنے والا معنیٰ سمجھتا ہو تو تب ہی اس کو ثواب ملے گا، بلکہ نکتہ کی بات یہ ہے کہ جن حروف کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے پاک ارشاد میں ذکر فرمایا ہے ان کے معنیٰ ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا۔ بلکہ بڑے بڑے علماء بھی ان کی یقینی مراد سمجھنے سے قاصر ہیں۔ پس ان گمراہ لوگوں کے قول کی رُو سے تو ان حرفوں کی تلاوت کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے ان کی تلاوت پر تیس نیکیوں کا ملنا ثابت ہو رہا ہے!

اس حدیث سے جہاں بے معنیٰ سمجھے قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر اجر و ثواب کا ملنا ثابت ہوتا ہے وہاں اس سے تلاوتِ قرآن کی ایک بہت ہی بڑی فضیلت اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہوں۔ یہ خُصوصیّت اور فضیلت صرف اور صرف قرآن مجید کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شب و روز اس کی تلاوت کرنے اور اس نعمتِ عُظمیٰ کی قدر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔ اور وہ واقعہ یہ ہے:

سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا واقعہ خواب

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرب حاصل ہو، کونسی ہے؟ ارشاد ہوا:

اَحمد! میرا کلام (یعنی قرآن مجید) ہے۔ میں نے عرض کیا: سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ ارشاد ہوا: سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے، دونوں طرح مُوجبِ تقرُّب ہے۔ (فضائل قرآن، ص:۳۳)

اس حدیث اور واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کی تلاوت خواہ سمجھ کر کی جائے یا بلا سمجھے، ہر طرح یہ بارگاہِ الٰہی میں تقرب اور نزدیکی کا سبب بنتی ہے۔ بس اب تم خود ہی سوچ لو کہ نیکیوں کا ملنا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا حاصل ہونا کوئی فائدے کی چیز ہے، یا معاذاللہ بے فائدہ اور بے کار ہے۔ اگر یہ کوئی فائدے کی چیز ہے اور اس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے تو پھر قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کا حفظ کرنا بھی یقیناً نفع کی چیز ہے۔ اور اگر کسی کے دل میں نیکیوں کی اور اللہ کے قُرب ہی کی قدر نہ ہو تو پھر اس شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے، چونکہ یہ رسالہ نہایت مختصر ہے، تفصیل کی اس میں گنجائش نہیں۔ بس تم قرآن کے سیکھنے اور سکھانے میں لگے رہو اور ایسے لوگوں کی بیہودہ باتوں پر بالکل کان مت دھرو اور اس عمل سے اللہ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی چاہتے رہو۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ہاں یہ بات اور بھی خوبی کی ہے کہ حفظِ قرآن کے بعد اس کے معنیٰ سیکھے جائیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں کن باتوں کا حکم کرتے ہیں اور کن چیزوں سے روکتے ہیں۔ کیونکہ اس سے دل میں احکام خداوندی پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بڑی دولت ہے، لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کہ جب تک معنیٰ سمجھنے کی لیاقت نہ ہو اس وقت تک تلاوت ہی نہ کی جائے اور بے معنیٰ سمجھے تلاوت کرنے کو معاذاللہ فضول اور بے کار کہا جائے!!

017 **سوال** اِمام اَحمد بن حَنبل رحمۃ اللہ جن کا واقعہ ابھی آپ نے ذکر کیا ہے، کون بزرگ ہیں؟

جواب یہ ایک بہت بڑے عالم، بزرگ متّقی اور مسلمانوں کے امام ہیں۔ مسلمانوں کے جو چار بڑے امام مشہور ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہیں۔

018 سوال کیا کوئی ایسی کتاب بھی ہے جس کے مُطالعہ سے قرآن مجید کی عَظَمت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے؟

جواب ہاں اس مقصد کے لیے حضرت مولٰنا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مدظلہ کا رسالہ "فضائلِ قرآن" بہت عمدہ ہے۔ اسکا مطالعہ ضرور رکھو، اس سے ان شاء اللہ دل میں قرآن کی عَظَمت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا شوق پیدا ہوگا۔

019 سوال کیا قرآن مجید صرف سینوں ہی میں محفوظ ہوتا چلا آیا ہے، یا کتابی شکل میں بھی مُدَوَّن (یعنی جمع کیا ہوا) محفوظ ہوتا رہا ہے؟

جواب جس طرح قرآن مجید اپنے زمانہ نزول سے اب تک حفاظ و قراء کے سینوں میں محفوظ ہوتا چلا آرہا ہے، اسی طرح وہ اُس زمانہ سے کتابی شکل میں بھی مدوّن و مکتوب ہوتا آرہا ہے۔ بس اس کو دونوں طرح کی حفاظت حاصل رہی ہے:۔ سینہ بہ سینہ بھی اور کتابی شکل میں بھی۔ چنانچہ ہم ذیل میں مختصر طور پر قرآن مجید کی تاریخ بیان کرتے ہیں تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب اپنے زمانۂ نزول سے اب تک ہمارے پاس کیسے اور کن بزرگوں کے ذریعے پہنچی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے اور بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پاک کتاب کی حفاظت کی خاطر کیا کیا کوششیں اور محنتیں کی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن مجید کی حفاظت کرنا اور اس کو دنیا میں پھیلانا کس قدر ضروری تھا۔

ح متوفی: مئی ۱۹۸۲ رحمہ اللہ تعالیٰ

فصل سوم

قرآن مجید کی تاریخ میں

عہدِ رسالت میں قرآن کی حفاظت وکتابت

020 **سوال** آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کی حفاظت کیسے ہوئی۔ اور اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا؟

جواب جب قرآن مجید کی کوئی آیت یا کئی آیتیں یا کوئی سورۃ نازل ہوتی تو سب سے پہلے اس کی حفاظت کا انتظام یہ ہوتا کہ وہ نازل شدہ حصہ آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک میں محفوظ ہو جاتا۔ حفاظت کی یہ شکل خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ جس کا اعلان سورۃ قیامہ: ۱۷ میں ان لفظوں میں فرمایا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝

ترجمہ: بے شک ہمارے ذمّہ ہے قرآن کا آپ کے سینہ میں محفوظ کر دینا اور پھر اس کا آپ کی زَبان سے پڑھوا دینا۔

اور پھر آپ رسول اللہ ﷺ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو حفظ یاد کر لیتے۔ اور جو لکھنا جانتے وہ لکھ بھی لیتے۔ علاوہ ازیں خود آنحضرت ﷺ بھی اُن صحابہ کرام میں سے جن کو آپ ﷺ نے قرآن کے لکھنے پر مقرر فرما رکھا تھا، کسی کو بلا کر وہ نازل شدہ حصہ لکھوا دیتے۔ اس طرح قرآن کا وہ حصہ بہت سے دیگر صحابہ کے سینوں میں بھی محفوظ ہو جاتا۔ اور بہت سے صحابہ کرام کے پاس کتابی شکل میں بھی مُدوّن ہو جاتا۔

021 **سوال** کیا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پورا قرآن کسی کو حفظ ہو گیا تھا۔ اور مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا یا نہیں۔ اور اگر پورا لکھا جا چکا تھا تو اس کی کیا نوعیت تھی؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی مبارک حیات ہی میں پورے کا پورا قرآن مجید، دو، چار، یا دس بیس کو نہیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کو جس میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی، مہاجرین بھی اور انصار بھی، حفظ ہوگیا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے زمانہ ہی میں پورے کا پورا قرآن مجید لکھا بھی جا چکا تھا۔ لیکن ایک جگہ مُرتّب اور جمع نہیں تھا، البتہ سینوں میں اِسی ترتیب کے ساتھ محفوظ تھا جس ترتیب کے ساتھ آج ہمارے پاس موجود ہے۔

عہدِ صدّیقی میں قرآن کی حفاظت وتدوین

022 **سوال** رسول اللہ ﷺ کے بعد پھر قرآن مجید ایک جگہ جمع کس زمانہ میں اور کس کے حکم سے کیا گیا؟

جواب پورے کا پورا قرآن مجید حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور آپ ہی کے حکم سے ایک جگہ جمع کیا گیا۔ اس خدمت کو آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی قرآن لکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے امیر تھے۔ چنانچہ آپ نے اس خدمت کو نہایت محنت اور جانفِشانی کے ساتھ سرانجام دیا۔ اور پورا قرآن مجید ایک جگہ جمع کر دیا۔

023 **سوال** حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کے ایک جگہ جمع کرانے کا مشورہ کس نے دیا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کے "ایک جگہ" جمع کرانے کا مشورہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیا۔ اور اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے چند ہی ماہ بعد عہدِ صدیقی میں مسلمانوں کو مُرتَدِّین کی ایک جماعت کے ساتھ جن کا سردار مُسَیلِمہ کذّاب تھا، لڑائی لڑنی پڑی، جس میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے۔ شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک بڑی جماعت حفاظ قرآن کی بھی تھی، اس لیے حضرت

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر قرآن مجید کو خلافت کے انتظام کے تحت ایک جگہ لکھوا کر محفوظ نہ کرلیا گیا، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی طرح حُفّاظِ قرآن لڑائیوں میں شہید ہوتے رہیں اور قرآن بھی خدانخواستہ پہلی کتابوں کی طرح ضائع ہو جائے۔ چنانچہ اسی خطرہ کے پیشِ نظر جناب عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت کی نگرانی میں ایسا کرانے کا مشورہ دیا۔

024 **سوال** جس لڑائی کا ابھی آپ نے ذکر کیا ہے، اسلامی تاریخ میں اس کا کیا نام ہے۔ اور وہ کیوں لڑی گئی؟

جواب یہ لڑائی اسلامی تاریخ میں جنگِ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ اس لیے لڑی گئی کہ یمامہ کے ایک شخص نے جس کا نام مُسَیلِمہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آپ کی حیات ہی میں نُبوَّت کا دعویٰ کیا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں تو اس کی جھوٹی نُبوَّت کو زیادہ پھیلنے کا موقع نہ مل سکا، لیکن آپ کی وفات کے بعد اسکے گروہ میں اضافہ ہونے لگا، اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس فتنہ کے دبانے کی ضرورت پڑی۔ اسی مقصد کے پیش نظر یہ لڑائی لڑی گئی۔ چنانچہ مُسَیلِمہ اس لڑائی میں مارا گیا اور اس کی جھوٹی نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔ چونکہ اس شخص نے ایک بہت بڑا جھوٹ بولا تھا اور اللہ تعالیٰ پر ایک بڑا اِفتِراء باندھا تھا، کہ میں نبی ہوں، اسی وجہ سے اسلامی تاریخ میں اس کو مُسَیلِمہ کذاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یعنی بہت بڑا جھوٹ بولنے والا مُسَیلِمہ۔

دَورِ عثمانی میں قرآن کی خدمت واشاعت

025 **سوال** کیا حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی اور خلیفہ نے بھی قرآن کی کوئی خدمت انجام دی ہے؟

جواب ہاں! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسی عہدِ صدیقی کے جمع کردہ قرآن کی بہت سی نقلیں کرا کر بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھجوا دیں۔ اور حکم دیا کہ ان ہی نسخوں کے مطابق قرآن لکھا جائے اور پڑھا پڑھایا جائے۔

026 **سوال** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی اس خدمت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب حضرت حُذَیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے ایک اسلامی لڑائی میں مسلمانوں کے دو گروہوں کو قرآن کے بعض کلمات کی قراءۃ کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے دیکھا، کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کی قراءۃ کو غلط اور اپنی قراءۃ کو صحیح بتا رہا تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس صورتِ حال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر کے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ قرآن مجید کو وسیع پیمانہ پر لکھوا کر اس کی حفاظت کا انتظام فرمائیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کا بھی وہی حال نہ ہو جائے جو دوسری آسمانی کتابوں کا ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہدِ صدیقی کے جمع کیے ہوئے قرآن کو منگا کر اس کی متعدَّد نقلیں کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے بھی اس خدمت کیلئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہی منتخب فرمایا اور ان کے ساتھ چند اور نامور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس خدمت پر مامور فرما دیا۔ بس اس وقت سے اب تک ساری امت کا اِس پر اجماع رہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھوائے

ہوئے قرآن کے ان نسخوں کے مطابق ہی لکھنا اور پڑھنا ضروری ہے اور اس کے خلاف ہرگز جائز نہیں۔ تفصیل کیلئے التبیان کی طباعت کا انتظار کیجئے اور اس کی تکمیل کیلئے دعا بھی کیجئے۔

قرآن کے رسم الخط کی محفوظیّت

027 **سوال** کیا مسلمانوں کے پاس آج قرآن کا وہ رسم الخط (یعنی لکھنے کا طریقہ) محفوظ ہے جس کے مطابق عثمانی عہد میں قرآن لکھے گئے تھے؟

جواب ہاں محفوظ ہے۔ اور اسلام کے ابتدائی دور سے اِس وقت تک جس طرح علماء وحفاظ قرآن کے معانی اور اس کے الفاظ کی حفاظت کرتے چلے آئے ہیں، اسی طرح وہ قرآن مجید کے اُس رسم الخط کی بھی حفاظت کرتے رہے ہیں جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دور عثمانی میں قرآنوں کے لکھتے وقت اختیار فرمایا تھا۔ اس کو محفوظ رکھنے کے لیے علماء نے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، جن میں تفصیل کے ساتھ اس رسم الخط کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن حضرات کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے۔

028 **سوال** کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی قرآن مجید کی تدوین وحفاظت سے متعلق کوئی خدمت انجام پائی تھی؟

جواب چونکہ آپ کی خلافت کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے ہی قرآن کی تدوین وحفاظت سے متعلق تمام مراحل طے ہو چکے تھے اور اِس نوعیت کی کسی خدمت کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی، اس لیے آپ کے دور خلافت میں تدوین قرآن سے متعلق کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ ارشاد کتابوں میں پایا جاتا ہے جس میں آپ نے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت کو سراہا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

> اگر مجھے موقع ملتا تو میں بھی اِس سلسلہ میں وہی کچھ کرتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔ (شعب الایمان، جلد:۱، ص:۳۴۲)

آپ کے اس ارشاد سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب حضرات آپس میں شیر وشکر اور قرآن کے سچّے خادم تھے اور ایک دوسرے پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان پاک لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور قیامت کے دن اپنے فضل وکرم سے ہمارا حشر انہیں کے ساتھ فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین

سب سے بڑے محسن

029 **سوال** قرآن کی حفاظت کے سلسلہ میں سب سے نمایاں خدمت کن حضرات نے انجام دی۔ اور امتِ مسلمہ پر اس سلسلہ میں سب سے زیادہ احسان کن بزرگوں کا ہے ؟

جواب قرآن کی نشر واشاعت اور اسکی تدوین وحفاظت میں جُملہ صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کوششوں کو بہت دخل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان حضرات کو اپنی پاک کتاب کی حفاظت کی مبارک ترین خدمت کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ اور اگر یہ حضرات اپنے اپنے دَورِ خلافت میں اس مقدس کام کی طرف توجہ نہ فرماتے تو بظاہر یہ بہت ممکن تھا کہ آج قرآن مجید ہمارے پاس اس اصلی شکل میں جس میں کہ وہ عہدِ رسالت میں تھا، محفوظ نہ ہوتا اور خدانخواستہ پہلی کتابوں کی طرح یہ بھی ضائع ہوگیا ہوتا۔

پس اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے وعدۂ حفاظت کو پورا فرمانے کے لیے ان حضرات کو بطور ذریعہ اور سبب چن لیا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ قرآن ان ہی کی موجودگی میں اترا اور اس کی بہت سی آیات خود انہی کی شان میں نازل ہوئیں۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ سے اُنہوں نے بلاواسطہ قرآن پڑھا، جس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ سب سے زیادہ محبت اور اس کو تمام دنیا میں پھیلانے کا سب سے زیادہ شوق بھی ان ہی کے دلوں میں پیدا ہوتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جیسا کہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ جنگِ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے تو شیخین رضی اللہ عنہما کو سب سے زیادہ جس چیز کی فکر لاحق ہوئی وہ یہی تھی کہ خدانخواستہ کہیں قرآن مجید بھی پہلی کتابوں کی طرح ضائع نہ ہو جائے۔ اور اسی لیے انہوں نے اس کو سرکاری طور پر کتابی شکل میں محفوظ کرا دیا۔

اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قراءۃِ قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر جب اختلاف پیدا ہوا تو آپ نے اُس قرآن کی بہت سی نقلیں کرا کر اُس وقت کے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھجوادیں۔ اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ انہی قرآنوں کے موافق لکھا اور پڑھا پڑھایا جائے۔ جس سے ہمیشہ کے لیے اس اختلاف کا خاتمہ ہوگیا اور آئندہ اس کا اندیشہ نہ رہا کہ کسی موقعہ پر بھی قرآن مجید پہلی کتابوں کی طرح تحریف کا نشانہ بنے۔

یقیناً اُمّت پر اُن کا یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے، کم ہے۔ پس اللہ کی اس کتاب کے ہم تک پہنچنے میں :-

- ہمارے جملہ اساتذہ کا۔ اور بالخصوص
- صحابہ کرام کا۔ پھر ان میں سے بھی
- خلفائے راشدینَ المُهدِیّین
- حضرت زَید بن ثابت اور حضرت حُذَیفہ بن الیَمان (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

کا ہم پر جو احسان ہے، اسے ہمیں کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے عہد میں خُدّامِ قرآن

030 **سوال** صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد پھر کن لوگوں کے ذریعے قرآن کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہوئی؟

جواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور پھر ان کے بعد تبع تابعین میں سے بیشمار اور اَن گِنت حضرات نے خدمتِ قرآن کو اپنا مشغلہ بنایا۔ اور اللہ کی وہ مقدس امانت جو صحابہ کرام نے ان کے سُپرد کی تھی، نہایت محنت، جانفشانی اور دیانتداری کے ساتھ انہوں نے اس کو اپنے سے بعد والے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کتنے اور کون کون تھے۔ ان کا اِحصاء اور شمار کسی کے بس میں نہیں۔ ان میں سے جن کے تذکرے کتابوں میں ملتے ہیں وہ بھی بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اُن سب کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر قرآن مجید کی خدمت اور اس کی اِشاعت کی توفیق عطاء فرمائے۔

ہاں! ان میں سے سات ایسے مشہور اور ممتاز ہیں کہ جو علم وفضل کے آسمان پر بدرِ مُنیر بن کر چمکے اور سارے عالَم کو نورِ قرآن کی شُعاعوں سے جگمگا دیا۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

۱ امام نافع بن عبد الرحمٰن بن اَبی نُعیم مدنی (۷۰-۱۶۹ھ)

۲ امام عبد اللہ بن کثیر بن عَمرو مکی (۴۵-۱۲۰ھ)

۳ امام ابو عَمرو زبّان بن العَلاء بن عمّار بَصری (۶۸-۱۵۴ھ)

۴ امام عبد اللہ ابن عامر بن یزید شامی (۸-۱۱۸ھ)

۵ امام عاصم بن بَہدلہ اَبی النَّجود کوفی (م ۱۲۷ھ)

۶ امام حمزہ بن حَبِیب بن عُمارہ کوفی (۸۰-۱۵۶ھ)

۷ امام ابوالحسن علی بن حمزہ بن عبداللہ کسائی کوفی رحمہم اللہ (۱۱۹-۱۸۹ھ)

پھر ان سات شیوخ کے بکثرت راوی (یعنی شاگرد) ہوئے، مگر ہر ایک کے دو دو راوی ایسے لائق و فائق اور مَرجَعِ خلائق بنے کہ جنہوں نے اپنے شیوخ سے قرآن پڑھا اور پھر اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اور جہالت کی تاریکی کو دور کر کے سارے جہاں کو نورِ علم سے معمور کر دیا۔ چنانچہ امام عاصم کوفی تابعی رحمہ اللہ کے دو مشہور راوی یہ ہیں:۔

۱ حضرت ابوبکر شُعبہ بن عَیَّاش بن سَالِم کوفی (۹۴-۱۹۳ھ)

۲ حضرت ابو عَمرو حفص بن سُلیمان بن مُغیرہ اَسَدِیّ رحمہما اللہ (۹۰-۱۸۰ھ)

ہم اس رسالہ میں انہی مؤخر الذکر یعنی حضرت حفص بن سُلیمان رحمہ اللہ ہی کی روایت[1] کے موافق مسائلِ تجوید بیان کریں گے، اس لیے کہ یہی روایت سارے جہان میں زیادہ تر پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ اور رُوئے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نوسو ننانوے[999] اشخاص کو صرف یہی ایک روایت یاد ہے۔ ایسا شاید کوئی نہ ہو کہ جس کو یہ روایت تو یاد نہ ہو، اور کوئی دوسری یاد ہو۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

۱ اگرچہ مخارج اور صفاتِ لازمہ میں تو قراءِ سبعہ بلکہ قراءِ عشرہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں، لیکن بقیہ مسائل یا بالفاظِ دیگر صفاتِ عارضہ میں، اور کسی قدر کیفیتِ وقف میں بھی ان حضرات کے مذاہب مختلف ہیں، لیکن ہمارے پیشِ نظر چونکہ صرف روایتِ حفص کے طلباء ہی ہیں اس لیے رسالہ ہذا میں انہی کی روایت کے موافق مسائل بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔

حضرت حفص رحمہ اللہ اور ان کی نبی کریم ﷺ تک کی سند

031 **سوال** حضرت امام حفص رحمہ اللہ کس سن میں پیدا ہوئے اور کس سن میں ان کی وفات ہوئی۔ اور آپ کی سند رسول اللہ ﷺ تک کتنے اور کن واسطوں سے جا ملتی ہے؟

جواب آپ ۹۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۰ھ میں بعمر نوّے سال وفات پائی۔ آپ نے قرآن مجید حضرت امام عاصم کوفی تابعی رحمہ اللہ سے پڑھا۔ اور ان کے تمام رُواۃ و تلامذہ میں سب سے زیادہ قوی حافظہ والے تھے۔ آپ کی سند آنحضرت ﷺ تک تین واسطوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ جو حسبِ ذیل ہیں:۔

پہلا واسطہ حضرۃ امام عاصم بن ابی النَّجُود کوفی تابعی رحمہ اللہ

دوسرا واسطہ حضرۃ ابوعبد الرحمٰن عبداللہ بن حُبَیب السُّلَمیؒ اور حضرۃ ابو مریم زِرُّ بْنُ حُبَیشؒ

تیسرا واسطہ دوسرے واسطے میں سے اوّل الذکر یعنی حضرۃ عبداللہ بن حُبَیب السُّلَمیؒ نے حضرۃ عثمان بن عفان، حضرۃ علی بن ابی طالب، حضرۃ ابی بن کعب، حضرۃ زید بن ثابت اور حضرۃ عبداللہ بن مسعود (ان پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے۔ اور ثانی الذکر یعنی حضرۃ زِرُّ بْنُ حُبَیشؒ نے حضرۃ عثمان بن عفان اور حضرۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے پڑھا۔

❋ اور ان پانچوں صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے پڑھا۔ (از تیسیر لأبی عمرو الدانی رحمہ اللہ)

اور مُحقِّق ابن الجزری رحمہ اللہ نے امام عاصم رحمہ اللہ کے تین شیوخ بتائے ہیں۔ تیسرے شیخ کا نام حضرۃ ابو عمرو سعد بن الیاس الشَّیبانی رحمہ اللہ بتایا ہے۔

پھر یہ فرمایا ہے کہ ان تینوں حضرات نے حضرۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پڑھا ہے۔ پھر ان تین میں سے السُّلَمی اور زِرُّ ابن حُبَیش رحمہما اللہ نے حضرۃ عثمان اور حضرۃ علی رضی اللہ عنہما سے بھی پڑھا

ہے۔ اور السُّلَمیؒ نے ان تین کے علاوہ حضرۃ اُبی ابن کعب اور حضرۃ زَید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی پڑھا ہے (النشر،ص: ۱۵۵، ج:۱)۔ حاصل اس کا یہ ہے:۔

① ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حُبیب سُلمی رحمہ اللہ نے تو حضرۃ عثمان، حضرۃ علی، حضرۃ ابن مسعود، حضرۃ اُبی اور حضرۃ زَید رضوان اللہ علیہم اجمعین (ان پانچ صحابہ کرام) سے پڑھا۔

② زِرُّبنُ حُبیش رحمہ اللہ نے حضرۃ عثمان، حضرۃ علی اور حضرۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم (ان تین صحابہ کرام) سے پڑھا۔

③ ابوعَمرو سعد بن الیاس الشَّیبانی رحمہ اللہ نے صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پڑھا۔

✵ اور ان پانچوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: اس تمام تفصیل کو اب ایک شجرہ میں بھی دیکھئے اور سمجھئے:



تجوید (یعنی صحتِ لفظی) اور اس کی حیثیت

032 سوال جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور اسکا رسم الخط اُمت کے پاس آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے اب تک محفوظ ہے، تو کیا اس طرح حروفِ قرآنیہ کی کوئی ادا اور ان کا کوئی تلفظ بھی اُمت کے پاس محفوظ ہے، یا جس طرح جس کا جی چاہے ادا کرے، اس کی عام اجازت ہے؟

جواب بے شک جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور اسکا رسم الخط محفوظ ہے، بعینہٖ اُسی طرح امت کے پاس حروفِ قرآنیہ کی ادا اور ان کا تلفظ بھی محفوظ ہے۔ اور اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ جو شخص جس طرح چاہے قرآن مجید کے حروف وکلمات کو ادا کرے۔ بلکہ وہی ادا صحیح اور معتبر سمجھی جائے گی جو آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہے اور جس طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تلاوت فرمائی۔ اور جس طرح قرآن مجید کے وہی معانی ومطالب صحیح سمجھے جائیں گے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے مَروی ہیں، اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کی ادا بھی وہی مُعتَبَر ہوگی جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تلاوت میں مَرعی تھی۔

033 سوال علمائے اسلام نے جس طرح قرآن مجید کے معانی ومُطالب کی حفاظت کی غرض سے بہت سے علوم، مثلاً: صَرف، نَحو، لُغت اور ادب وغیرہ مُدوّن فرمائے ہیں، تو کیا انھوں نے اس کے الفاظ کی صحیح ادا کو باقی رکھنے کے لیے بھی کسی علم کی تدوین فرمائی ہے۔ اور اگر ایسا کیا ہے تو اس علم کا نام کیا ہے؟

جواب بے شک علمائے اسلام نے معانی قرآن کی طرح اس کے الفاظ کی صحیح ادا باقی رکھنے کی خاطر بھی ایک خاص علم مدوّن فرمایا ہے اور اس مقدس علم کا نام علمِ تجوید ہے۔ پس جس طرح قرآن کے صحیح مطالب تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ان سب عُلوم کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح

قرآن مجید کے حروف وکلمات کے صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے علم تجوید کا حاصل کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اور یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

034 **سوال** تجوید کی کتابوں میں کیا چیز بیان کی جاتی ہے؟

جواب تجوید کی کتابوں میں وہ قواعد بیان کیے جاتے ہیں جن کے یاد کر لینے اور قرآن کی تلاوت کے وقت ان کو عمل میں لانے سے اَلفاظِ قرآن کی ادا صحیح ہو جاتی ہے۔ اور عجمی لوگوں کا تلفظ بھی اُن خالص عربوں کے تلفظ کے موافق ہو جاتا ہے جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا، فقط۔ وَاللّٰـهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ

الحمدللہ کہ یہاں پہنچ کر مقدمہ ختم ہوا۔ اب آئندہ صفحات میں کتاب کا اصل موضوع یعنی تجوید اور وقف کے مسائل بیان کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَبِهٖ نَسْتَعِيْـنُ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے قرآن کریم کو نازل کیا۔ اور ہمیں اس کے حفظ کرنے کا اور اس کی تلاوت کا اعزاز بخشا۔ اور ہمیں اس کو عمدگی کے ساتھ صاف صاف ادائیگی سے پڑھنے کا حکم دیا۔ اور اس کا پڑھنا عظیم عبادتوں میں سے بنا دیا۔ پس خوشخبری ہے ہر اس شخص کیلئے جس نے سب کچھ پس پشت ڈال کر اپنے آپ کو وقف کر دیا اس پر غور وفکر کیلئے۔ اور نیز پابند کر لیا خود کو اس کی درس وتدریس پر۔ اور درود وسلام ہو ہمارے سردار، ہمارے مولیٰ اور ہماری شفاعت کرنے والے خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے صحابہ پر جو اس کتاب کی خدمت کیلئے ہمہ تن اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس کے حفظ کرنے پر محنت کی اور اس کی اشاعت پر جدوجہد کی۔

باب اول

اس میں چار فصلیں اور ایک تتمہ ہے

فصلِ اوّل میں علم تجوید کے مَبادی۔فصلِ دوم میں حروف کے مخارج۔فصلِ سوم میں حروف کی صفاتِ لازمہ۔فصلِ چہارم میں ان صفات کے معنیٰ۔ اور تتمہ میں مخارج وصفات کے تین بڑے بڑے فوائد بیان کر کے، تجوید میں کمال پیدا کرنے اور اس علم کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

فصل اوّل

علمِ تجوید کے مَبادِی کے بیان میں

035 سوال مَبادِی سے کیا مراد ہے؟

جواب کسی علم وفن کے شروع کرنے سے پہلے بطورِ مقدمہ جن چیزوں کا جان لینا ضروری ہوتا ہے، مثلاً:۔ اس علم کی تعریف، اس کا موضوع، اس کی غرض وغایت، اس کا ثَمرہ اوراس کا حکم وغیرہ، ان چیزوں کو مَبادی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس فصل میں علم تجوید سے متعلق اسی قسم کی چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

036 سوال تجوید کے لُغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا ہیں؟

جواب تجوید کے لُغوی معنیٰ: اَلْاِتْیَانُ بِالْجَیِّدِ یعنی کسی کام کے عمدہ کرنے اور سَنوارنے کے ہیں۔ اور مُجَوِّدِین کی اصطلاح (یعنی بول چال) میں تجوید کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے:

هُوَ اَدَاءُ الْحُرُوْفِ مِنْ مَّخَارِجِهَا الْخَاصَّةِ لَهَا مَعَ جَمِيْعِ صِفَاتِهَا اللَّازِمَةِ وَالْعَارِضَةِ بِسُهُوْلَةٍ وَّبِغَيْرِ كُلْفَةٍ. (ضوابط نبلاء التجويد للشيخ المقرى محمد عبد المعبود رحمه الله)

ترجمه: یعنی حرفوں کو ان کے مخارجِ مُقرّرہ سے مع جمیع صفاتِ لازمہ اور عارضہ کے بغیر کسی تکلّف کے آسانی کے ساتھ ادا کرنا آسکے۔

037 **سوال** علم تجوید کی کیا تعریف ہے؟

جواب علم تجوید کی تعریف یہ ہے:

هُوَ عِلْمٌ يُّبْحَثُ فِيْهِ عَنْ مَّخَارِجِ الْحُرُوْفِ وَصِفَاتِهَا.

یعنی علم تجوید اس علم کا نام ہے جس میں حروف کے مخارج اور ان کی صفات سے بحث[1] کی جاتی ہے۔

038 **سوال** علم تجوید کا موضوع کیا ہے۔ اور موضوع کسے کہتے ہیں؟

جواب علم تجوید کا موضوع حروفِ تہجی یعنی الف سے یا تک کے انتیس[۲۹] حروف ہیں کہ انہی سے قرآن مجید مُرکّب ہے۔ اور موضوع کسی علم کا وہ ہوتا ہے جس کے متعلق اس علم میں بحث وتمحیص کی جاتی ہے۔ چنانچہ علم تجوید میں انہی حروفِ ہجاء کے مخارج وصفات بیان کیے جاتے ہیں اور انہی کی کیفیتِ ادا سے بحث کی جاتی ہے۔ اور ان کو حروفِ تہجی یا حروفِ ہجاء اس لیے کہتے ہیں کہ ان ہی حرفوں سے ہجے مُرتّب کیے جاتے ہیں۔

039 **سوال** علم تجوید کی غایت کیا ہے۔ اور غایت کسے کہتے ہیں؟

جواب کسی علم وفن کے حاصل کرنے سے جو چیز مقصود ہوتی ہے، اس کو اس علم کی

[1] اساتذہ کرام طلباء کو تجوید اور علم تجوید کا فرق اس طرح سمجھائیں کہ تجوید تو اس عمل کا نام ہے جس کے کرنے سے قرآن مجید کے حروف وکلمات صحتِ لفظی اور عمدگی کے ساتھ ادا ہوتے ہیں۔ اور علم تجوید وہ علم ہے جس میں عمل کرنے کے اصول اور اس کے قواعد بیان کیے جاتے ہیں۔

غایت (یعنی غرض) کہتے ہیں۔ اور علم تجوید کی تحصیل سے مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف وکلمات کی اُس ادا اور تلفظ پر قدرت حاصل ہو جائے جو آنحضرت ﷺ سے سیکھا اور حاصل کیا گیا ہے۔

040 **سوال** اس علم کا ثمرہ (یعنی نتیجہ) کیا ہے؟

جواب دونوں جہاں کی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس کا ثمرہ ہے۔ نیز یہ کہ اگر قواعد تجوید کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو تلاوت کا حُسن دو بالا ہو جاتا ہے۔ اور حروف اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

041 **سوال** تجوید میں کمال کیا ہے۔ اور مُجوِّد کامل کہلانے کا کون حقدار ہے؟

جواب کمالِ تجوید یہ ہے کہ قاری حروفِ قرآنیہ کو ان کے مخارج سے صفات کی رعایت کیساتھ بغیر کسی قسم کے تکلّف کے ادا کرے یعنی اس کو حروف کے صحیح ادا کرنے میں مشکل پیش نہ آئے اور وہ بلا تکلّف حروف کو نہایت لطافت اور عمدگی کیساتھ ادا کرتا چلا جائے۔

042 **سوال** تکلُّف سے کیا مراد ہے؟

جواب تکلّف سے مراد یہ ہے کہ قاری کے چہرے سے پڑھتے وقت گرانی کے آثار ظاہر ہوں۔ مثلاً:۔ |پیشانی پر شکن پڑنا |جلد جلد پلکیں گرانا |زور سے آنکھیں بند کرنا |ناک کا پھولنا |منہ کا ٹیڑھا ہونا |جن حرفوں کی ادائیگی میں ہونٹوں کو دخل نہیں، ان کے ادا کرنے میں ہونٹوں کو گول کرنا |یا خواہ مخواہ حرکت دینا۔ یہ تمام باتیں معیوب ہیں اور ایسا کرنے کو ہی تکلّف کہتے ہیں۔ جو قاری قرآن مجید کو بلا تکلّف پڑھے، یعنی اسکے چہرہ سے اس قسم کے آثار ظاہر نہ ہوں، بس وہی مجودِ کامل ہے۔ (تسہیل الفرقان لمولانا قاری حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ)

043 **سوال** علم تجوید کی فضیلت کیا ہے؟

جواب یہ علم تمام عُلوم سے اشرف اور افضل ہے۔ اسلئے کہ اسکا تعلق تمام چیزوں سے

اشرف چیز یعنی کلامُ اللہ کے الفاظ کیساتھ ہے۔ (عقد الفرید للشیخ علی بن احمد صبرہ)

044 **سوال** تجوید اور علم تجوید کا کیا حکم ہے؟

جواب قرآن وحدیث نیز اجماعِ اُمت کی رُو سے تجوید کا حاصل کرنا اور اسکے موافق قرآن مجید پڑھنا واجب اور ضروری ہے اور اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ سورۂ مُزّمّل:۴ میں ارشاد باری ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۝ یعنی قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اور اطمینان کیساتھ پڑھو۔ اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کو تجوید کیساتھ پڑھا جائے۔ چنانچہ تفسیر بَیضاوی میں اسی آیت کی تفسیر جَوِّدِ الْقُرْاٰنَ تَجْوِیْدًا سے ہی کی گئی ہے (نہایۃ القول المفید:۱۱)۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ منقول ہے: اَلتَّرْتِیْلُ هُوَ تَجْوِیْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ (الاتقان) یعنی: ترتیل نام ہے حروف کو تجوید کیساتھ ادا کرنے کا، نیز وقف کا محل اور اسکا طریقہ پہچاننے کا۔

اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُّقْرَاَ الْقُرْاٰنُ كَمَا اُنْزِلَ۔ اَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَیْمَةَ فِیْ صَحِیْحِهٖ، عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ ﷺ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ (اعلاء السنن)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو اسی طرح پڑھا جائے جس طرح کہ وہ نازل کیا گیا ہے۔

اور یہ ظاہر ہی ہے کہ قرآن مجید کا نُزول تجوید کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے کہ تجوید سے مراد قرآن مجید کا عربی تلفظ اور اس کے حروف وکلمات کی وہ ادا ہے جس سے اس کا عربی میں اور کلامِ الٰہی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

یہ معلوم ہی ہے کہ قرآن مجید عربی میں بلکہ نہایت فصیح عربی میں نازل ہوا ہے، چنانچہ اس بات کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (سورہ یوسف:۲) یعنی ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں اُتارا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد

ہے: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (شعراء:۱۹۵) یعنی یہ قرآن مجید نہایت فصیح عربی میں ہے۔

تو جب اس کی زبان عربی ہے اور یہ عربی لغت میں نازل ہوا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کا تلفظ بھی وہی ہونا چاہیئے جو آنحضرت ﷺ اور اُن خالص عربوں کا تھا، جن کی لغت اور جن کی زبان میں یہ نازل ہوا تھا۔ اور اسی کے موافق تلاوت کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور یہی معنیٰ ہیں تجوید کے ساتھ تلاوت کرنے کے بھی۔ چنانچہ اگر قرآن مجید کے حرفوں کو عربی تلفظ اور عربی آوازوں کے ساتھ ادا نہیں کیا جاتا، مثلاً: طاء کی جگہ تاء، ظاء وذال کی جگہ زاء، صاد وثاء کی جگہ سین، حاء کی جگہ ھاء، عین کی جگہ ہمزہ اور قاف کی جگہ کاف پڑھا جاتا ہے، ایسے ہی اگر حروفِ مدہ میں مد نہیں کیا جاتا، یا زبر، زیر، پیش کو اتنا کھینچ دیا جاتا ہے کہ اس سے حروفِ مدہ پیدا ہو جاتے ہیں، یا حرفِ مشدد کو مخفف اور مخفف کو مشدد پڑھا جاتا ہے جس طرح کہ عام لوگ پڑھتے ہیں تو اس سے قرآن مجید کا حُسن تو درکنار، یہ سرے سے عربی کلام ہی نہیں رہتا۔ اس طرح کی تلاوت کا مُوجبِ گناہ اور قابلِ مذمت ہونا ظاہر ہے۔

چنانچہ اثر[1] میں ہے: رُبَّ قَارِئٍ لِّلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ۔ (روح البیان) یعنی بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ ان پر خود قرآن ہی لعنت کرتا ہے۔

تنبیہ: اِس وعید کے مِصداق علماء نے تین قسم کے لوگ بتلائے ہیں:۔

۱ بے عمل قاری

۲ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے والے

۳ قرآن مجید کو خلافِ تجوید یعنی غلط سلط پڑھنے والے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان تینوں قسم کی خرابیوں سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

اور منجملہ دوسری بدعملیوں کے تجوید کے خلاف پڑھنا، یہ خود ایک بدعملی ہے اس لیے کہ

[1] حدیثِ موقوف، قولِ صحابی۔

اللہ تعالیٰ نے تجوید کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، پس اس کا ترک سراسر مَعْصِیّت اور گناہ ہے۔ (نہایۃ القول المفید، مطبوعہ مصر، ص: ۸)

اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی بناء پر ائمہ اسلام اور فُقَہائے اُمّت نے بھی علم تجوید کے حاصل کرنے اور اس کے موافق قرآن مجید کی تلاوت کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند ارشادات علماء وفُقَہاء کے درج کیے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جائے گی کہ تجوید کے واجب ہونے پر اُمّت کا بھی اجماع ہے اور علمائے اُمّت نے علم تجوید کے حاصل کرنے اور اس کے موافق قرآن مجید پڑھنے کو انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔ توجہ سے پڑھو اور یاد بھی رکھو:۔

۱ علّامہ شمس الدین ابو الخیر محمد بن الجزری رحمہ اللہ اپنے مشہور رسالہ مقدمۃ الجزریہ (شعر: ۲۷) میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَّازِمٌ	۲۷	مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرَانَ اٰثِمٌ

ترجمہ: علمِ تجوید کے موافق قرآن مجید پڑھنا نہایت ضروری (اور) لازم ہے۔ جو شخص قرآن شریف کو تجوید سے نہ پڑھے (وہ) گنہگار ہے۔

پھر اسکے بعد علّامہ موصوف رحمہ اللہ نے تجوید کے ضروری ہونے کی دلیل بھی خود ہی بیان فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

لِاَنَّهٗ بِهِ الْاِلٰهُ اَنْزَلَا	۲۸	وَهٰكَذَا مِنْهُ اِلَيْنَا وَصَلَا

یعنی قرآن مجید کو تجوید کے موافق پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور پھر وہ قرآن اللہ تعالیٰ سے ہم تک بھی تجوید ہی کے ساتھ پہنچا ہے۔

پس ہم پر بھی لازم ہے کہ اس علم کو حاصل کریں اور اسکے موافق قرآن مجید کی تلاوت کریں۔

۲ حضرت ملّا علی قاری رحمہ اللہ اَلْمِنَحُ الْفِكْرِيَّةُ (شرح مقدمۃ الجزریہ) میں

وَالْاَخْذُ..... الخ کی شرح کے ضمن میں فرماتے ہیں:

وَاَخْذُ الْقَارِیْ بِتَجْوِیْدِ الْقُرْاٰنِ وَهُوَ تَحْسِیْنُ اَلْفَاظِهٖ بِاِخْرَاجِ الْحُرُوْفِ مِنْ مَّخَارِجِهَا وَاِعْطَاءِ حُقُوْقِهَا مِنْ صِفَاتِهَا وَمَا یُتَرَتَّبُ عَلٰی مُفْرَدَاتِهَا وَمُرَكَّبَاتِهَا فَرْضٌ لَّازِمٌ وَحَتْمٌ دَائِمٌ۔

ترجمہ: قرآن مجید کو تجوید کیساتھ پڑھنا یعنی اسکے حرفوں کو ان کے مخارجِ اصلیہ سے نکالنا اوران کی صفات کا ادا کرنا اور اسکے حروف وکلمات کو جملہ قواعد کی رعایت رکھتے ہوئے پوری صحتِ لفظی اور عمدگی کے ساتھ ادا کرنا انتہائی ضروری اور ایک لازمی فریضہ ہے۔

اور پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:

هٰذَا الْعِلْمُ لَا خِلَافَ فِیْ اَنَّهٗ فَرْضُ كِفَايَةٍ وَالْعَمَلُ بِهٖ فَرْضُ عَيْنٍ۔

یعنی اس میں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ علم تجوید کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ اور اس کے موافق قرآن مجید پڑھنا فرضِ عین ہے۔

٣ علّامہ جلال الدین عبد الرحمٰن السُّیُوطی رحمہ اللہ الاتقان فی عُلوم القرآن میں فرماتے ہیں:

لَا شَكَّ اَنَّ الْاُمَّةَ كَمَا هُمْ مُتَعَبِّدُوْنَ بِفَهْمِ مَعَانِی الْقُرْاٰنِ. وَاِقَامَةِ حُدُوْدِهٖ هُمْ مُتَعَبِّدُوْنَ بِتَصْحِیْحِ اَلْفَاظِهٖ وَاِقَامَةِ حُرُوْفِهٖ عَلَی الصِّفَةِ الْمُتَلَقَّاةِ مِنْ اَئِمَّةِ الْقُرَّاءِ الْمُتَّصِلَةِ بِالْحَضْرَةِ النَّبَوِيَّةِ۔ (الاتقان مطبوعہ مصر، ج:١، نوع:٣٤، ص:١٠٠)

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح مسلمانوں پر قرآن کے معانی کا سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ایک عبادت ہے اور یہ اُن پر فرض قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اُن پر قرآن کے الفاظ کا صحیح طور سے پڑھنا اور اس کے حروف کو اسی کیفیت پر ادا کرنا بھی لازم اور فرض ہے جس کیفیت پر اِن حروف کا ادا کرنا علم قراءۃ کے اماموں نے رسول اللہ ﷺ سے متصل سند کے ساتھ ہم تک پہنچایا ہے۔

۴ علّامہ شیخ محمد مکی نصر الجُریسی "نہایۃ القول المفید" (صفحہ:۹) پر تحریر فرماتے ہیں:

فَقَدِ اجْتَمَعَتِ الْأُمَّةُ الْمَعْصُوْمَةُ مِنَ الْخَطَاِ عَلٰى وُجُوْبِ التَّجْوِيْدِ مِنْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى زَمَانِنَا وَلَمْ يُخْتَلَفْ فِيْهِ عَنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ، وَهٰذَا مِنْ اَقْوَى الْحُجَجِ۔

ترجمہ: بے شک اتفاق کیا ہے ساری اُمّت نے تجوید کے واجب ہونے پر نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک، اور اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اور یہ (اختلاف نہ کرنا) بجائے خود اسکے ضروری ہونے پر ایک نہایت قوی دلیل ہے۔

۵ فُقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی قرآن مجید کو صحتِ لفظی اور تجوید کے ساتھ پڑھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن مجید کا تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ غلط پڑھنے سے معنیٰ بدل جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ تو ایسے بدلتے ہیں کہ اس سے نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کو صحیح پڑھ سکنے کیلئے اس وقت تک کوشش کرتے رہنا واجب ہے جب تک کہ الفاظ کے صحیح ادا کر سکنے سے نا اُمّید نہ ہو جائے۔

فُقہاء نے اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے کہ صحتِ نماز کے لیے قرآن کا صحیح پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص تصحیحِ حروف کی کوشش نہیں کرے گا اور حروفِ قرآنیہ کو غلط سلط ہی ادا کرتا رہے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کی نماز نہ ہوگی۔ فقہ کی بڑی بڑی کتابوں کے باب "زَلَّۃُ الْقَارِیْ" میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ہاں اگر ایک شخص تصحیحِ حروف کی امکان بھر کوشش کرتا ہے لیکن پھر بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا تو وہ معذور ہے۔ ایسا شخص گنہگار نہیں اور اس کی نماز بھی درست ہے، لیکن سیکھنے اور کوشش کرتے رہنا بہرحال ضروری ہے، فقط۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ

الحمدللہ کہ یہاں پہنچ کر مَبادی کا بیان تمام ہوا۔ اب اصل مسائل شروع ہوتے ہیں، لیکن مسائل شروع کرنے سے پہلے ترتیل کے اَجزاء کا بیان کر دینا ضروری ہے، تاکہ مسائل کا

باہمی رَبط اچھی طرح سمجھ میں آتا چلا جائے۔

ترتیل اور اس کے اَجزاء

سوال ترتیل کیا چیز ہے۔ اور اس کے اجزاء کتنے اور کیا کیا ہیں؟

جواب یہ وہی ترتیل ہے جسکا ذکر ابھی اوپر آیت شریفہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اس کے بڑے بڑے اجزاء تو دو ہی ہیں:۔

۱	۲
تجویدُ الحروف	معرفۃُ الوقوف

اور یہ بھی وہیں سَیِّدِنَا عَلِیٌّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کی تفسیر سے جو آپ سے اس آیتِ مبارکہ کے بارے میں منقول ہے، بیان ہو چکا ہے۔ البتہ اگر کچھ تفصیل کی جائے تو اسکے اَجزاء پانچ تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ تجوید الحروف اور معرفۃُ الوقوف یہ دو تو ترتیل کے جز ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کے بھی دو دو جز ہیں۔ چنانچہ تجویدُ الحروف کے دو جز یہ ہیں: ① مخارجُ الحروف ② صفاتُ الحروف۔ اور معرفۃُ الوقوف کے دو جز یہ ہیں: ① کیفیّتِ وقف ② محلِّ وقف۔ یہ کل چار ہوئے۔ پھر صفات کی بھی دو قسمیں ہیں: ① صفاتِ لازمہ ② صفاتِ عارضہ، بس یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں جن کے مجموعہ پر ترتیل کا اطلاق ہوتا ہے، یعنی:۔

۱	۲	۳	۴	۵
مخارِجُ الحروف	صِفاتِ لازِمہ	صِفاتِ عارِضہ	کیفیّتِ وقف	محلِّ وقف

ان کو خوب ذہن نشین کر لو۔ اب آئندہ صفحات میں انہی پانچ چیزوں کو اسی ترتیب کے موافق ان شاء اللّٰہ العزیز قدرے تفصیل کیساتھ بیان کیا جائیگا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِيْقُ وَهُوَ خَيْرٌ رَّفِيْقٌ

فصل دوم

تجوید کا پہلا جُز یعنی مخارجُ الحروف

046 سوال مخرج کے کیا معنیٰ ہیں۔ اور حروف کے مخارج کتنے ہیں؟

جواب مخرج بروزن مَفْعَلٌ (یعنی راء کے فتحہ سے) خَرَجَ يَخْرُجُ سے اسم ظرف کا صیغہ ہے، جس کے لغوی معنیٰ ہیں: "نکلنے کی جگہ"۔ اور قراء کی اصطلاح میں جس جگہ سے کوئی حرف نکلتا ہے، اس کو مخرج کہتے ہیں۔ جیسے اقصیٰ حلق، حافہ لسان اور شَفَتَیْن وغیرہ۔ اور حروف کے مخارج مشہور اور مختار قول کی بناء پر سترہ[1] ہیں۔ تفصیل ان سب کی ابھی آرہی ہے۔

047 سوال حرف کے کیا معنیٰ ہیں۔ اور کل حروف کتنے ہیں؟

جواب حرف کے لغوی معنیٰ: "طرف اور کنارہ" کے ہیں۔ اور اصطلاح میں حرف کی تعریف یہ ہے:

صَوْتٌ يَّعْتَمِدُ عَلٰى مَخْرَجٍ مُّحَقَّقٍ اَوْ مُقَدَّرٍ

یعنی حرف وہ آواز ہے جو کسی مخرجِ مُحَقَّق یا مُقَدَّر پر مُعْتَمِد ہو (یعنی رُک جائے)۔

اور کل حروف انتیس[۲۹] ہیں۔ جو الف سے یاء تک ہیں۔

048 سوال اس کی کیا وجہ ہے کہ حروف تو انتیس[۲۹] ہیں اور ان کے مخارج سترہ[۱۷]؟

جواب یہ اس لیے کہ بعض مخرجوں سے دو دو اور بعض سے تین تین حرف بھی نکلتے ہیں جیسا کہ ابھی تم پڑھ لو گے، اس لیے مخارج کی تعداد حروف کی تعداد سے کم ہے۔

049 سوال مخارج کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

[1] کیونکہ بعض کے نزدیک سولہ اور بعض کے نزدیک چودہ مخارج ہیں جس کی تفصیل فوائد مکیہ میں آئے گی، لیکن مشہور قول چونکہ سترہ والا ہی ہے اور یہی مختار بھی ہے، اس لیے رسالہ ہذا میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

جواب دو ہیں:۔ [۱] مخرجِ مُحقَّق [۲] مخرجِ مُقدَّر

050 **سوال** مخرجِ مُحقَّق کی کیا تعریف ہے اور مخرجِ مُقدَّر کی کیا؟

جواب مخرجِ مُحقَّق کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے:

هُوَ جُزْءٌ مُّعَيَّنٌ مِّنْ اَجْزَاءِ الْحَلْقِ اَوِ اللِّسَانِ اَوِ الشَّفَةِ۔

یعنی مخرجِ مُحقَّق حلق یا زبان یا ہونٹ کے اَجزاء (یعنی حصّوں) میں سے کوئی مُعَیَّن جز ہوتا ہے۔

اور مخرج مُقدَّر وہ ہے جو یا تو ان کے اَجزاء میں سے نہ ہو، اور اگر ہو تو جُزوِ مُعَیَّن نہ ہو۔

051 **سوال** مخرجِ مُحقَّق کتنے ہیں۔ اور مخرج مُقدَّر کتنے؟

جواب سترہ مخارِج میں سے پندرہ مُحقَّق ہیں۔ اور دو مُقدَّر۔

052 **سوال** حلق، لسان اور شفت، جن کے اجزاء میں سے کسی جزوِ معین کو مخرجِ مُحقَّق کہتے ہیں، خود ان کو کیا کہتے ہیں؟

جواب ان تینوں کو اُصولِ مخارج (یعنی مخرجوں کی اصلیں) کہتے ہیں۔

053 **سوال** اصلِ مخرج کسے کہتے ہیں؟

جواب اصلِ مخرج اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں ایک سے زیادہ مخارج ہوں۔ چونکہ حلق میں تین، زبان میں دس اور ہونٹوں میں دو مخرج ہیں (جیسا کہ ابھی تفصیل آرہی ہے)، اس لیے ان کو اُصولِ مخارج کہتے ہیں۔ اب آئندہ اسی ترتیب کے موافق ان شاء اللہ مخارج بیان کیے جائیں گے۔

اصلِ اوّل: یعنی حلُق کے مخارِج اور ان سے نکلنے والے حرُوف

054 **سوال** حلق میں کتنے مخرج ہیں، ان کے کیا کیا نام ہیں۔ اور ان سے کتنے اور کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب حلُق میں تین مخرج ہیں:۔

١ اقصیٰ حلق۔ اس سے یہ دو حرف نکلتے ہیں: ء ھ

٢ وسطِ حلق۔ اس سے یہ دو حرف نکلتے ہیں: ع ح (بے نقطہ)

٣ ادنیٰ حلق۔ اس سے یہ دو حرف نکلتے ہیں: غ خ (نقطہ والے)

ان چھیوں حرفوں کو حروفِ حَلْقِیْ کہتے ہیں، کیونکہ یہ سب کے سب حلق ہی سے ادا ہوتے ہیں۔ اور "اقصیٰ حلق" حلق کا وہ حصہ ہے جو سینہ سے متصل ہے۔ اور "ادنیٰ حلق" حلق کا وہ حصہ ہے جو منہ کی طرف ہے۔ اور "وسطِ حلق" حلق کا وہ حصہ ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ اور یہ چھیوں حروفِ حلقی اس شعر میں جمع ہیں:

حلق کے چھ حرف ہیں اے مہ لقاء	ہمزہ ھاؤ عین و حاؤ غین و خاء

اصلِ دوم: لسان یعنی زبان کے مخارج اور ان سے نکلنے والے حروف

055 **سوال** زبان میں کتنے مخرج ہیں۔ اور ان سے کتنے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب زبان میں دس مخرج ہیں۔ اور ان سے اٹھارہ (١٨) حروف ادا ہوتے ہیں۔

056 **سوال** یہ اٹھارہ حروف صرف زبان سے ہی ادا ہوتے ہیں، یا ان کی ادائیگی میں کسی اور عُضو کا بھی دخل ہوتا ہے؟

جواب صرف زبان سے ہی ادا نہیں ہوتے، بلکہ ان دس مخارج میں سے پہلے تین میں تو زبان تالو کے کسی حصہ کے ساتھ لگتی ہے اور ان سے پانچ حرف نکلتے ہیں۔ اور باقی سات میں دانتوں کے ساتھ لگتی ہے اور ان سے تیرہ حرف ادا ہوتے ہیں۔

057 **سوال** وہ تین مخرج جن کے پانچ حرفوں میں زبان تالو کے ساتھ لگتی ہے، کیا کیا ہیں۔ اور ان سے کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب وہ مخرج یہ ہیں:۔

۴ ① اقصائے لسان (یعنی زبان کی جڑ کا وہ حصہ جو حلق کی طرف ہے) اور اسکے مقابل اوپر کا تالو۔ اس سے ق نکلتا ہے۔

۵ ② قاف کے مخرج سے ذرا نیچے (یعنی زبان کی جڑ کا وہ حصہ جو منہ کی طرف ہے) اور اس کے مقابل اوپر کا تالو۔ اس سے ك نکلتا ہے۔

ان دونوں حرفوں یعنی قاف اور کاف کو لَہَوِیَّہ یا لَہَاتِیَّہ کہتے ہیں۔ لَہَات (بفتح لام) گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو زبان کی جڑ کے مقابل اوپر کے تالو میں لٹکا رہتا ہے، جس کو اُردو میں کوّا کہتے ہیں، چونکہ ان حرفوں کا مخرج لہات سے متصل ہے اسلئے ان کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے۔

نوٹ: حروف کے آئندہ آنے والے اَلقاب کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ وہ ان جگہوں کے نام ہیں جہاں سے وہ حروف ادا ہوتے ہیں۔

۶ ③ بیچ زبان اور اس کے مقابل اوپر کا تالو۔ اس سے ج ش اور ی غیرِ مدّہ (یعنی یائے لین اور یائے متحرک) یہ تین حرف نکلتے ہیں۔ ان تینوں حرفوں کو شَجْرِیَّہ کہتے ہیں۔ شَجْر (جیم کے سکون سے) دونوں جبڑوں کے اس درمیان والے حصہ کو کہتے ہیں جو منہ کے بند ہونے کی حالت میں بھی کُھلا رہتا ہے۔

058 **سوال** وہ سات مخرج جن کے تیرہ حرفوں میں زبان دانتوں کے ساتھ لگتی ہے، کیا کیا ہیں

اور ان سے کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب جب تک ان دانتوں کے نام اور ان کے مواقع جن کا ذکر آئندہ مخارج کے ضِمن میں آنے والا ہے، تمہیں معلوم نہ ہو جائیں، اس وقت تک ان مخارج کا سمجھنا مشکل ہے۔ اس لیے ان کو بیان کرنے سے پہلے ہم دانتوں کے نام اور ان کے مواقع بتلائے دیتے ہیں تاکہ تم ان کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکو۔

دانتوں کے نام اور ان کے مَواقع

059 **سوال** دانتوں کے نام اور ان کے مواقع کیا کیا ہیں۔ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟

جواب انسان کے منہ میں عام طور پر بتیس[۳۲] دانت ہوتے ہیں۔ سولہ اوپر کے جبڑے میں اور سولہ نیچے کے جبڑے میں۔

* سامنے والے چار دانتوں کو ثَنَایا (ثاء کے فتحہ سے) کہتے ہیں۔ اوپر والے دو کو ثنایا عُلیا، یا ثنایا مُشْتَرَفَہ، اور نیچے والے دو کو ثنایا سُفلیٰ کہتے ہیں۔

* پھر ان ثنایا کے پہلو میں جو چار دانت ہیں، اس طرح کہ دو اوپر ہیں: ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب اور دو نیچے اسی طرح دائیں بائیں، ان چاروں کو رَبَاعِیَّات (راء کے فتحہ سے) اور قواطِع بھی کہتے ہیں۔

* پھر ان رَبَاعِیَّات کے پہلو میں اسی تفصیل کے ساتھ جو چار نوکدار دانت ہیں، ان کو اَنیاب اور کَواسِر بھی کہتے ہیں۔

* پھر اَنیاب کے پہلو میں اوپر نیچے، دائیں بائیں، چار دانتوں کو ضَوَاحِک کہتے ہیں۔

* پھر ان ضَواحِک کے پہلو میں بارہ دانت اور ہیں: چھ اوپر، چھ نیچے (یعنی تین تین دائیں جانب اور تین تین بائیں جانب)، ان بارہ کو طَواحِن کہتے ہیں۔

❊ پھر ان طواحن کے پہلو کے بالکل آخر میں چار دانت اور ہیں، ان کو نَواجِذ کہتے ہیں۔

چار ضواحک، بارہ طواحن اور چار نواجذ، ان بیس کو اَضراس بھی کہتے ہیں۔ اَضراس "ضِرسٌ" کی جمع ہے۔ اردو میں اس کے معنیٰ ڈاڑھ کے آتے ہیں۔

اب ذیل میں ایک نظم درج کی جاتی ہے جس میں دانتوں کی تعداد، ان کے مواقع اور ان کے نام بہت اچھے انداز میں ضَبط کیے گئے ہیں، ہو سکے تو یاد کر لو!

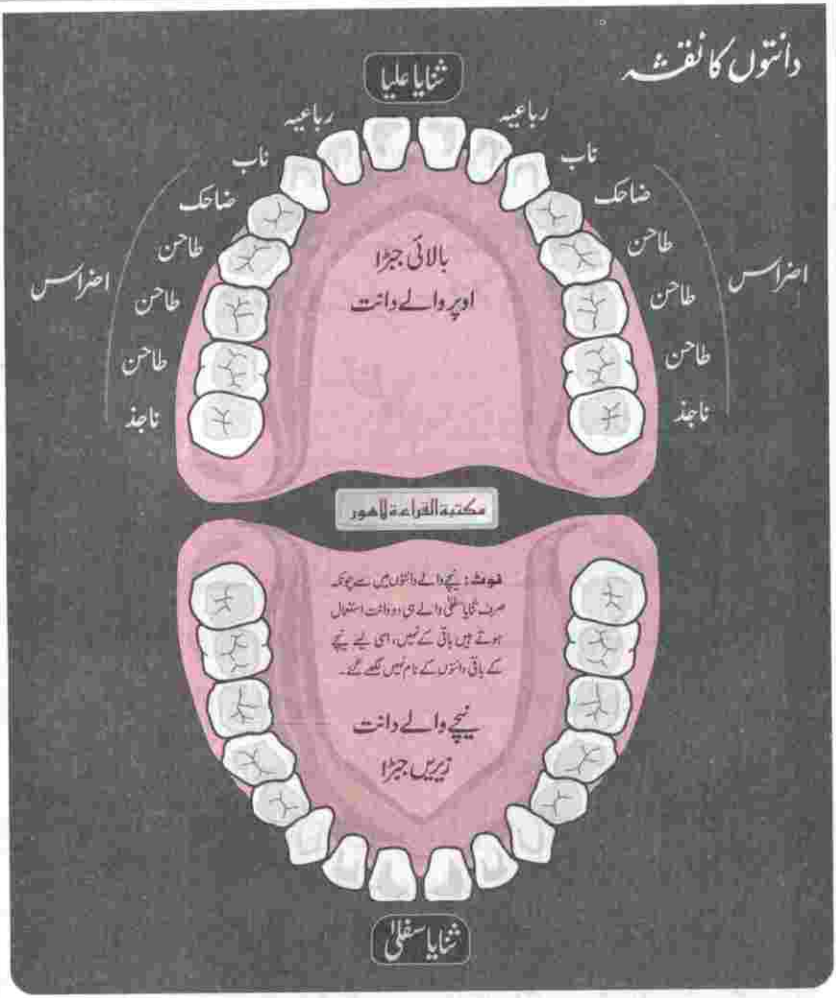
نظم

دانت اکثر منہ میں ہر انسان کے ۔۔۔ ہوتے ہیں بتیس کُل اے نیک پے
سامنے جوڑے سے ہیں جو دانت چار ۔۔۔ ہیں ثنایا نزدِ مردِ باوقار
دو ہیں علیا ان میں جو اوپر کے ہیں ۔۔۔ اور سفلیٰ اُن میں دو نیچے کے ہیں
ہیں رَباعی چار پھر اے مردِ نیک ۔۔۔ ان کے ہر جانب میں جو ہے ایک ایک
ان کے پہلو میں ہے اِک اِک نوکدار ۔۔۔ کہتے ہیں اَنیاب ان کو ہیں یہ چار
اب رہیں باقی جو ڈاڑھیں بیس اور ۔۔۔ نام ہے اَضراس ان کا سُن بہ غور
چار کو ان میں ضواحک جان لے ۔۔۔ ہیں جو بالکل متصل اَنیاب کے
پاس جو ہیں ان کے بارہ اور نیز ۔۔۔ کہتے ہیں ان کو طواحن اے عزیز
جن کی یہ تفصیل ہے مردِ متین ۔۔۔ دائیں بائیں نیچے اوپر تین تین

پھر نواجِذ ان کے بازو میں ہیں چار
یاد کر لے ان کو تو اے باوقار

از ضیاء التجوید

فائدہ: اب اگلے صفحہ پر دانتوں کا ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے جس کے دیکھنے سے اُمّید ہے کہ دانتوں کے نام، ان کی ترتیب اور ہر دانت کا محلِّ وُقوع اچھی طرح سمجھ میں آجائیگا۔



سوال جب یہ بات تمام دانتوں میں پائی جاتی ہے کہ کچھ اوپر ہیں اور کچھ نیچے، جیسا کہ مُندَرِجۂ بالا نقشہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، تو پھر ثنایا کے علاوہ باقی دانتوں کو عُلیاء وسُفلٰی میں کیوں تقسیم نہیں کیا گیا؟

جواب چونکہ ثنایا سُفلٰی کے سوا نیچے کے کسی دانت سے کوئی حرف ادا نہیں ہوتا، اس لیے باقی دانتوں کی اس تقسیم کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

زَبان کے باقی سات مخارج اور ان سے ادا ہونے والے تیرہ حرفوں کی تفصیل

061 سوال: دانتوں کے نام اور ان کے مواقع تو ہمیں اللہ کے فضل وکرم سے معلوم ہو گئے ہیں، اب مہربانی کر کے زبان کے باقی سات مخرجوں اور ان کے حرفوں کو بھی بیان کر دیجیے؟

جواب: ان سات مخرجوں اور ان سے نکلنے والے تیرہ حرفوں کی تفصیل یہ ہے:۔

۷ ④ اقصیٰ حافۂ لسان اور اُصولِ اَضراسِ عُلیا۔ یعنی زبان کے بغلی کنارے کا وہ حصہ جو حلق کی طرف ہے، اور اوپر کی داڑھوں کی جڑیں جو ناجِذ سے ضاحک تک ہیں۔ اس سے ضاد مُعْجَمَہ نکلتا ہے:۔

* خواہ داہنی طرف سے نکالا جائے اور خواہ بائیں طرف سے، دونوں طرح صحیح ہے۔
* اور دونوں طرف سے بیک وقت نکالنا بھی صحیح ہے۔ مگر بائیں جانب سے نکالنا زیادہ مُرَوَّج ہے اور آسان بھی یہی ہے۔
* اور دائیں طرف سے اس سے مشکل ہے اور اتنا مُرَوَّج بھی نہیں۔
* اور دونوں طرف سے ایک دم نکالنا اور بھی زیادہ مشکل اور شاذ و نادِر ہے۔

اس حرف کو حافِیَہ کہتے ہیں۔ اور حافہ کے معنیٰ کروٹ کے آتے ہیں۔ (ضاد کی ادائیگی کے بارے میں کچھ تحقیق ان شاء اللہ صفات کی بحث میں آئے گی)۔

۸ ⑤ ادنائے حافہ مع طَرَفِ لسان یعنی زبان کی کروٹ کا وہ حصہ جو ہونٹوں کی طرف ہے، مع سِرا زبان اور ثَنایا، رَباعِیّات، اَنیاب اور ضَواحک کے مسوڑھے۔ اس سے لام نکلتا ہے۔ اس کو بھی ضاد کی طرح داہنی جانب سے، یا بائیں جانب سے، یا دونوں طرف سے ایک دم نکالنا صحیح ہے، مگر یہ داہنی جانب سے زیادہ مُرَوَّج ہے۔ (العقد الفرید)

فائدہ: ضاد کا مخرج حافہ کا وہ حصہ ہے جو حلق کی طرف ہے اور اس کو اقصیٰ حافہ کہتے ہیں۔ اور لام کا مخرج حافہ کا وہ حصہ ہے جو منہ کی طرف ہے اور اس کو ادنائے حافہ کہتے ہیں۔ نیز لام میں ادنائے حافہ کے ساتھ زبان کا سِرا بھی دانتوں کو لگتا ہے۔ مگر ضاد میں سرا زبان دانتوں سے بالکل نہیں لگنا چاہیئے۔

۹ ⑥ ثنایا، رَباعی، اَنیاب کے مسوڑھے اور زبان کی نوک اور حافہ کا وہ حصہ جو ان کے مقابل ہے، یعنی لام کے مخرج سے کچھ کم کہ ضاحک کو اس میں دخل نہیں۔ اس سے نونِ مُظہَرَہ نکلتا ہے۔

۱۰ ⑦ یہ نون کے مخرج سے قریب ہی ہے یعنی نوکِ زبان اور ثنایا و رَباعی کے مسوڑھے، اس سے راء ادا ہوتی ہے، البتہ اس میں پُشتِ زبان کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ نون میں تو زبان کا سِرا تالو کے اس حصہ سے لگتا ہے جو ہونٹوں سے اَقرب ہے، اور راء میں اس حصہ سے لگتا ہے جو نون کے مخرج کے قریب ہی حلق کی طرف ہے۔ غرضیکہ ان دونوں حرفوں کا مخرج بہت ہی قریب قریب ہے اور پُشتِ زبان کی وجہ سے فرق ہو جاتا ہے۔ ان تینوں حرفوں (یعنی لام، نون اور راء) کو طَرَفِیَہ اور ذَلْقِیَہ کہتے ہیں۔ طَرَف اور ذَلَق دونوں کے معنیٰ "کنارہ" کے آتے ہیں۔

۱۱ ⑧ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑیں۔ اس سے طاء و دال مُہمَلَتَین اور تاء فوقانی، یہ تین حرف نکلتے ہیں۔ ان کو حروفِ نِطعِیَہ کہتے ہیں۔ "نِطع" (نون کے کسرہ اور طاء کے سکون سے) اس ذرا سے گڑھے کو کہتے ہیں جو ثنایا علیا کی جڑوں سے کچھ ہی اوپر تالو کے اندر ہوتا ہے۔ اور یہ انگلی سے محسوس ہو سکتا ہے۔

۱۲ ⑨ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا وہ کنارہ جو مسوڑھوں سے قریب اور ان سے ملا ہوا ہے، مراد اس سے اندر کا کنارہ ہے نوک نہیں۔ اس سے ظاء و ذال مُعجَمَتَین اور ثاء مُثَلَّثَہ، یہ تین حرف نکلتے ہیں۔ ان کو حروفِ لِثَوِیَّہ کہتے ہیں۔ لِثَہ کے معنیٰ مسوڑھے کے ہیں۔ اور جن کتابوں میں ان کا مخرج دانتوں کا کنارہ بتایا گیا ہے اس سے بھی اندر کا کنارہ ہی مراد ہے، نوک نہیں، خوب سمجھ لو۔

١٣ ⑩ زبان کی نوک اور ثنایا سُفلیٰ و عُلیا کے اندر والے کنارے۔ اس سے صاد وسین مُہمَلَتَین اور زاء مُعْجَمَہ، یہ تین حرف ادا ہوتے ہیں۔ مگر:۔

❁ زبان کی نوک دانتوں کے کناروں سے لگتی نہیں صرف ان کے مقابل ہو جاتی ہے، اور نوکِ زبان اور دانتوں کے کناروں کے درمیان تھوڑا سا خلا باقی رہتا ہے (نہایۃ القول المفید)۔

❁ البتہ ثنایا سُفلیٰ کے کنارے ثنایا عُلیا کے کناروں سے مل جانے چاہئیں، ورنہ صفتِ صفیر ادا نہیں ہوگی، مگر ان کو اس طرح ملانے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیئے کہ بالکل کناروں سے کنارے مل جائیں، اس لیے کہ اس میں تکلّف ہے۔ بلکہ طبعًا جس طرح منہ کے بند ہونے کی حالت میں اوپر نیچے کے دانت آپس میں مل جاتے ہیں، بس اسی طرح ملانے چاہئیں۔

ان تینوں حرفوں کو اَسَلِیَہ اور صَفِیرِیَّہ بھی کہتے ہیں۔ "اَسَلَہ" زبان کی نوک کا وہ حصہ ہے جو بالکل آخر میں بہت ہی پتلا سا اور باریک ہوتا ہے، خوب سمجھ لو۔ اور صفیر کے معنیٰ ان شاء اللہ صفات کے بیان میں آئیں گے۔

اصلِ سوم: یعنی ہونٹوں کے مخارج اور ان کے حروف

062 سوال ہونٹوں میں کتنے مخرج ہیں۔ اور ان سے کتنے حروف نکلتے ہیں؟

جواب ہونٹوں میں دو مخرج ہیں۔ اور ان سے چار حرف نکلتے ہیں۔

063 سوال ہونٹوں میں دو مخرج کیا کیا ہیں۔ اور ان سے کون کون سے چار حرف نکلتے ہیں؟

جواب وہ دونوں مخرج اور ان کے چار حروف یہ ہیں:۔

١٤ ① نیچے کے ہونٹ کا شِکَم یعنی تَرِی والا حصہ اور ثنایا علیا کی نوکیں۔ اس سے فاء ادا ہوتی ہے۔

١٥ ② دونوں ہونٹ۔ اس سے باء، میم اور واؤ غیر مدّہ (یعنی واؤ متحرک اور واؤ لین)،

یہ تین حرف ادا ہوتے ہیں۔ ان چاروں حرفوں یعنی فاء، باء، میم اور واؤ کو شَفَوِیَّہ کہتے ہیں۔ اور شَفَت کے معنٰی ہونٹ کے آتے ہیں۔

064 سوال کیا ان تینوں حرفوں میں کچھ فرق بھی ہے، یا یہ بالکل ایک ہی جگہ سے ادا ہوتے ہیں؟

جواب فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ واؤ تو اِنْضِمامِ شَفَتَیْن (یعنی دونوں ہونٹوں کے اسطرح ملنے سے کہ کنارے تو ملے ہوں اور بیچ کھلا ہو، اس طرح کہ غُنچہ کی شکل بن جائے) سے ادا ہوتی ہے۔ باء و میم اِنْطِباقِ شَفَتَیْن (یعنی دونوں ہونٹوں کے اوپر تلے ملنے) سے ادا ہوتے ہیں۔ پھر ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ باء تو دونوں ہونٹوں کے تری والے حصہ کے ملنے سے ادا ہوتی ہے اور میم دونوں ہونٹوں کے خشکی والے حصّہ کے ملنے سے۔ اس لیے باء کو "بحری"۔ اور میم کو "برّی" کہتے ہیں۔

065 سوال اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ ان تینوں کا مخرج ایک نہیں بلکہ جدا جدا ہے۔ اور ہونٹوں میں دو مخرج نہیں بلکہ چار ہیں؟

جواب گو ایسا شبہ تو ہوسکتا ہے مگر حقیقت یہ نہیں، اس لیے کہ ان تینوں کی ادائیگی میں جگہ نہیں بدلتی، بلکہ یہ تینوں حرف ہونٹوں ہی سے ادا ہوتے ہیں، صرف احوالِ ادا جُدا جُدا ہیں۔ اور باء و میم میں گو جگہ بدلتی تو ہے، مگر ان دونوں کے محلِّ ادا میں اتنا قُرب ہے کہ ان کو دو مخرج نہیں کہا جاسکتا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

حروفِ بَوف یعنی باء، واؤ اور فاء کے بارے میں ضروری تنبیہات

066 سوال اس عنوان کے تحت ان حرفوں کے بارے میں کون سا مسئلہ بیان کیا گیا ہے؟

جواب ان حرفوں کی ادائیگی میں بعض لوگوں سے طرح طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں، اس لیے اس عنوان کے ذیل میں ان غلطیوں سے آگاہ کر کے ان سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے اور بچنے کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ:-

۞ باء کے بارے میں تو یہ ہے کہ بعض لوگ اس کے ادا کرتے وقت ہونٹوں کی تری والے حصہ کو ملانے کی بجائے خشکی کے حصہ کو ملا دیتے ہیں، جس سے باء عربی کے تلفظ میں فارسی کے "پ" کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اسکا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ ہونٹوں کے شِکم ہی سے ادا ہو، بالخصوص تشدید کی حالت میں تو اس بات کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

۞ فاء کے متعلق یہ ہے کہ اس کے ادا کرتے وقت نیچے کے ہونٹ کے شِکم کو ثنایا مُشْرِفَہ کی نوکوں کے ساتھ نہایت نرمی سے لگایا جائے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ فاء کے ادا کرتے وقت نیچے کے ہونٹ کو دانتوں کے ساتھ اس قدر زور سے ٹکراتے ہیں کہ اس سے فاء کی آواز کے ساتھ ایک پھُونکار سی نکلتی ہے اور اس سے رُخسار بھی ہل جاتے ہیں، یہ دونوں باتیں اس کی ادا میں معیوب ہیں۔ فاء کی آواز نہایت نرم اور لطیف ہونی چاہیئے اور نیچے کے ہونٹ کے دانتوں کے ساتھ لگنے کا اثر رُخسار پر بھی نہیں پڑنا چاہیئے۔ ہاں نہایت خفیف سا اثر ضرور ہوتا ہے اور اس سے مَفر بھی نہیں ہو سکتا۔

۞ اور واؤ کی ادائیگی میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ یہ اپنے ہی مخرج یعنی انضمامِ شَفَتَین سے ادا ہو۔ بعض لوگ نیچے کے ہونٹ کو کچھ اندر لے جاکر اور اس کو ثنایا علیا کی نوکوں کے نیچے دبا کر واؤ ادا کرتے ہیں، یہ سخت غلطی ہے۔ واؤ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہونٹوں کے کنارے تو ملے ہیں اور بیچ کُھلا ہو۔ ایسے ہی بعض لوگ واؤ مفتوحہ کو خَواہ مخَواہ پُر پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ واؤ مفتوحہ کو پُر پڑھنے سے قطعاً پرہیز کرنا چاہیئے۔ اس میں کوئی بھی صِفَت ایسی نہیں کہ جس سے اس کا پُر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، خوب سمجھ لو۔

مخارج کی دوسری قسم یعنی مخرجِ مُقَدَّر

067 سوال مخرج مقدر کی کیا تعریف ہے۔ نیز مخرج مقدر کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں؟

جواب مخرج مقدر کی تعریف جیساکہ پہلے بھی بیان کی جاچکی ہے کہ وہ یا تو حلق، لسان اورشَفَت کے اجزاء میں سے کوئی جز نہیں ہوتا۔ اور اگر ان میں سے کسی کا جز ہوتا ہے تو جزو معین نہیں ہوتا۔ اور مخرج مقدر دو ہیں:۔

١٦ ① جَوف (یعنی حلق، منہ اور ہونٹوں کے درمیان کی خالی جگہ)

١٧ ② خَیشوم (یعنی ناک کی جڑ)

چنانچہ خَیشوم تو حلق، لسان اورشَفَت کے اجزاء میں سے نہیں ہے۔ اور جَوف گو جز تو ان[١] ہی کا ہے، مگر جزوِمعیّن نہیں ہے۔

068 سوال ان دو مخرجوں سے کتنے اور کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب ان دونوں سے چار حرف ادا ہوتے ہیں۔ تین جوف سے اور ایک خیشوم سے۔ چنانچہ جوف سے ادا ہونے والے تین حرف تو یہ ہیں:۔ [١] الف، یہ ہمیشہ ساکن ماقبل مفتوح ہی ہوتا ہے (اور اس پر سکون کی علامت بنی ہوئی نہیں ہوتی)۔ [٢] واؤ ساکن ماقبل مضموم۔ [٣] یاء ساکن ماقبل مکسور۔ (ان تینوں حرفوں کی مثالیں نُوْحِیْهَا اور اُوْذِیْنَا وغیرہ میں جمع ہیں)۔

اب سمجھو کہ الف حلق کے جوف سے۔ یائے مدّہ وسطِ لسان اور تالو کے جوف سے۔ اور

[١] رہا یہ سوال کہ جب جوف کا اطلاق حلق، منہ اورشفتین ان تینوں کے مجموعہ کے خلا پر ہوتا ہے تو پھر اس کو ان کا جز کہنے کے کیا معنیٰ؟ سو جواب اس کا یہ ہے کہ جوف ان تینوں کا جز اس طرح ہے کہ: حلق کا جوف اس کا۔ زبان و تالو کا جوف ان دونوں کا۔ اورشفتین کا جوف ان کا جز ہے۔ لیکن یہ جزو معین نہیں، اسی لیے اس کو مخرج مقدر سے تعبیر کرتے ہیں۔

واؤ مدہ شفتین کے جوف سے ادا ہوتا ہے۔ اور انتہاء ان سب کی ہوا پر ہوتی ہے، یعنی ان کی آواز باقی حرفوں کی طرح حلق، لسان اور شفتین کے اجزاء میں سے کسی جز پر ٹھہرنے نہیں پاتی، بلکہ گزرتی ہوئی آگے چلی جاتی ہے اور ہوا میں پھیل کر ختم ہو جاتی ہے۔ ان تینوں حرفوں کو جوفیہ، ہوائیہ اور مدہ بھی کہتے ہیں۔ جَوفیہ تو اسلئے کہ یہ جَوف سے ادا ہوتے ہیں۔ ہوائیہ اسلئے کہ ان کی انتہاء ہوا پر ہوتی ہے۔ اور مدہ اسلئے کہ ان میں صِفَتِ مَدِّیَّت ایسی لازم ہے کہ اگر یہ اس سے خالی ہو جائیں تو ان کی ذات ہی باقی نہ رہے (اسکی مزید تفصیل ان شاء اللہ العزیز مد کے بیان میں آئیگی)۔

اور خَیشُوم سے غنہ ادا ہوتا ہے۔ یہاں غنہ سے مراد نونِ مُخفاۃ و مُدغم بادِغامِ ناقص ہے۔ (اخفاء اور ادغام کا محل اور ان کی تعریفیں ان شاء اللہ العزیز اپنے اپنے موقعہ پر آئیں گی)۔

069 **سوال** آپ نے اوپر بیان کیا ہے کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، پھر یہ بھی کہا ہے کہ الف پر سکون کی علامت بنی ہوئی نہیں ہوتی، حالانکہ ہم بہت سے الفوں پر حرکت کی، اور بہت سوں پر سکون کی علامت بنی ہوئی دیکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ واؤ اور یاء کے ساتھ ساکن ہونے کی اور پھر واؤ سے پہلے ضمہ کی اور یاء سے پہلے کسرہ کی جو قید لگائی گئی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب الف کی حقیقت تو واقعی یہی ہے کہ اس پر نہ حرکت ہوتی ہے نہ جزم۔ اور الف پر تم کو جو جزم یا کوئی حرکت لکھی ہوئی نظر آتی ہے جیسے اَلْحَمْدُ اور اِیَّاكَ کے شروع میں الف پر حرکت اور اِقْرَأْ اور مَأْكُوْلٍ میں راء اور میم کے بعد والے الف پر جزم ہے، تو یہ دونوں قسم کا الف حقیقتاً الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے، مگر چونکہ ایسے موقعوں میں ہمزہ کو بصورتِ الف لکھا جاتا ہے، اس لیے بچوں کو سمجھانے کیلئے ایسے ہمزہ کو بھی الف ہی کہہ دیتے ہیں۔

اور ایک فرق ان دونوں میں یہ بھی ہے کہ ہمزہ جب ساکن[1] ہو تو وہ جھٹکے سے ادا ہوتا ہے جیسا کہ اِقْرَأْ، رَأْسٌ اور مَأْكُوْلٍ وغیرہ کا ہمزہ۔ اور الف ہمیشہ بغیر جھٹکے کے سیدھا اور نرم ادا ہوتا ہے جیسے قَالَ اور كَانَ وغیرہ کا الف۔

[1] اور گو ادا تو ہمزہ متحرکہ بھی جھٹکے سے ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں چونکہ اسکا الف کے ساتھ تقابل سمجھانا مقصود ہے اور وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اس لیے متن میں ہمزہ کے ساتھ ساکن ہونے کی قید لگائی گئی ہے۔

واؤ اور یاء کے ساتھ یہ دونوں قیدیں اس لیے لگائی گئی ہیں کہ اگر یہ ساکن نہ ہوں بلکہ متحرک ہوں جیسے وَالَّذِيْنَ، يَعْلَمُوْنَ، يُؤْمِنُوْنَ، لَوِاسْتَطَعْنَا اور زُيِّنَ وغیرہ کا واؤ اور یاء۔ یا ساکن تو ہوں لیکن واؤ کے ماقبل ضمہ اور یاء کے ماقبل کسرہ نہ ہو بلکہ فتحہ ہو جیسے مِنْ خَوْفٍ اور وَالصَّيْفِ وغیرہ، تو ان دونوں صورتوں میں یہ مدہ نہیں کہلاتے، بلکہ پہلی صورت میں متحرک اور دوسری صورت میں لین کہلاتے ہیں۔ اور جوف صرف حروفِ مدہ ہی کا مخرج ہے۔ نہ ہمزہ کا ہے اور نہ واؤ اور یاء متحرک و لین کا، ان کا مخرج مُحَقَّق ہے۔ چنانچہ ہمزہ کا مخرج اقصیٰ حلق اور یاء متحرک و لین کا مخرج وسط لسان اور واؤ متحرک و لین کا مخرج انضمام شفتین ہے۔ جیسا کہ اوپر مخرج نمبر ۱، نمبر ۶، اور نمبر ۱۵ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے۔

070 **سوال** اگر کسی حرف کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ آیا وہ صحیح مخرج سے ادا ہوا ہے یا نہیں، تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب اس حرف کو ساکن کر کے اور شروع میں ہمزۂ متحرک لگا کر تلفظ کرو، پس اگر آواز اسی جگہ پر رُکے جس جگہ کو کتاب میں اس حرف کا مخرج بتایا گیا ہے، تو سمجھو کہ وہ حرف صحیح مخرج سے ادا ہو رہا ہے، ورنہ اس کی ادائیگی غلط سمجھی جائے گی۔ بس صحیح ادا ہونے کی صورت میں تو اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور غلط ادا ہونے کی صورت میں اس کی تصحیح کی کوشش کرو۔

071 **سوال** حروف کے القاب کتنے ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب دس ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
حَلْقِيَّہ	لَہَوِيَّہ	شَجْرِيَّہ	حَافِيَّہ	طَرَفِيَّہ یا ذَلْقِيَّہ	نِطْعِيَّہ	لِثَوِيَّہ	اَسَلِيَّہ	شَفَوِيَّہ	جَوْفِيَّہ یا ہَوَائِيَّہ

ان سب کے معنیٰ اور یہ کہ ان میں سے کون سا لقب کن حرفوں کیلئے ہے، یہ دونوں چیزیں اوپر مخارج کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں، فقط۔

الحمد للہ کہ یہاں پہنچ کر مخارج کی بحث ختم ہوئی۔ اور اب آئندہ فصل میں حروف کی صفاتِ لازمہ بیان کی جارہی ہیں۔ خوب ذوق وشوق اور پورے دھیان سے پڑھو۔

فصل سوم

تجوید کا دوسرا جُز یعنی صفاتُ الحروف

072

سوال صِفت کے لُغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا کیا ہیں؟

جواب صِفت کے لغوی معنیٰ مَا قَامَ بِالشَّیْءِ مِّنَ الْمَعَانِیْ کے ہیں۔ یعنی معانی کی قبیل سے وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے سہارے قائم ہو، جیسا کہ سیاہی اور علم۔ پس علم کا تحقّق بغیر عالم کے، اور سیاہی کا بغیر سیاہ چیز کے نہیں ہوسکتا۔ اور اصطلاح میں صِفت کی تعریف یہ ہے:

اَلصِّفَةُ هِیَ کَیْفِیَّةٌ عَارِضَةٌ لِّلْحُرُوْفِ عِنْدَ حُصُوْلِهٖ فِی الْمَخْرَجِ مِنَ الْجَهْرِ وَالرِّخَاوَةِ وَالْهَمْسِ وَالشِّدَّةِ وَنَحْوِهَا۔

یعنی "صفت" حرف کی وہ کیفیت ہے جو مخرج سے ادا ہوتے وقت اس کو پیش آتی ہے جیسا کہ سانس اور آواز کا جاری رہنا یا بند ہوجانا، اور حرف کا سخت ہونا یا نرم ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

073

سوال صفات کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب دو قسمیں ہیں:۔ ۱ صفاتِ لازمہ ۲ صفاتِ عارضہ

صفاتِ لازمہ: یعنی وہ صفات جو حرف سے کبھی جدا نہ ہوں۔ اور ان میں سے جس حرف میں جو صفت پائی جاتی ہو اگر اس کو ادا نہ کیا جائے تو وہ حرف دوسرے حرف سے بدل جائے یا ناقص ادا ہو۔ مثلاً ظاء میں اگر صِفتِ استعلاء اور اطباق کو ادا نہ کیا جائے تو وہ ذال سے بدل جائیگا۔ اور قاف و خاء میں اگر صفتِ استعلاء کو ادا نہ کیا گیا تو یہ دونوں ناقص ادا ہوں گے، اسلئے کہ ان حرفوں کیلئے یہ صفات لازم ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ اور ان کو ذاتِیَّہ، مُمَیِّزہ، مُقَوِّمہ اور ضَرُورِیّہ بھی کہتے ہیں۔ ان کے یہ اَلقاب ان کی مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے ہیں۔ پس:۔

❊ ذاتِیَّہ اور مُقَوِّمَہ تو یہ اس لیے کہلاتی ہیں کہ ان کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات ہی کامل نہیں ہوتی، اور یہ دونوں لفظ تقریبًا ہم معنٰی ہیں۔

❊ مُمَیِّزَہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے ایک مخرج کے کئی حرف ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہو جاتے ہیں۔

❊ ضَرُوْرِیَّہ "لازمہ" کا ہم معنٰی ہے۔

صفاتِ عارضہ: وہ صفات جو کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں۔ ان کے ادا نہ ہونے سے نہ تو کوئی حرف کسی دوسرے حرف سے بدلتا ہے اور نہ ہی اس میں اُس قسم کا نقصان ہوتا ہے جس قسم کا صفاتِ لازمہ کے نہ پائے جانے کی صورت میں ہوتا ہے۔ البتہ حرفوں کا وہ حُسن اور ان کی وہ زینت جو اہلِ ادا کے ہاں مطلوب ہے، فوت ہو جاتی ہے۔ اور اسی لیے ان کو مُحَسِّنَہ، مُحَلِّیَہ اور مُزَیِّنَہ بھی کہتے ہیں۔ ان سب کے معنٰی قریب قریب ایک ہی ہیں، یعنی حرفوں کو خوبصورت بنانے والی اور زینت دینے والی صفات، خوب سمجھ لو۔ چونکہ صفاتِ لازمہ کا تعلق حروف کیساتھ بہ نسبت صفاتِ عارضہ کے زیادہ ہوتا ہے، اسلئے ہم پہلے انہی کو بیان کریں گے۔

صفاتِ لازمہ اور ان کی قسمیں

074 **سوال** صفاتِ لازمہ کتنی اور کیا کیا ہیں۔ اور ان کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب صفاتِ لازمہ جو مشہور ہیں، وہ اٹھارہ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

هَمْس، جَهْر، شِدَّت، (تَوَسُّط) رِخَاوَت، اِسْتِعْلَاء، اِسْتِفَال، اِطْبَاق، اِنْفِتَاح، اِذْلَاق، اِصْمَات، صَفِيْر، قَلْقَلَه، لِيْن، اِنْحِرَاف، تَكْرِيْر، تَفَشِّيْ، غُنَّه، اِسْتِطَالَت۔

اب ان صفات کو اگلے صفحہ پر نقشہ میں دیکھو، اور خوب غور سے دیکھو اور سمجھو! کیونکہ صفاتِ لازمہ کی آئندہ بحث اسی نقشہ کے مطابق آرہی ہے۔

نقشہ صفاتِ لازمہ

متضادہ

جوڑا	نمبر	صفت		نمبر	صفت
پہلا جوڑا	۱	ہمس		۲	جہر
دوسرا جوڑا	۳	شدت	توسط	۴	رخاوت
تیسرا جوڑا	۵	استعلاء		۶	استفال
چوتھا جوڑا	۷	اطباق		۸	انفتاح
پانچواں جوڑا	۹	اذلاق		۱۰	اصمات

غیر متضادّہ

نمبر	صفت
۱۱	صفیر
۱۲	قلقلہ
۱۳	لین
۱۴	انحراف
۱۵	تکریر
۱۶	تفشی
۱۷	غنہ
۱۸	استطالت

ان صفاتِ لازمہ کو اچھی طرح یاد کرلو۔ پھر یہ سمجھو کہ ان کی دو قسمیں ہیں:۔ [۱] متضادّہ [۲] غیر متضادّہ۔ چنانچہ ان اٹھارہ میں سے پہلی دس تو متضادّہ کہلاتی ہیں۔ اور بعد والی آٹھ غیر متضادّہ۔ اب ہم پہلے صفاتِ متضادّہ کو بیان کریں گے۔ اور پھر غیر متضادّہ کو۔

صفاتِ متضادّہ

075

سوال متضادّہ کا کیا مطلب ہے۔ اور ہر حرف میں ان میں سے کتنی صفتیں پائی جاتی ہیں؟

جواب متضادّہ کا مطلب یہ ہے کہ ان دس صفات میں سے "پانچ" پانچ کی ضدیں ہیں،

وہ اس طرح کہ ان دس صفات کے پانچ جوڑے ہیں، اور ہر جوڑا دو صفتوں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ پہلا جوڑا: ہمس وجہر پر | دوسرا جوڑا: شدت ورخاوت پر | تیسرا جوڑا: استعلاء واستفال پر | چوتھا جوڑا: اطباق وانفتاح پر۔ اور | پانچواں جوڑا: اذلاق واصمات پر مشتمل ہے۔ اسی بات کے سمجھانے کے لیے ہم نے نقشہ میں ہر جوڑے کی دو صفتوں کو دو مقابل خانوں میں آمنے سامنے لکھا ہے۔ پس ہر سطر کی پہلی صِفَت اپنے مقابل دوسری صفت کی ضد ہے، اور اسی طرح اس کے برعکس بھی۔

اب یہ سمجھو کو ہر جوڑے کی دو مقابل صفتوں میں سے ہر حرف میں ایک نہ ایک صفت ضرور پائی جاتی ہے۔ اور الف سے یاء تک کے انتیس [۲۹] حرفوں میں سے کوئی حرف بھی ایسا نہیں کہ جس میں ہر جوڑے کی دو صفتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جاتی ہو۔ اور اسی طرح ایسا حرف بھی کوئی نہیں کہ جس میں کسی جوڑے کی دونوں ہی صفتیں جمع ہو جاتی ہوں۔ چنانچہ:۔

- ہر حرف میں یا ہمس ہوگی یا جہر
- کوئی حرف بھی ایسا نہیں کہ جس میں نہ ہمس ہو نہ جہر
- نہ ہی کوئی ایسا حرف ہے کہ جس میں ہمس بھی ہو اور جہر بھی

اسی طرح شدت ورخاوت، کہ ان دونوں میں سے بھی ہر حرف میں ایک نہ ایک صفت ضرور ہوگی۔ کوئی حرف بھی ایسا نہیں کہ جو اِن دونوں سے خالی ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسا حرف ہے کہ جس میں یہ دونوں [1] صفتیں جمع ہوتی ہوں۔ اور باقی تین جوڑوں کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔

جب یہ بات سمجھ چکے تو اب یہ نتیجہ بآسانی نکال سکو گے کہ ہر حرف میں صفاتِ متضادّہ میں سے پانچ صفتیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ نہ اس سے کم، نہ اس سے زیادہ۔

رہی توسط؟ سو وہ باقی دس صفات کی طرح کوئی مستقل صفت نہیں ہے، اسی لیے ہم نے

[1] اگرچہ ان دونوں کے درمیان توسط بھی ہے اور اسکے بغیر دوسرا جوڑا مکمل نہیں ہوتا، لیکن یہاں چونکہ ایک جوڑے کا دو صفتوں پر مشتمل ہونا سمجھایا جارہا ہے، اسلئے اسکا ذکر نہیں کیا گیا، ورنہ آگے اس کا ذکر بھی آرہا ہے۔

اس کو ہر دو مُتقابِل خانوں میں سے کسی خانے میں بھی درج نہیں کیا، بلکہ ان دونوں مقابل خانوں کے درمیان لکھا ہے، اسی لیے اسکا شمار بھی ان دس میں نہیں ہے۔ اور یہ صفت (یعنی توسّط) شدت اور رخاوت دونوں کی ضد ہے اور یہ دونوں اسکی ضدیں ہیں۔ چنانچہ جس حرف میں یہ صفت ہوگی اس میں نہ رخاوت ہوسکتی ہے نہ شدت۔ اور جس میں شدت ہوگی اس میں نہ رخاوت ہوسکتی ہے نہ توسط۔ اور اسی طرح جس میں رخاوت ہوگی اس میں نہ شدت ہوسکتی ہے نہ توسط۔ نتیجہ یہ کہ شدت، رخاوت اور توسط، ان تین میں سے ہر حرف میں صرف ایک ہی صفت پائی جائے گی۔ اور اس ایک کے پائے جانے سے باقی دو کا نہ پایا جانا لازم آئیگا۔

ہر حرف کی صفاتِ متضادّہ معلوم کرنے کا طریقہ

076 **سوال** اتنی بات تو ہم اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ ان دس متضادّہ صفتوں میں سے ہر حرف میں پانچ صفتیں ضرور پائی جاتی ہیں، نہ زیادہ، نہ کم۔ مگر ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ وہ کون سا طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم ہر حرف کی ان پانچ صفات کو معلوم کرسکیں جو اس حرف میں پائی جاتی ہیں؟

جواب اَساتِذہ فن نے ہر حرف کی پانچ صفتیں معلوم کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ ان صفات میں سے نمبر۱، نمبر۳، نمبر۵، نمبر۷، نمبر۹ یعنی ہمس، شدت، استعلاء، اطباق اور اذلاق، پانچ یہ، اور ایک توسط، ان چھ صفتوں کے حرفوں کے مجموعہ جات کو خوب یاد کرلیا جائے، پھر جس حرف کے متعلق یہ معلوم کرنا منظور ہو کہ اس میں کونسی پانچ صفات پائی جاتی ہیں، تو غور کرو! اگر وہ حرف ان مجموعہ جات میں سے کسی میں ہے، تب تو سمجھو کہ یہ حرف ان صفات سے مُتَّصِف ہے، ورنہ ان کی ضدوں سے متصف سمجھا جائے گا۔

077 **سوال** وہ مجموعہ جات کیا ہیں۔ اور ہر مجموعہ میں کتنے حرف ہیں۔ اور اسکے حرفوں کو کیا کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کی ضدوں میں پائے جانے والے حرفوں کی تعداد اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب تمہارے ان سوالوں کے جوابات کو بلحاظِ جوڑا ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے:۔

پہلا جوڑا انتیس۲۹ حرفوں میں سے دس حرفوں میں صفتِ ہمس پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:
ف ح ث ھ ش خ ص س ك ت اور ان حرفوں کا مجموعہ یہ ہے: فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ اور ان حرفوں کو مَہمُوسَہ کہتے ہیں۔ ان دس حرفوں کے ماسوا باقی انیس۱۹ حرفوں میں صفتِ جہر پائی جاتی ہے اور ان کو مجہورہ کہتے ہیں۔ پس جس حرف کے متعلق معلوم کرنا چاہو کہ وہ مہموسہ ہے یا مجہورہ، تو اگر وہ حرف فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ کے مجموعہ میں ہے تب تو وہ حرف مہموسہ ہے، اب اس میں صفتِ جہر نہیں پائی جاسکتی۔ اور اگر وہ اس مجموعہ میں نہیں ہے تو پھر وہ حرف مجہورہ ہوگا، جیسے ق غ د ذ اور ی وغیرہ۔

دوسرا جوڑا شدت، رخاوت اور توسط میں سے آٹھ حرفوں میں صفتِ شدت پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں: ء ج د ق ط ب ك ت۔ ان کا مجموعہ اَجِدُ قَطٍ بَكَتَ ہے۔ ان کو حروفِ شدیدہ کہتے ہیں۔

پانچ حرفوں میں صِفَتِ تَوَسُّط پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہیں: ل ن ع م ر۔ اور ان کا مجموعہ لِنْ عُمَرُ ہے۔ ان کو مُتَوَسِّطہ اور بَيْنِيَّه بھی کہتے ہیں۔

ان آٹھ شدیدہ اور پانچ متوسطہ کے سوا باقی سولہ حرف صفتِ رخاوت سے متصف ہیں۔ ان کو حروفِ رخوہ کہتے ہیں۔

پس جس حرف کے متعلق معلوم کرنا چاہو کہ آیا وہ شدیدہ ہے، یا متوسطہ، یا رخوہ؟ تو دیکھو! اگر وہ اَجِدُ قَطٍ بَكَتَ کے مجموعہ میں ہے تب تو سمجھو کہ وہ حرف شدیدہ ہے، اب اس میں نہ تَوَسُّط پائی جاسکتی ہے نہ رخاوت۔ اور اگر وہ حرف لِنْ عُمَرُ کے مجموعہ میں ہے تو متوسطہ کہلائیگا، اب اس میں نہ شدت ہوگی نہ رخاوت۔ اور اگر ان دونوں مجموعوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے تو پھر رخوہ کہلائے گا۔ جیسے الف ذ ز ض اور ظ وغیرہ۔

تیسرا جوڑا استعلاء واستفال میں سے سات حرف صفتِ استعلاء سے متصف ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔ خ ص ض غ ط ق ظ۔ ان کا مجموعہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ہے۔ ان کو حروفِ مُسْتَعْلِیَہ کہتے ہیں۔ ان سات کے سوا باقی بائیس حرفوں میں صفتِ استفال پائی جاتی ہے۔ اور ان کو حروفِ مُسْتَفِلَہ کہتے ہیں۔ پس جس حرف کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ آیا وہ مستعلیہ ہے یا مستفلہ؟ تو دیکھو! اگر وہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں ہے، تب تو مستعلیہ کہلائے گا۔ ورنہ مستفلہ سمجھا جائے گا۔ جیسے ن د ت س ش وغیرہ۔

چوتھا جوڑا اطباق وانفتاح میں سے چار حرفوں میں تو صفتِ اطباق پائی جاتی ہے، اور وہ یہ ہیں: ص ض ط ظ، مجموعہ ان کا صَطْ ضَظْ ہے اور ان کو حروفِ مُطْبَقَہ کہتے ہیں۔ باقی پچیس[۲۵] حرف صفتِ انفتاح سے متصف ہیں، اور ان کو مُنْفَتِحَہ کہتے ہیں۔ جیسے کہ غ خ ق ل وغیرہ۔ رہی یہ بات کہ ہر حرف میں ان دونوں میں سے کون سی صفت پائی جاتی ہے؟ سو اس بات کے معلوم کرنے کا طریقہ یہاں بھی وہی ہے جو اوپر تین جوڑوں کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔

پانچواں جوڑا اذلاق واصمات میں سے ف ر م ن ل ب، ان چھ حرفوں میں تو صفتِ اذلاق پائی جاتی ہے اور مجموعہ ان کا فَرَّ مِنْ لُبٍّ ہے۔ یہ چھ حرف مذلقہ کہلاتے ہیں اور باقی تیئیس[۲۳] حرفوں میں اس کی ضد اصمات ہے، اور ان کو مُصْمِتَہ کہتے ہیں۔ جیسے س ش ص ض ط ظ ع غ وغیرہ۔ ان دو صفتوں میں سے ہر حرف میں کسی ایک کے معلوم کرنے کے لیے بھی وہی طریقہ کام میں لاؤ جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ہر حرف کی صفاتِ متضادّہ معلوم کرنے کی مشق

078 **سوال** کیا ہی اچھا ہو ...... اگر آپ ہمیں ہر حرف کی صفات معلوم کرنے کی کچھ مشق بھی کرادیں، تاکہ یہ طریقہ اچھی طرح ہمارے ذہن نشین ہو جائے؟

جواب بہت اچھا! تمہاری خواہش کے مطابق ذیل میں ہم چند حرفوں کو بطور مثال

ذکر کر کے کسی حرف کی پانچ صفات دریافت کرنے کی کچھ مشق کرائے دیتے ہیں، پورے دھیان سے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ مثلاً:۔

ب : ہی کو لے لو، غور کرو کہ:۔ یہ فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتَ کے مجموعہ میں نہیں ہے، اسلئے یہ مجہورہ ہے۔ چونکہ یہ اَجِدُ قَطٍ بَكَتَ کے مجموعہ میں ہے، اسلئے شدیدہ ہے۔ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں چونکہ نہیں، اسلئے مُسْتَفِلَہ ہے۔ نیز صَطْ ضَظْ میں بھی نہیں، اسلئے مُنْفَتِحَہ ہے۔ اور چونکہ فَرَّ مِنْ لُّبِّ کے مجموعہ میں ہے، اسلئے مُذْلِقَہ ہے۔ بس بامیں یہ پانچ صفات پائی جاتی ہیں:۔ جہر، شدت، استفال، انفتاح اور اذلاق۔

ح : چونکہ یہ فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتَ کے مجموعہ میں ہے، اسلئے مَہْمُوسَہ ہے، اب اس میں جہر نہیں پائی جا سکتی۔ چونکہ یہ اَجِدُ قَطٍ بَكَتَ اور لِنْ عُمَرَ کے مجموعوں میں نہیں ہے، اس لیے نہ شدیدہ ہوسکتی ہے نہ متوسط، بلکہ رِخْوَہ ہے۔ چونکہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں نہیں ہے، اس لیے مستفلہ ہے۔ صَطْ ضَظْ کے مجموعہ میں نہ ہونے کی وجہ سے مُنْفَتِحَہ ہے۔ اور فَرَّ مِنْ لُّبِّ کے مجموعہ میں بھی چونکہ نہیں ہے، اسلئے مُصْمِتَہ ہے۔ بس اس میں ہمس، رخاوت، استفال، انفتاح اور اصمات، یہ پانچ صفتیں پائی جاتی ہیں۔

ذ : یہ چونکہ نہ تو فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتَ کے مجموعہ میں ہے اور نہ ہی اَجِدُ قَطٍ بَكَتَ اور لِنْ عُمَرَ کے مجموعوں میں۔ اسی طرح خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ، صَطْ ضَظْ اور فَرَّ مِنْ لُّبِّ کے مجموعہ جات میں بھی نہیں ہے، اسلئے یہ مجہورہ، رخوہ، مستفلہ منفتحہ اور مصمتہ ہے۔

❁ باقی حرفوں کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔ اور الف سے یاء تک کے تمام حرفوں میں غور کر کے ان کی صفات نکالنے کی مشق کر لو!

سوال: کیا کوئی ایسا حرف بھی ہے جو تمام مجموعوں میں پایا جاتا ہو۔ اور ایسے ہی کیا کوئی ایسا حرف بھی ہے جو کسی مجموعہ میں بھی نہ پایا جاتا ہو؟

جواب ایسا حرف تو کوئی نہیں جو سب مجموعوں میں پایا جاتا ہو، البتہ پانچ حروف ایسے ضرور ہیں جو ان چھیوں مجموعوں میں سے کسی میں بھی نہیں پائے جاتے، اور وہ یہ ہیں:۔ ا ذ ز و ی۔ پس یہ پانچ حرف تو مجہورہ، رخوہ، مستفلہ، منفتحہ اور مصمتہ ہیں۔ اور باقی چوبیس حرفوں کی صفاتِ متضادّہ معلوم کرنے کا طریقہ وہی ہے جو اوپر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، خوب سمجھ لو۔ اور اب صفاتِ غیر متضادّہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔

صفاتِ غیر متضادّہ

080 سوال صفاتِ غیر متضادّہ کتنی ہیں۔ اور کن کن حرفوں میں پائی جاتی ہیں؟

جواب یہ کل آٹھ صفتیں ہیں۔ جو مندرجۂ ذیل سولہ حرفوں میں پائی جاتی ہیں:۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶
ب	ج	د	ر	ز	س	ش	ص	ض	ط	ق	ل	م	ن	و	ی

ان سولہ کے ماسوا باقی تیرہ حرفوں میں غیر متضادّہ میں سے کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔

081 سوال ان آٹھ صفتوں میں سے ہر صفت کے حرفوں کو الگ الگ بیان کیجیے؟

جواب بہت اچھا! ذیل میں ہم ایسا ہی کرتے ہیں، تم ان کو غور سے پڑھو اور یاد رکھنے کی کوشش کرو:۔

۱۱ ۱ صفیر: یہ صفت ان تین حرفوں میں پائی جاتی ہے: ص س ز۔ ان کو حروفِ صفیریہ کہتے ہیں۔

۱۲ ۲ قلقلہ: یہ صفت ان پانچ حرفوں میں پائی جاتی ہے: ق ط ب ج د۔ ان کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ ہے۔ ان کو حروفِ قلقلہ اور حروفِ مُتَقَلْقَل بھی کہتے ہیں۔

۱۳ ۳ لین: یہ صفت اُس واوٌ اور یاء میں پائی جاتی ہے جو ساکن ہو اور ان سے پہلے

والے حرف پر فتحہ ہو، جیسے قَوْلٌ کا واؤ اور بَيْعٌ کی یاء۔ ان دونوں کو اس حالت میں حروفِ لین کہتے ہیں جیسا کہ مخارج کی بحث میں بھی معلوم ہو چکا ہے۔

۱۴ ④ اِنحراف: یہ صفت لام اور راء، ان دو حرفوں میں پائی جاتی ہے ان کو مُنْحَرِفَہ کہتے ہیں

۱۵ ⑤ تکریر: یہ صفت صرف راء میں پائی جاتی ہے۔ اسکی وجہ سے اسکو مکرَّرہ کہتے ہیں

۱۶ ⑥ تَفَشِّی: اسکا صرف ایک ہی حرف ہے یعنی شین مُعْجَمَہ۔ اسکو حرفِ تفشّی کہتے ہیں

۱۷ ⑦ غنہ: یہ صفت نون اور میم ان دو حرفوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کو حروفِ غنہ کہتے ہیں۔

۱۸ ⑧ استطالت: یہ صفت صرف ضاد معجمہ میں پائی جاتی ہیں۔ اس کو مُسْتَطِيْلَہ کہتے ہیں۔ (ان آٹھ صفاتِ غیرِ متضادّہ کو اور ان کے سولہ حرفوں کو خوب اچھی طرح یاد کرلو)۔

سوال ان آٹھ صفتوں کے حروف تو ہمیں معلوم ہو گئے، اب غیر متضادّہ کا مطلب بھی سمجھا دیجیے؟

جواب غیر متضادّہ کا مطلب ہے: "ضد نہ بننے والی" (یعنی ایسی صفات جن کی کوئی ضد نہیں)۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ جس طرح صفاتِ متضادّہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسری کی ضد اور مقابل ہوتی ہیں، اور کسی حرف میں ان میں سے کسی صفت کے پائے جانے سے اس کی ضد کا نہ پایا جانا لازم آتا ہے، ان صفتوں کا یہ حال نہیں۔ کیونکہ یہ صفات تو ایسی ہیں کہ جن کی کوئی ضد ہی نہیں۔ مثال کے طور پر:۔

❋ اگر ص س ز میں صفتِ صفیر ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی چھبیس[۲۶] حرفوں میں کوئی ایسی صفت پائی جاتی ہے جو اس کی ضد ہے، جس طرح کہ فَرَّ مِنْ لُّبٍّ کے چھ حرفوں کے علاوہ باقی تئیس[۲۳] حرفوں میں اذلاق کی ضد اصمات پائی جاتی ہے۔

❋ اسی طرح قُطْبُ جَدٍّ کے پانچ حرفوں میں صفتِ قلقلہ ہے تو اس کا مطلب یہ

نہیں کہ باقی چوبیس[۲۴] حرفوں میں کوئی ایسی صفت ہے جو قلقلہ کی ضد ہے جس طرح کہ صَطْ ضَظْ کے سوا باقی پچیس[۲۵] حرفوں میں صفتِ انفتاح پائی جاتی ہے۔

باقی صفاتِ غیر متضادّہ کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ پہلی دس کی طرح یہ آٹھ صفتیں ایک دوسری کی ضد نہیں بنتیں، اور یہی معنیٰ ہیں غیر متضادّہ کے۔ یعنی وہ صفات جو آپس میں ایک دوسری کی ضد نہ بنیں۔ اور نیز ان صفات کو مُنْفَرِدَہ بھی کہتے ہیں، یعنی وہ صفات جو اکیلی ہیں، اور ان کا کوئی مقابل نہیں۔

083 **سوال** ہر حرف میں کم سے کم کتنی۔ اور زیادہ سے زیادہ کتنی صفاتِ لازمہ پائی جاتی ہیں؟

جواب تیرہ حرفوں میں تو پانچ پانچ صفات پائی جاتی ہیں۔ اور یہ وہ تیرہ ہیں جو صفاتِ غیر متضادّہ سے خالی ہیں یعنی: ا ت ث ح خ ذ ظ ع غ ف ك ه ء۔ باقی جو سولہ حرف بچے ہیں، ان میں سے پندرہ میں تو چھ چھ پائی جاتی ہیں، اور راء میں سات، اس لیے کہ اس میں غیر متضادّہ میں سے دو صفتیں پائی جاتی ہیں یعنی انحراف و تکریر۔ بس راء کے علاوہ اور کوئی ایسا حرف نہیں ہے جس میں سات صفتیں پائی جاتی ہوں، خوب سمجھ لو۔

084 **سوال** ایک شبہ اب بھی باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر ہمس کی ضد جہر اور شدت کی ضد رخاوت ہے، تو کیا تفشّی کی ضد عَدَمِ تفشّی، اور قلقلہ کی ضد عدمِ قلقلہ نہیں ہوسکتی۔ اور اگر ہوسکتی ہے تو پھر ان کو غیر متضادّہ کیوں کہتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوسکتی تو کیوں؟

جواب تمہارا یہ شبہ فرضی ہے جو معمولی سا غور کرنے سے دور ہوسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ہمس کی ضد کا نام جہر اور شدت کی ضد کا نام رخاوت تو واقعۃً موجود ہے، اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے دوسری کا نہ پایا جانا لازم بھی آتا ہے، مگر تم یہ سوچو کہ کیا تفشّی اور قلقلہ کی ضدوں کے نام بھی کوئی ہیں کہ جو شین کے علاوہ باقی اٹھائیس[۲۸] حرفوں میں، یا قُطُبُ جَدٍّ کے علاوہ باقی چوبیس حرفوں میں پائی جاتی ہوں، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ان کو متضادّہ

کہنا کیسا !

پس متضادّہ اور غیر متضادّہ میں یہ فرق ہے کہ متضادّہ میں تو دونوں ضدّوں کا نام ہوتا ہے۔ اور غیر متضادّہ میں مقابل صفت کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہوتا، کہ محض لفظِ "عدم" لگا کر ضد بنالی جائے !

085 **سوال** کیا ہی اچھا ہو اگر آپ ہمیں کسی نقشہ میں بھی ہر حرف کی صفات دکھا دیں، تاکہ یہ ہمیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں ؟

جواب نقشہ اگر تم خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرو تو یہ زیادہ مفید ثابت ہوگا ! اس لیے کہ جب تم خود اپنے دماغ پر بوجھ ڈال کر ہر حرف کی صفات نکالو گے اور پھر ان کو لکھو گے، تو اس سے صفات کے نکالنے کی مشق بھی خوب[1] ہو جائے گی اور تمہیں صفات یاد بھی اچھی طرح ہو جائیں گی۔

الحمد للہ ! یہاں پہنچ کر صفات کی لفظی بحث تمام ہوئی۔ اب آئندہ فصل میں ان کے معانی بیان کیے جا رہے ہیں۔ تجوید کے علم میں سب سے مشکل بحث یہی ہے، اس لیے اس کے سمجھنے کے لیے غور و فکر اور محنت کی ضرورت بھی زیادہ ہے۔

[1] معلّمین کو چاہیے کہ وہ اپنے طلباء کو ہدایت فرمائیں کہ ہر ایک علیٰحدہ علیٰحدہ ایسا نقشہ تیار کر کے لائے جس میں ہر حرفِ تہجی کے سامنے اس کی تمام صفات درج ہوں۔ یہ نہایت ضروری اور مفید مشورہ ہے، اگر معلّمین حضرات توجہ فرمائیں۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ طلباء کو صفات نکالنے کی مشق نہیں ہوتی، بلکہ بہت سے تو اس طریقے سے بھی ناآشنا ہوتے ہیں۔

فصل چہارم

صفاتِ لازمہ کے لُغوی اور اِصطِلاحی معنیٰ

اور حروف کی ادا پر ان کے اَثرَات

086 سوال صفات کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور ان کے اثرات سے کیا مراد ہے؟

جواب صفاتِ لازمہ کے جو نام اوپر تم نے پڑھے ہیں، مثلاً: ہمس، شدت، صفیر، قلقلہ وغیرہ، تو یہ سب عربی الفاظ ہیں۔ اور ان میں سے ہر لفظ کا ایک معنیٰ ہے۔ پھر یہ معنیٰ بھی دو طرح کا ہوتا ہے:۔ ایک لغوی اور دوسرا اصطلاحی۔

❁ لغوی معنیٰ تو کسی لفظ کا وہ ہوتا ہے جو صرف اس لفظ کے عربی ہونے کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے، یعنی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں اس لفظ سے کیا مطلب لیا جاتا ہے اور بس۔

❁ اصطلاحی معنیٰ اس لفظ کا وہ ہوتا ہے جو قراء اور مجودین اس سے مراد لیتے ہیں۔ اور ان دونوں قسم کے معنوں میں مناسبت ہوتی ہے۔

❁ اور اثر سے مراد وہ نتیجہ ہے جو اصطلاحی معنیٰ کی رعایت رکھنے سے حرف میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً رخاوت، کہ اس کے لغوی معنیٰ "نرمی"۔ اور اصطلاحی معنیٰ "آواز کا نرمی کے ساتھ رکنا" کے ہیں۔ اور نتیجہ "حرف کا نرم ادا ہونا اور آواز کا جاری رہنا ہے"۔ (تفصیل آئندہ آرہی ہے)۔

اب ہم ذیل میں ہر ہر صفت کے معنیٰ اور یہ کہ اسکا حرف کی ادا پر کیا اثر پڑتا ہے، ان دونوں چیزوں کو بِالتفصیل بیان کرتے ہیں۔

تم ان کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی پوری پوری کوشش کرو اور حروف کے ادا کرتے وقت ان کی پوری پوری رِعایت بھی رکھو۔

پہلے دو جوڑوں کی صفتوں کے معنیٰ اور ان کے اثرات

087 سوال ہمس و جہر کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا کیا ہیں۔ اور حروف کی ادا پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے۔

جواب ہمس کے لغوی معنیٰ پست آواز کے ہیں۔ اور مجودین کی اصطلاح میں ہمس کے معنیٰ ہیں: حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس جاری رہ سکے اور آواز پست ہو۔ اور جہر کے معنیٰ بلند آواز کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اس کے معنیٰ ہیں: حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس بند ہو جائے اور آواز بلند ہو۔ پس:۔

پست آواز، بلند آواز کی۔ اور بلند آواز، پست آواز کی۔ ایسے ہی سانس کا جاری رہنا، بند ہو جانے کی۔ اور بند ہو جانا، جاری رہنے کی ضد ہے۔ خوب سمجھ لو!

088 سوال شدت، رخاوت اور توسط کے کیا کیا معنیٰ ہیں اور حروف کی ادا پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب لغت میں شدت کے معنیٰ سختی کے آتے ہیں۔ اہلِ فن کی اصطلاح میں شدت کے معنیٰ ہیں: حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی سختی اور قوت کیساتھ ٹلنا کہ اسکے اثر سے خود آواز ہی بند ہو جائے اور حرف قوی اور سخت ادا ہو۔ اور رخاوت کے معنیٰ لغت میں نرمی کے ہیں۔ اصطلاح میں اسکے معنیٰ ہیں: حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی نرمی کیساتھ ٹھہرنا کہ اسکے اثر سے آواز جاری رہ سکے اور حرف نرم ادا ہو۔ توسط: لغت میں اسکے معنیٰ درمیان میں واقع ہونے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اس سے مراد شدت اور رخاوت کی درمیانی حالت ہے کہ اسکے حرفوں کے ادا ہوتے وقت نہ تو حروفِ شدیدہ کی طرح آواز فوراً بند ہو جاتی ہے اور نہ رخوہ کی طرح جاری ہی رہتی ہے۔ پس سختی، نرمی کی۔ اور نرمی سختی کی ضد ہے۔ اسی طرح آواز کا بند ہو جانا، اسکے جاری رہنے کی۔ اور جاری رہنا، بند ہو جانے کی ضد ہے۔ حروفِ متوسطہ میں ان دو

متضاد کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت بھی کامل طور پر نہیں پائی جاتی، بلکہ ان میں دونوں صفتوں کا کچھ کچھ اثر ہوتا ہے، اسلئے ان پانچ حرفوں کو نہ تو شدیدہ ہی کہہ سکتے ہیں اور نہ رخوہ، بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ہیں، اسی لیے ان کو مُتوسِّطہ کہتے ہیں اور ان کا دوسرا نام بَینِیّہ بھی ہے۔

پہلے دو جوڑوں کی پانچ صفتوں کی بناء پر حروف کی قسمیں اور انکے تلفظ کی وضاحت

سوال ان دو جوڑوں کی پانچ صفتوں کی بناء پر حروف کی کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں۔ نیز یہ کہ ہر قسم میں کون کون سے حرف داخل ہیں؟

جواب ان پانچ صفتوں کی بناء پر حروف کی قسمیں بھی پانچ ہی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱	۲	۳	۴	۵
مہموسہ رخوہ	مہموسہ شدیدہ	مجہورہ رخوہ	مجہورہ شدیدہ	مجہورہ متوسطہ

بس مجہورہ تو تین قسموں میں منقسم ہیں، لیکن مہموسہ کی صرف دو ہی قسمیں ہیں۔ کیونکہ حروفِ مَہمُوسہ یا شدیدہ ہیں، یا رخوہ۔ ان میں سے متوسطہ کوئی نہیں۔ اب ہم ذیل میں ان پانچ قسموں کو مع ان کے حرفوں کے ایک جدوَل میں درج کرتے ہیں۔ اس جدوَل کو غور سے دیکھو اور اسکے حرفوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو، کیونکہ آگے ان سے متعلق وضاحت آنے والی ہے۔

حرفوں کی پانچ قسموں کا جدوَل

مہموسہ رخوہ	ف	ح	ث	ہ	ش	خ	ص	س
مجہورہ شدیدہ	ء	ج	د	ق	ط	ب		
مجہورہ رخوہ	غ	ا	ز	ی	ذ	و	ض	ظ
مجہورہ متوسطہ	ل	ن	ع	م	ر			
مہموسہ شدیدہ	ک	ت						

غَازِیٌ ذُوْ ضَظٍ

090 **سوال** ان پانچوں قسموں کے حرفوں کی کیفیتِ ادا اور ان کے تلفظ کی وضاحت کیجیے؟

جواب ❊ جو حروف مہموسہ بھی ہیں اور رخوہ بھی، تو ہمس کی وجہ سے ان کی آواز پست اور رخاوت کی وجہ سے نرم ہوتی ہے۔ نیز ان میں ہمس کی وجہ سے سانس اور رخاوت کی وجہ سے آواز، دونوں ہی جاری رہتے ہیں۔ اس لیے وہ انتہائی لطیف، نرم اور ہلکے پھلکے ادا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس نوع کے آٹھوں حرفوں میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ جیسے یَلْهَثْ کی ثاء اور فَاهْدُوْهُمْ کی ھاء۔

❊ جو حرف نہ مہموسہ ہیں نہ رخوہ، یعنی حروفِ مجہورہ شدیدہ، تو بوجہ جہر کے ان کی آواز بلند اور بوجہ شدت کے سخت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ ان میں جہر کی وجہ سے سانس اور شدت کی وجہ سے آواز، دونوں بند ہو جاتے ہیں۔ اس لیے وہ نہایت قوی اور سخت ادا ہوتے ہیں کہ نرمی کا نام نہیں ہوتا جیسے اِقْرَاْ اور مَاْكُوْلٍ کا ہمزہ۔ اس نوع کے باقی پانچ حرفوں میں چونکہ صفتِ قلقلہ بھی پائی جاتی ہے، اس لیے ان میں آواز کے مخرج میں قوت وسختی کے ساتھ ٹکنے کے بعد حرکت کے مُشابہ یعنی ہلتی ہوئی آواز بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے وَقْرٌ کا قاف اور اَجْرٌ کی جیم۔ وضاحت اس کی صفتِ قلقلہ کی تشریح کے ضمن میں آئے گی۔

❊ جو حروف مجہورہ تو ہیں لیکن شدیدہ یا متوسطہ نہیں ہیں، یعنی حروفِ مجہورہ رخوہ، تو ان کی آواز اگرچہ بوجہ رخاوت کے نرم تو ہوگی اور جاری بھی رہ سکے گی، لیکن جہر کی وجہ سے سانس چونکہ بند ہو جائے گا، اس لیے ان کے تلفظ میں وہ لطافت و نزاکت نہیں ہوگی جو حروفِ مہموسہ رخوہ میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نوع کے آٹھوں حرفوں میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ جیسے مَجْذُوْذٍ کی ذال اور مَحْفُوْظٍ کی ظاء۔

❊ جو حروف مجہورہ تو ہیں، لیکن نہ شدیدہ ہیں نہ رخوہ، بلکہ ان دونوں کے درمیان ہیں یعنی حروف مجہورہ متوسطہ، تو جہر کی وجہ سے ان کی آواز بلند تو ہوگی اور سانس کے بند ہو جانے کی وجہ سے قوی بھی ہوگی، لیکن سختی و نرمی میں، نیز آواز کے جاری رہنے اور نہ رہنے میں وہ شدیدہ اور

رخوہ کے درمیان ادا ہوں گے۔ چنانچہ اس نوع کے پانچوں حرفوں میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ جیسے قُلْ کالام اور اَنْعَمْتَ کا نون اور میم۔

※ رہے حروفِ مہموسہ شدیدہ یعنی کاف اور تاء؟ سو پہلے تو ان کی آواز بوجہ شدت کے مخرج میں سختی اور قوت کے ساتھ نکلتی ہے، پھر آخر میں بوجہ ہمس کے ایک نہایت پست اور کمزور آواز ظاہر ہوتی ہے، جو ہوتی بھی "آنی" ہے۔

یہ تو ہوئی ان صفاتِ خمسہ کی علمی تصویر۔ رہی ان کی عملی ادائیگی؟ سو وہ ماہر استاذ سے سننے اور اس کے موافق مشق کرنے سے ہی آسکتی ہے!

09 **سوال** حروف مجہورہ رخوہ کی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان میں سانس تو بند ہو جاتا ہے مگر آواز جاری رہتی ہے، تو اب اِشکال یہ ہے کہ جب سانس ہی بند ہو گیا تو آواز کا جاری رہنا کیونکر ممکن ہے، اس لیے کہ آواز کا مدار سانس پر ہی ہے؟

جواب سانس کے بند ہو جانے کا مطلب یہ نہیں کہ سانس سرے سے ختم ہی ہو جاتا ہے، بلکہ مراد سانس کے بند ہو جانے سے یہ ہے کہ سانس پورے کا پورا آواز بن جاتا ہے اور اپنی حیثیت سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب کسی حرف کے مخرج پر آواز نکلتی ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتی:۔ یا تو قوت اور سختی کے ساتھ نکلتی ہے، یا ضعف اور نرمی کے ساتھ۔ پس:۔

※ پہلی صورت میں اعتمادِ قوی کی وجہ سے سانس سارے کا سارا آواز بن جاتا ہے اور اپنی حیثیت سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور یہی حرفِ مجہورہ کہلاتا ہے۔

※ دوسری صورت میں اعتمادِ ضعیف کی وجہ سے سانس پورے کا پورا آواز نہیں بنتا، بلکہ کچھ تو آواز بن جاتا ہے اور کچھ سانس کی حیثیت سے باقی رہ جاتا ہے، اور یہی حرفِ مہموسہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اگر تم غور کرو گے تو حروفِ مہموسہ رخوہ میں ایک خاص قسم کی لطافت اور نرمی پاؤ گے

بخلاف حروفِ مجہورہ رخوہ کے، کہ ان میں وہ لطافت اور نرمی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ لطافت اور نرمی اسی سانس کے جاری رہنے کا ہی نتیجہ ہے جس کا احساس مَبۡثُوۡثِ اور مَجۡذُوۡذٍ جیسے کلمات پر یکے بعد دیگرے وقف کر کے غور کرنے سے ہوسکتا ہے۔ مگر یہ ایک باریک بات ہے جس کا اِدراک صحیح ادائیگی اور صحیح ذوق کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

کاف اور تاء میں ہمس کے متعلق ایک ضروری تنبیہ

092 سوال بعض لوگ کاف اور تاء کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ك مثل [کھ] کے اور ت مثل [تھ] کے سنائی دیتا ہے۔ اور بعض لوگ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ان حرفوں کے آخر میں [ھاء] یا [سین] کی آواز پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اس تلفظ کی صحت پر وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ "ہم صفتِ ہمس ادا کر رہے ہیں، اور اگر ان حرفوں کو اس طرح ادا نہ کیا جائے تو صفتِ ہمس ادا ہونے سے رہ جاتی ہے"۔ تو کیا ان کا یہ تلفظ اور اس پر یہ دلیل، یہ دونوں باتیں صحیح ہیں؟

جواب علم تجوید کی معتبر کتابوں، نیز اس فن کے مُحَقِّق اَساتِذہ کے ارشادات کی رو سے یہ دونوں باتیں غلَط ہیں، کہ نہ تو کاف وتاء کا یہ تلفظ صحیح ہے اور نہ اس پر ان کی یہ دلیل ہی درست ہے۔ چنانچہ کاف اور تاء کا ایسا تلفظ کہ جس میں وہ [کھ] اور [تھ] کے مانند ادا ہوں، اس کا غلَط ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ اس میں ایک حرف دوسرے سے بدل جاتا ہے۔ اور یہ بھی تو تم سمجھتے ہی ہوگے کہ [کھ] اور [تھ] یہ دونوں خالص ہندی اور اردو زبان کے حرف ہیں، عربی تو درکنار فارسی میں بھی استعمال نہیں ہوتے، پھر قرآن مجید جو کہ نہایت فصیح عربی میں نازل ہوا ہے، بھلا اس میں ایسے حرفوں کی کھپت کہاں! ... پس جب ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے، خصوصًا جب تبدیلی بھی ایسی ہو کہ وہ عربی حروف سے نکل کر عجمی حرفوں میں داخل ہوجائے جیساکہ کاف وتاء کے اس غلَط تلفظ میں یہی صورت ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں اس تلفظ کے غلَط اور نادرست ہونے پر مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اس کے صحیح ہونے پر جو

دلیل بھی پیش کی جائے گی وہ قابل قبول نہ ہوگی!

رہا ان کے آخر میں ھاء، یا سین کی آواز کا ظاہر کرنا؟ سو یہ بھی غلَط ہے، کیونکہ اس صورت میں ایک حرف کی زیادتی لازم آتی ہے۔ ھاء اور سین دونوں مستقل حرف ہیں، کاف وتاء کے آخر میں ان کی آواز کے ظاہر کرنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔

رہی ان کی یہ دلیل کہ اس تلفظ کے بغیر صفتِ ہمس ادا نہیں ہوتی، سو یہ بھی غلَط اور نادرست ہے، اس لیے کہ ہمس کے معنیٰ خفی اور پست آواز کے ہیں، جریانِ صوت (یعنی آواز کے جاری رہنے) کے نہیں، تو اگر کاف وتاء کے آخر میں ھاء یا سین کی آواز ظاہر ہو جائے گی تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی:۔

① یا تو یہ کہ یہ حروف بجائے شدیدہ کے رخوہ ہو جائیں گے، اس لیے کہ آواز کا جاری رہنا رخوہ کا خاصہ ہے، نہ کہ شدیدہ کا۔

② یا یہ کہ ایک حرف کی زیادتی لازم آئیگی جو قطعاً نادرست اور بہت بھاری غلطی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کاف وتاء کو نہ تو [کھ] اور [تھ] کی طرح ادا کرنا صحیح ہے، اور نہ ان کے آخر میں ھاء اور سین کی آواز کا ظاہر کرنا ہی درست ہے، بلکہ ان دونوں حرفوں کا صحیح تلفظ وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پہلے تو ان کی آواز بوجہ شدت کے مخرج میں سختی اور قوت کیساتھ ٹکتی ہے، پھر آخر میں بوجہ ہمس کے ایک نہایت پست اور کمزور آواز ظاہر ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس غلَط تلفظ کے اختیار کرنے کا سبب صفتِ شدت سے ذُہول ہوتا ہے، کیونکہ جو لوگ ان حرفوں کو اس غلَط تلفظ کیساتھ ادا کرتے ہیں وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ان میں صفتِ شدت بھی ہے۔ ورنہ اگر وہ اس بات کو نہ بھولیں تو اس غلَط تلفظ کو اختیار کر ہی نہیں سکتے، اس لیے کہ علامہ جزری رحمہ اللہ نے اپنے مشہور رسالہ "مقدمۃ الجزریۃ" (شعر: ۴۹) میں کاف اور تاء میں صفتِ شدّت کا اہتمام کرنے کی خُصوصی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

وَرَاعِ شِدَّةً بِكَافٍ وَّبِتَا ۔۔۔ كَشِرْكِكُمْ وَتَتَوَفّٰى فِتْنَتَا

ترجمہ: اور پوری طرح ملحوظ رکھ صفتِ شدت کو کاف اور تاء میں۔ ان دونوں کی مثال بِشِرْكِكُمْ، تَتَوَفّٰهُمُ اور فِتْنَةً کی طرح ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تحقیق التقدمة الشريفية شرح المقدمة الجزرية (صفحہ:۱۸۸) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تیسرے اور چوتھے جوڑے کی صفتوں کے معنیٰ اور ان کے اثرات

093 **سوال** استعلاء واستفال کے کیا کیا معنیٰ ہیں۔ اور ان کا حروف کی ادا پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب استعلاء کے لغوی معنیٰ "بلند ہونے" کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت اقصیٰ لسان یعنی زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف اُٹھ جائے۔ جس کے اثر سے یہ حروف پُر ادا ہوں گے۔ جیسے فِرْقَةٍ کا قاف اور خَالِدٌ کی خاء۔

استفال کے لغوی معنیٰ ہیں: "نیچے رہنا" اور اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف نہ اٹھے، بلکہ نیچے ہی رہے۔ جس کے اثر سے یہ حروف خوب باریک ہوں گے۔ جیسے يَكْفُرُوْنَ کا کاف اور اَلتَّآئِبُوْنَ کی تاء۔

094 **سوال** اطباق وانفتاح کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا کیا ہیں۔ اور ان کا حروف کی ادا پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب اطباق کے معنیٰ لغت میں اِلْصَاق یعنی "اچھی طرح مل جانے اور ڈھانپ لینے" کے ہیں۔ اور مجودین کی اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے مل جائے اور اس کو ڈھانپ لے۔ جس کی وجہ سے یہ حروف خوب پُر ادا ہوں گے۔ جیسے اَلطَّاغُوْتَ کی طاء اور مِرْصَادًا کا صاد۔

اِنفتاح کے لغوی معنیٰ اِفْتِرَاق یعنی "جدا اور علیحدہ رہنے" کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے نہ ملے، بلکہ جدا رہے۔ جیسے فُتِحَتْ کی تاء اور وَقْرٌ کا قاف۔ اور اس کا اثر بھی یہی ہوگا کہ یہ حروف پُر نہیں

ہوں گے۔ البتہ ان میں جو حروف مُستَعلِیَہ ہیں یعنی غین، خاء اور قاف، وہ استعلاء کی وجہ سے پُر ہوں گے، لیکن اس قدر نہیں کہ جس قدر مستعلیہ مُطبِقَہ۔ پس فُتِحَتْ تو مُستَفِلَہ مُنفتحہ کی مثال ہے اور وَقْرٌ مستعلیہ مُنفَتِحَہ کی، خوب سمجھ لو!

تفخیم و ترقیق کے اعتبار سے حروف کی تین قسمیں

095

سوال تفخیم و ترقیق کے اعتبار سے حروف کی کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں؟

جواب تین قسمیں ہیں:۔

[۱] وہ حروف جو خوب پُر پڑھے جاتے ہیں (یا یوں سمجھو کہ ان میں دو درجہ کی تفخیم ہوتی ہے)۔ اور یہ وہ حروف ہیں جو مستعلیہ بھی ہیں اور مطبقہ بھی، یعنی ص ض ط ظ۔ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ استعلاء کا اثر بھی حروف میں تفخیم کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور اطباق کا بھی تفخیم ہی کی صورت میں۔ پس ان چار حرفوں میں ایسی دو صفتیں جمع ہو جاتی ہیں جو تفخیم کی مُتقاضی ہیں، اس لیے ان میں تفخیم بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔

[۲] وہ حروف جو ان کی نسبت کم پُر پڑھے جاتے ہیں (یا یوں سمجھو کہ ان میں ایک درجہ کی تفخیم ہوتی ہے)۔ اور یہ وہ حروف ہیں جن میں استعلاء تو پائی جاتی ہے مگر اطباق نہیں پائی جاتی یعنی مستعلیہ منفتحہ، اور وہ غ خ اور ق یہ تین حرف ہیں۔ چونکہ ان تین حرفوں میں تفخیم کی متقاضی صرف ایک صفت یعنی استعلاء ہی پائی جاتی ہے، اسلئے ان میں تفخیم بھی کم درجہ کی ہوتی ہے۔

[۳] وہ حروف جو بالکل پُر نہیں ہوتے بلکہ باریک پڑھے جاتے ہیں۔ یہ وہ بائیس[۱] حروف ہیں جن میں نہ تو استعلاء پائی جاتی ہے اور نہ ہی اطباق، یعنی مستفلہ منفتحہ۔ کیونکہ ان میں کوئی بھی ایسی صفت نہیں پائی جاتی جو تفخیم کو چاہتی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو حرف مطبقہ ہو گا وہ

[۱] البتہ ان بائیس میں سے لفظ اَللّٰہ کا لام، راء اور الف، یہ تین حرف باوجود مستفلہ ہونے کے بھی بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں۔ اسکا مفصل بیان دوسرے باب کی پہلی فصل میں آئے گا۔

مستعلیہ بھی ضرور ہوگا، مگر اسکے برعکس یہ ضروری نہیں کہ جو حرف مستعلیہ ہو وہ مطبقہ بھی ہو، کیونکہ بعض حُروفِ مستعلیہ "منفتحہ" بھی ہیں، چنانچہ غین، خاء اور قاف ایسے ہی ہیں۔

البتہ جو حرف مستفلہ ہوگا اس کا منفتحہ ہونا ضروری ہے، لیکن اس کے برعکس ضروری نہیں، کیونکہ بعض حروف ایسے بھی ہیں جو منفتحہ تو ہیں مگر مستفلہ نہیں ہیں بلکہ مستعلیہ ہیں، (چنانچہ غین، خاء اور قاف یہ تینوں ایسے ہی ہیں، جیساکہ ابھی گذرا)۔ خلاصہ یہ کہ ان چار صفتوں کی بناء پر حروف کی قسمیں صرف تین ہی بنتی ہیں :۔

۱	۲	۳
مستعلیہ مطبقہ	مستعلیہ منفتحہ	مستفلہ منفتحہ

گو لفظوں کے باہم جوڑنے سے ایک چوتھی قسم بھی بن سکتی ہے یعنی مستفلہ مطبقہ، لیکن وہ پائی نہیں گئی، کیونکہ نہ تو کوئی مطبقہ مستفلہ ہے اور نہ کوئی مستفلہ مطبقہ۔ اس مقام سے متعلق مزید تحقیق توضیحاتِ مرضیہ شرح فوائد مکیہ (صفحہ:۳۲) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

096 **سوال** کاف کی ادائیگی میں زبان کی جڑ کا نیچے والا حصہ اور جیم، شین، یاء کی ادائیگی میں زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے مل جاتا ہے، پھر کاف کو حروفِ مستعلیہ میں، اور جیم، شین، یاء کو حروفِ مطبقہ میں شمار کیوں نہیں کرتے ؟

جواب ان حرفوں میں زبان کا تالو سے ملنا مخرج کی وجہ سے ہوتا ہے، صفت کی وجہ سے نہیں۔ اور حروفِ مستعلیہ مطبقہ وہ حروف ہیں جن میں زبان کا اوپر کے تالو کی طرف اٹھنا، یا اس سے ملنا صفت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور مخرج ان حرفوں کا علیحدہ ہے۔ پھر کاف میں زبان کی پوری جڑ اور جیم، شین، یاء میں زبان کا بیچ والا حصہ پورے کا پورا تالو سے ملتا بھی نہیں ہے، بلکہ بہت تھوڑا حصہ ملتا ہے بخلاف حروفِ مستعلیہ اور مطبقہ کے۔ کہ مُسْتَعْلِیَۃ میں زبان کی پوری جڑ تالو کی طرف بلند ہوتی ہے اور حروفِ مطبقہ میں زبان کا بیچ والا حصہ پورے کا پورا اوپر کے تالو کو ڈھانپ لیتا ہے۔

پانچویں اور آخری جوڑے کی صفتوں کے معنیٰ

097 **سوال** اذلاق و اصمات کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا کیا ہیں؟

جواب اِذلاق لغت میں ''پھِسلنے'' کو کہتے ہیں۔ اور اہلِ فن کی اصطلاح میں اس کے معنیٰ حرف کے ہونٹ یا زبان کے کنارہ سے بہ سہولت ادا ہونے کے ہیں، کہ گویا وہ اپنے مخرج سے پھسلتا ہوا ادا ہو رہا ہے۔ اور اسکے ادا ہوتے وقت کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی جیسے **قُلْ** کا لام اور **يَعْلَمْ** کا میم۔

اصمات کے لغوی معنیٰ منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اصمات سے مراد یہ ہے کہ حرف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہو، گویا کہ اس کی ادائیگی میں کچھ گرانی اور رُکاوٹ سی محسوس ہو جیسے **حُوِّرَتْ** کی تاء اور **لَمْ يَتَّخِذْ** کی ذال۔ اذلاق و اصمات کی مزید تحقیق التقدمۃ الشریفیۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ (صفحہ:۱۰۹) میں دیکھی جا سکتی ہے۔



صفاتِ غیر متضادّہ کے معانی

098 **سوال** صفاتِ غیر متضادہ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا کیا ہیں؟

جواب ذیل میں ہم ان صفات کے معنیٰ ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں۔ ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو اور حرفوں کے ادا کرتے وقت ان کا خیال رکھو:۔

صِفَتِ صفیر

11 ① صفیر: اسکے معنیٰ لغت میں سیٹی یا چڑیا وغیرہ کی آواز کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت ایک تیز آواز مثل سیٹی یا چڑیا وغیرہ کے نکلے۔ جیسے **عَزِيْزٌ** کی زاء اور **بِسْمِ اللّٰه** کی سین۔ یہ صفت ان حرفوں کے لیے کچھ ایسی لازم ہے کہ اگر یہ ادا

نہ ہو تو ان حرفوں کی رونق ہی باقی نہیں رہتی اور یہ حروف بہت ہی ناقص ادا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح ان حرفوں کو بلحاظِ مخرج اسلیہ کہتے ہیں، اسی طرح اس صفت کی وجہ سے یہ صفیریہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

صِفَتِ قَلْقَلَہ

۱۲ ۲ قلقلہ: اسکے لغوی معنیٰ جُنبِش اور حرکت کے ہیں۔ اور فن میں اسکے یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت مخرج میں کچھ جنبش سی ہو جائے، جس کی وجہ سے آواز لَوٹتی ہوئی نکلے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حروفِ قلقلہ کی ادائیگی کے لیے جب ایک عُضو دوسرے عُضو سے ملے تو شدت و جہر کی وجہ سے پوری سختی اور قوت کے ساتھ ملے، اور پھر ملنے کے بعد جدا بھی ہو جائے، یعنی قاف کی ادائیگی کے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو سے، جیم کے ادا کرتے وقت زبان کا بیچ اپنے مقابل تالو سے، دال وطاء کی ادائیگی کے وقت زبان کی نوک ثنایا علیا کی جڑوں سے اور باء کی ادائیگی کے وقت نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ سے جب ملے، تو اس ملنے کے بعد جدا بھی ہو جائے اور دوسرے ساکن حرفوں کی طرح اس کو وہیں قرار نہ ہو جائے، پس ایک عضو کا دوسرے عضو سے سختی اور قوت کیساتھ ملنا اور پھر ملنے کے بعد جدا ہو جانا، بس یہی حقیقت ہے قلقلہ کی۔

ہاں! یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر حروفِ قلقلہ مُخَفَّف ہوں گے جیسا کہ وَقْرٌ، قَدْرٌ، اَجْرٌ، اَلْقِطْرُ اور بِجَبْرٌ میں ہیں تو یہ اِنْفِکاکِ عُضْوَین (یعنی دونوں عضووں کا جدا ہونا) فوری ہوگا۔ اور اگر مشدد ہوں گے جیسا کہ بِالْحَقِّ اور بِالْحَجِّ وغیرہ میں ہیں تو یہ انفکاک فوری نہ ہوگا، بلکہ کچھ دیر کے بعد ہوگا، ورنہ تشدید ادا نہ ہوگی۔ اور یہ قلقلہ حرکت کی حالت میں کم سکون کی حالت میں زیادہ اور وقف کی حالت میں اس سے بھی زیادہ ہوگا۔

صِفَتِ لِین

۱۳ ۳ لین: اسکے لغوی معنیٰ نرمی کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ اس کے

حرفوں یعنی واوٗ ساکن ماقبل مفتوح اور یاء ساکن ماقبل مفتوح کو ایسی نرمی سے ادا کیا جائے کہ اگر مد کرنا چاہیں تو کرسکیں۔ جیسے خَوْفٍ کا واوٗ اور وَالصَّيْفِ کی یاء۔ مگر ان میں مد صرف سکون ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور بس۔ اس لیے اگر ان کے بعد کوئی متحرک حرف ہو، خواہ وہ ہمزہ ہی کیوں نہ ہو، مد نہیں ہوتا۔ البتہ لین کی صفت اس حالت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل مد کی بحث میں آرہی ہے۔

صِفَتِ اِنْحِراف

۱۴ ④ انحراف: اسکے لغوی معنیٰ پھرنے اور مائل ہونے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا حافہ لسان سے نوکِ زبان کی طرف اور نوکِ زبان سے پُشتِ زُبان کی طرف مَیلان پایا جائے۔ چنانچہ لام میں تو حافہ سے نوک کی طرف، اور راء میں نوک سے پشت کی طرف آواز لَوٹ جاتی ہے۔ اسلئے خَیال نہ کرنے سے بعض دفعہ لام کی جگہ راء، اور راء کی جگہ لام ادا ہو جاتا ہے۔ خصوصاً بچوں سے یہ غلطی زیادہ ہوتی ہے۔

صِفَتِ تکریر

۱۵ ⑤ تکریر یا تکرار: بعض کتابوں میں اس کو مُشابہتِ تکرار کا نام بھی دیا گیا ہے۔ "تکریر" لغت میں ایک شئ کے بار بار لَوٹانے کو کہتے ہیں، تکرار کے بھی یہی معنیٰ ہیں۔ اور مشابہتِ تکرار کے معنیٰ ہیں: تکرار کی طرح ہونا۔

❁ اصطلاح میں تکرار سے مراد یہ ہے کہ ایک حرف کے بجائے کئی حرف ادا ہو جائیں۔

❁ اور مُشابہتِ تکرار سے اصطلاح میں یہ مراد ہے کہ یوں محسوس ہو کہ گویا حرف دوہرا ادا ہو رہا ہے، حالانکہ واقعہ میں وہ دوہرا ادا نہ ہو رہا ہو۔ یا یہ مراد ہے کہ حرف میں دُوہرا ادا ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔

اب غور سے سنو اور سمجھو!: "مُشابہتِ تکرار" تو صفتِ ادائی اور لازمی ہے جو راء میں ادا ہونی چاہیئے۔ اور "تکرارِ حقیقی" صفتِ احترازی ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور تکرارِ حقیقی سے بچنے کا طریقہ اساتذہ فن نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قاری کو چاہیئے کہ راء کے ادا کرتے وقت سرا زبان کو تالو کے ساتھ ایک بار مضبوطی سے اس طرح چمٹائے کہ لَرزنے نہ پائے، ورنہ اس میں حقیقی تکرار پیدا ہوکر ایک راء کے بجائے دو، اور دو کے بجائے چار ادا ہو جائیں گی۔ کیونکہ جتنی مرتبہ زبان لَرزے گی اتنی ہی راء پیدا ہوں گی۔ اور اگر سرا زبان تالو کیساتھ اچھی طرح لگنے نہ پائے گا تو اس صورت میں بجائے راء کے واوِ مُفخّمہ ادا ہو جائے گا۔ ہاں سِرا زبان کے تالو سے چِمٹانے میں اتنا مبالغہ بھی نہیں کرنا چاہیئے کہ ان دونوں کے درمیان آواز بند ہو جائے اور راء مثل طاء کے سخت اور قوی ادا ہو، ورنہ راء متوسطہ نہ رہے گی بلکہ شدیدہ ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں مُشابہتِ تکرار کی صِفت بھی فوت ہو جائے گی، حالانکہ وہ اَدائی ہے۔

پس جن کتابوں میں صفتِ تکریر کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد مشابہتِ تکرار ہی ہے نہ کہ حقیقی تکرار۔ اور جہاں اس صفت کے چھپانے یعنی اسکے ادا نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد تکرارِ حقیقی ہے۔ (چنانچہ خود جزری میں بھی دونوں ہی باتیں ہیں کہ باب الصفات میں تو راء کیلئے صفتِ تکریر کو ثابت کیا گیا ہے اور باب الراءات میں اس صفت کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے)۔ پس ان دونوں میں تضاد نہ سمجھا جائے بلکہ وہی توجیہ کی جائے گی جو اوپر بیان ہوئی۔ واللہ اعلم

تنبیہ: تکرارِ حقیقی کا احتمال سب سے زیادہ حالتِ تشدید میں ہوتا ہے۔ پھر اس سے کم سکون کی حالت میں۔ اور راء متحرکہ تو عموماً بلا اہتمام ہی صحیح ادا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سکون اور تشدید کی حالت میں تکرارِ حقیقی سے بچنے کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

صِفَتِ تَفَشِّی

١٦ ٦ تفشّی: لغت میں اسکے معنٰی انتشار اور پھیلنے کے آتے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ

معنیٰ ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت آواز اور ہوا منہ میں پھیل جائے جیسے مَنْفُوْش کی شین، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ زبان اندر کو سمٹ کر اس کی نوک اوپر کو اٹھنے نہ پائے، ورنہ شین پُر ہو جائیگا۔ صحیح طریقہ اس کے ادا کرنے کا یہ ہے کہ زبان کو سیدھا رکھ کر ادا کیا جائے، اس سے ان شاء اللہ شین خود بخود صحیح ادا ہو جائے گا۔

صِفَتِ غُنَّہ (آنی)

۱۷ ۷ غنہ: اس سے مراد ناک کی وہ گُنگُنی آواز ہے جو نون اور میم کے ادا ہوتے وقت ان میں ظاہر ہوتی ہے۔ پھر غنہ دو طرح کا ہوتا ہے:۔ ① غنہ آنی ② غنہ زمانی

❋ غنہ آنی تو وہ غنہ ہے جو نون اور میم میں ہر وقت پایا جاتا ہے۔ خواہ یہ ساکن ہوں یا متحرک۔ مشدد ہوں یا مخفف۔ مُظہَرہ ہوں یا مُخفَاۃ۔ کسی حالت میں بھی ان سے جدا نہیں ہوتا۔ اور اگر ناک کے سوراخ کے بند ہو جانے کی وجہ سے یہ صفت ادا نہ ہو تو یہ دونوں حرف بہت ہی ناقص ادا ہوتے ہیں۔ اور یہ غنہ ان دونوں حرفوں کی حرکت اور سکون کے ساتھ ہی ادا ہو جاتا ہے جو نہایت ہی تھوڑا اور لطیف ہوتا ہے، اور یہاں اسی کا بیان کرنا مقصود ہے۔

❋ اور غنہ زمانی وہ غنہ ہے جو نون اور میم کی صرف بعض حالتوں میں پایا جاتا ہے اور اسکی مقدار ایک الف کے برابر ہوتی ہے۔ (اسکا بیان ان شاء اللہ العزیز صفاتِ عارضہ کے ضمن میں آیگا)۔

صِفَتِ اِسْتِطَالَت

۱۸ ۸ استطالت: لغت میں اسکے معنیٰ درازی چاہنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنیٰ ہیں کہ اسکے حرف یعنی ضاد مُعْجَمَہ کے ادا ہوتے وقت شروعِ مخرج سے آخر مخرج تک آواز بتدریج نکلنی چاہیئے، یعنی نا جذمع کنارۂ زبان سے آواز شروع ہو کر تدریجاً ضواحک تک اس طرح پہنچے کہ آواز میں درازی سی ہو اور ظاء کی آواز کی طرح دَفْعَۃً نہ نکلے، ورنہ ضاد صحیح ادا نہ ہوگا اور ظاء کے

ساتھ مُلتبس ہو جائے گا، کیونکہ استطالت ہی ایک ایسی صفت ہے جو ضاد و ظاء میں مُمیّز ہے، اور باقی تمام صفات میں یہ دونوں شریک ہیں۔ چنانچہ دونوں مجہورہ ہیں، دونوں رخوہ ہیں۔ اسی طرح استعلاء، اطباق اور اصمات میں بھی دونوں شریک ہیں، البتہ ضاد میں استطالت ہے جو ظاء میں نہیں ہے۔ پس مخرج و نیز صفتِ استطالت کی وجہ سے ضاد کو ظاء سے ممتاز کر کے پڑھنا چاہیئے، مگر چونکہ صفاتِ لازمہ متضادّہ میں یہ دونوں کلیتہً شریک ہیں اس لیے ان دونوں کی آواز میں مشابہت بہت زیادہ ہے۔ اور اسی لیے ان دونوں میں فرق کرنا نہایت مشکل اور ماہر مشّاق ہی کا کام ہے۔

تنبیہ ضاد: یوں تو سب حرفوں کی ادائیگی سیکھنے سے ہی آتی ہے مگر حرفِ ضاد کی صحیح ادا سیکھنے کیلئے اور حرفوں کی بہ نسبت زیادہ مشق اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے:۔ ایک تو اس لیے کہ اس کا مخرج سب مخرجوں سے لمبا ہے کہ اس میں پانچ داڑھیں استعمال ہوتی ہیں۔ دوسرے اسلئے کہ وہ ایک طرف میں واقع ہے اور اس جگہ سے اسکے سوا کوئی اور حرف نہیں نکلتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ضاد کو دال و زاء اور ذال کیساتھ کوئی علاقہ ہی نہیں، اسلئے کہ دال "ضاد" کیساتھ بجُز صفتِ جہر کے اور کسی صفت میں شریک نہیں، کیونکہ "دال" شدیدہ، مستفلہ، منفتحہ ہے۔ اور "ضاد" رخوہ، مستعلیہ، مطبقہ، پھر دال میں صفتِ قلقلہ بھی ہے اور ضاد میں یہ صفت نہیں۔ نیز یہ کہ ضاد میں صفتِ استطالت ہے جو دال میں نہیں۔ اور گو دونوں اصمات میں بھی شریک ہیں، مگر اصمات و اذلاق کا تعلق ادا کے ساتھ کوئی ایسا زیادہ نہیں، جیسا کہ شرح جزریہ (صفحہ:۱۰۹) میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسی طرح ذال بھی ضاد کے ساتھ صرف جہر اور رخاوت ہی میں شریک ہے اور زاء کا بھی یہی حال ہے، نیز زاء میں صفیر بھی ہے جو ضاد میں نہیں۔

نتیجہ: یہ کہ ضاد کو مُشابہت صرف اور صرف ظاء ہی کیساتھ ہے اور کسی حرف کیساتھ نہیں۔ رہا مخرج؟ تو وہ اگر ضاد و ظاء کا الگ الگ ہے، تو ضاد و دال کا، ایسے ہی ضاد و ذال اور ضاد و زاء کا بھی الگ الگ ہی ہے۔ رہا دالِ پُر؟ سو وہ تو سرے سے کوئی حرف ہی نہیں۔

ہاں!... یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ضاد وظاء میں اگرچہ مشابہت بہت زیادہ ہے مگر پھر بھی یہ دونوں ایک حرف نہیں بلکہ دو حرف ہیں۔ اس لیے کہ مُشابہت کو مُغایرت لازم ہے۔ خلاصہ یہ کہ ضاد کو ظاء کی طرح ادا تو پُر اور نرم ادا کرنا چاہیئے، مگر اس کے اپنے ہی مخرج یعنی حافۂ لسان اور اَضراسِ عُلیا کی جڑوں سے مع رِعایتِ صفتِ استطالت کے۔

تنبیہ استطالت: "استطالت" کا یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ اس کی وجہ سے حرفِ ضاد کی ادائیگی میں آواز کو گھُمانا اور اس کو دیر تک مخرج میں چکر دینا چاہیئے، جیسا کہ بعض ناواقفوں نے اس کا یہی مطلب سمجھ لیا ہے۔ استطالت کا مطلب صرف یہ ہے کہ ضاد کا مخرج چونکہ تمام مخرجوں سے زیادہ طویل ہے، اور مخرج کے طویل ہونے کی وجہ سے آواز میں کچھ دَرازی سی پائی جاتی ہے، اور اسی درازی سے ضاد اور ظاء میں امتیاز ہوتا ہے، اس لیے کہ ظاء میں یہ دَرازی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم (ملخصاً از تحفہ نذریہ)

فائدہ: ضاد کو ظاء اور دال سے الگ رکھنے اور اس کے صحیح ادا کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ نوکِ زبان کو ظاء اور دال کے مخرجوں سے جدا رکھ کر حافہ لسان کو داڑھوں سے لگاتے ہوئے صفتِ استطالت ادا کریں، اور بوجہ صفتِ اطباق بیچ زبان کو تالو سے مُنطَبِق رکھیں۔ اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ ضاد صحیح ادا ہو جائے گا۔ (تنویر المراۃ)

الحمدللہ! یہاں پہنچ کر صفاتِ لازمہ کی معنوی تشریح ختم ہوئی۔ اب تتمہ کے زیرِعنوان ایک خاص مضمون درج کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ اس سے طلباء کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

تتمہ

علمِ تجوید میں بصیرت اور معرفتِ کاملہ

مخارج اور صفاتِ لازمہ پر پھر ایک نظر

099 **سوال** حرفوں کے مخارج، ان کی صفاتِ لازمہ اور ان صفات کے معنیٰ، یہ تینوں چیزیں تو ہمیں اللہ کے فضل وکرم سے معلوم ہوگئی ہیں، اب اس عنوان کے تحت کون سا مسئلہ بیان کیا جارہا ہے؟

جواب اس عنوان کے ضمن میں مخارج و صفاتِ لازمہ سے متعلق ایک بہت ہی اہم اور انتہائی مفید مضمون بیان کیا گیا ہے۔ کہ پہلے تو تجوید کے ان ہر دو اجزاء کی روشنی میں حرف کے باعتبارِ ذات وصفات کے کامل، یا ناقص ادا ہونے کو سمجھایا گیا ہے۔ پھر حرفوں کی آوازوں کے باہم مختلف ہونے اور ایک حرف کی آواز سے دوسرے حرف کی آواز میں تمایُز کا مطلب اور اس کی وجہ بیان کی گئی ہیں۔ پھر اسکے بعد یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ قرآن مجید کے حروف وکلمات کو خالص اور فصیح عربی، یا بَالفاظِ اِصطلاحی تجوید کے موافق ادا کرنے کیلئے مخارج و صفاتِ لازمہ کا اہتمام کرنا کیوں ضروری ہے، اور حرفوں کا صحیح ادا ہونا ان پر کیوں موقوف ہے۔ اگر تم نے اس مضمون کو پورے غور سے پڑھا اور سمجھ بھی لیا، تو اُمیّد ہے کہ اس سے ان شاء اللہ العزیز تمہیں علمِ تجوید میں بصیرت اور اس کی پوری معرفت حاصل ہو جائے گی۔

100 **سوال** حرف کے باعتبارِ ذات وصفات کے کامل یا ناقص ادا ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو کہ حرفوں کو صحیح اور تجوید کے موافق ادا کرنے کے لیے دو باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے:۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کا ہر حرف اُسی جگہ سے ادا ہو جو جگہ اس کے ادا ہونے کیلئے مقرر ہے، اور ائمہ فن نے بیان فرمائی ہے۔ دوسری یہ کہ اُسی انداز اور اُسی کیفیت کے ساتھ ادا ہو جس طرح کہ اہلِ ادا کے نزدیک اس کا ادا ہونا معتبر اور صحیح ہے۔ پس ہر حرف کی

صحیح ادائیگی کیلئے دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے:۔

- ایک تو یہ کہ اس کی ذات میں کوئی کمی بیشی نہ ہونے پائے۔
- دوسری یہ کہ اس کی صفات میں کوئی تغیر نہ ہو۔

اس لیئے علماء فن نے مخارج کو حروف کے لیے بمنزلہ میزان (یعنی ترازو) کے، اور صفات کو بمنزلہ محک (یعنی کسوٹی) کے قرار دیا ہے۔ کہ مخارج سے تو حرفوں کی کمیّت معلوم ہوتی ہے اور صفات کے ذریعہ حرفوں کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی مخرج سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حرف کتنا ہے، اور صفت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ حرف کس طرح کا ہے، آیا کھرا ہے، یا کھوٹا۔

یا یوں سمجھو کہ مخرج سے تو حرف کی ذات کی تعیین ہوتی ہے، کہ اگر اس میں کچھ کمی ہو جائے تو حرف باعتبارِ ذات کے ناقص سمجھا جاتا ہے۔ اور صفات کے ذریعہ حرف کی کیفیت متعین ہو جاتی ہے، کہ ان کے ادا نہ ہونے سے حرف باعتبارِ کیفیت کے ناقص ادا ہوتا ہے۔ یعنی وہ عمدگی اور صحت جو اس کیلئے ضروری ہے، باقی نہیں رہتی۔ اور کمالِ حرف یہی ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات دونوں ہی کے اعتبار سے کامل ادا ہو۔ اب ہم ایک مثال سے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں، اس کو اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش کرو۔

مثلاً ضاد ہی کو لے لو: اس کا مخرج تم پڑھ چکے ہو کہ ناجذ سے ضاحک تک ہے۔ اس کی صفاتِ لازمہ: جہر، رخاوت، استعلاء اور اطباق وغیرہ ہیں، تو اب اگر ضاد کو صفتِ استعلاء اور اطباق کی وجہ سے خوب پُر، اور رخاوت کی وجہ سے نرم تو ادا کیا گیا، اور جہر کی وجہ سے اس کی آواز بلند بھی ہوئی، لیکن اسکی ادائیگی میں حافہ لسان کو ناجذ سے ضاحک تک لگانے کے بجائے صرف ناجذ اور طواحن کیساتھ، یا صرف طواحن اور ضاحک کیساتھ، یا ضاحک اور ناب کیساتھ لگایا جائیگا تو ایسی صورت میں کہا جائیگا کہ ضاد اپنی صفات کے اعتبار سے تو صحیح ادا ہوا ہے، لیکن ذات (یعنی مخرج) کے اعتبار سے غلط اور ناقص ہے۔ یہ تو ہوا حرف کا باعتبارِ ذات کے ناقص ادا ہونا۔

اور صفات کے اعتبار سے حرف کے ناقص ادا ہونے کو یوں سمجھو کہ ضاد کو مخرج کے اعتبار

سے تو کامل ادا کیا گیا، یعنی اس کی ادائیگی میں حافہ لسان کو ناجذ سے ضاحک تک لگایا گیا، لیکن اس کو خوب پُر یا نرم ادا نہ کیا گیا، یا اس کی آواز میں بلندی نہ پائی گئی بلکہ کچھ باریک یا سخت ادا ہوا، یا اس کی آواز میں پستی ہوئی، تو کہا جائیگا کہ ضاد اپنی ذات کے اعتبار سے تو کامل اور صحیح ادا ہوا ہے لیکن صفات کے اعتبار سے یہ ناقص ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس میں صفتِ اطباق، یا رخاوت، یا جہر ادا ہونے سے رہ جائیگی، پھر جس حرف میں جتنی صفات ادا ہونے سے رہ جائیں گی اتنا ہی وہ حرف زیادہ ناقص ادا ہوگا۔ اور اب حرفوں میں تمایُز کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔

تمایُز بَیْنَ الْحُرُوف

101 **سوال** حروف میں تمایز کا کیا مطلب ہے۔ اور اس کی کتنی وجوہ ہیں؟

جواب یہ جو تم دیکھتے ہو کہ الف سے یاء تک کے تمام حرفوں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ہر حرف کی آواز دوسرے حرف کی آواز سے جدا اور مختلف ہے، اور کوئی بھی دو حرف ایسے نہیں کہ جن کی آواز بالکل ایک ہو، بس اسی کو یعنی حرفوں کی آوازوں کے جدا ہونے اور ایک حرف کی آواز کے دوسرے حرف کی آواز سے مختلف ہونے کو ہی "تمایز بین الحروف" کہتے ہیں۔ اور اس کی تین وجوہ ہیں، کیونکہ ایک حرف دوسرے حرف سے:۔ یا تو مخرج سے ممتاز ہوتا ہے یا صفات سے یا مخرج اور صفات دونوں ہی کی وجہ سے! چنانچہ ایسے کوئی بھی دو حرف نہیں ہیں کہ جو مخرج اور تمام صفاتِ لازمہ میں متحد ہوں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو وہ دو حرف نہ ہوں گے، بلکہ حرفِ مکرّر ہوگا (یعنی ایک ہی حرف دو بار ادا ہوگا)۔ جیسے دو باء، دو تاء اور دو ثاء وغیرہ۔ اور اب ہم دو حرفوں میں تمایز یعنی ان تین وجوہ میں سے کسی ایک کی بِناء پر ایک حرف کے دوسرے حرف سے جدا ہونے کو تین مثالوں سے سمجھاتے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) جیم ودال: یہ دونوں تمام صفاتِ لازمہ کے اعتبار سے تو بالکل ایک ہی ہیں لیکن مخرج کے اعتبار سے ایک نہیں ہیں، پس ان میں تمایُز بِالْمَخرج (یعنی مخرج کے سبب سے جدائی) ہے۔

④ ظاء، ذال اور ثاء: یہ تینوں مخرج کے اعتبار سے تو ایک ہی ہیں لیکن تمام صفاتِ لازمہ میں کلیتہً شریک نہیں ہیں، چنانچہ ظاء تو مستعلیہ مطبقہ ہے اور ذال وثاء مستفلہ منفتحہ، پھر ذال اور ظاء تو مجہورہ ہیں اور ثاء مہموسہ ہے، البتہ یہ تینوں صفتِ رخاوت میں شریک ہیں۔ پس ان میں تَمایُز بِالصِّفَت (یعنی بعض صفاتِ لازمہ کی وجہ سے جدائی) ہے۔

⑤ قاف وکاف: ان دونوں کا مخرج بھی الگ الگ ہے، اور بعض صفات میں بھی یہ دونوں شریک نہیں ہیں۔ چنانچہ قاف تو مجہورہ مستعلیہ ہے اور کاف مہموسہ مستفلہ، پھر قاف میں صفتِ قلقلہ بھی ہے اور کاف میں یہ صفت نہیں ہے۔

❋ پس جیم ودال یہ دونوں کیفیت کے اعتبار سے تو بالکل ایک ہی طرح ادا ہوں گے، کیونکہ دونوں تمام صفاتِ لازمہ میں کلیتہً شریک ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں استفال کی وجہ سے بالکل باریک اور شدت کی وجہ سے قوی اور سخت ادا ہوں گے۔ اور جہر کی وجہ سے ان دونوں کی آواز میں کچھ بلندی ہوگی۔ اور قلقلہ کی وجہ سے مخرج میں کچھ جنبش سی ہوگی، جس کا احساس سکون کی حالت میں زیادہ اور واضح ہوگا۔ اور ان دونوں کی آواز میں باوجود تمام صفات میں شریک ہونے کے جو فرق ہے وہ مخرج ہی کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے ہے۔

❋ ظاء، ذال اور ثاء کا چونکہ مخرج تو ایک ہی ہے اس لیے ان کی آواز میں مخرج کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہ ہوگا، مگر چونکہ بعض صفات کے اعتبار سے یہ تینوں ایک نہیں ہیں اس لیے کیفیت کے اعتبار سے یہ تینوں ایک نہ ہوں گے، پس ظاء میں چونکہ استعلاء اور اطباق ہے، اس لیے یہ خوب پُر ادا ہوگا۔ اور ذال وثاء چونکہ مستفلہ منفتحہ ہیں، اس لیے یہ دونوں خوب باریک ادا ہوں گے۔ پھر ظاء وذال میں چونکہ صفتِ جہر ہے اس لیے ان کی آواز بہ نسبت ثاء کے بلند ہوگی اور ثاء کے مہموسہ ہونے کی وجہ سے اس کی آواز میں پستی ہوگی، نیز ثاء میں ہمس کی وجہ سے سانس کے جاری رہنے کے باعث ایک خاص قسم کی لطافت اور نرمی ہوگی جو ظاء وذال میں نہ ہوگی، اور چونکہ یہ تینوں صفتِ رخاوت میں شریک ہیں، اس لیے نرمی اور آواز کے جاری

رہنے میں یہ تینوں یکساں ہوں گے۔

❋ قاف و کاف میں چونکہ مخرج اور صفات دونوں ہی کی رُو سے تمایز ہے، اسلئے قاف تو بوجہ استعلاء کے پُر ادا ہوگا اور کاف بوجہ استفال کے باریک۔ پھر قاف کی آواز میں بوجہ جہر کے کچھ بلندی ہوگی اور کاف کی آواز میں ہمس کی وجہ سے پستی۔ پھر قاف میں صفتِ قلقلہ کے ہونے اور کاف میں نہ ہونے کی وجہ سے بھی فرق ہوگا، اور چونکہ دونوں شدت میں شریک ہیں اسلئے دونوں قوی ادا ہوں گے، گو قاف میں جہر اور کاف میں ہمس کی وجہ سے ان کی قوت میں فرق ہوگا، اور ان دونوں میں مخرج کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے بھی فرق ہوگا کہ قاف کی آواز تو زبان کی جڑ کے اُس حصہ سے نکلے گی جو حلق سے متصل ہے اور کاف کی آواز اس سے کچھ نیچے کے حصہ سے نکلے گی جو منہ کی طرف ہے۔

چنانچہ اسی طرح تمام حرفوں میں غور کر کے ان کے ایک دوسرے سے، مخرج، یا صفت، یا مخرج اور صفت، دونوں ہی کی رو سے ممتاز اور جدا ہونے کے فرق کو سمجھنے کی خوب مشق کرلو۔

102 **سوال** حرف کے باعتبارِ ذات وصفات کے کامل یا ناقص ادا ہونے اور حرفوں کی آوازوں کے باہم مختلف ہونے کی وجوہ تو ہم سمجھ گئے ہیں، اب یہ بھی سمجھا دیجئے کہ قرآن مجید کے حروف وکلمات کو خالص اور فصیح عربی کے موافق ادا کرنے کے لیے مخارج وصفات کا اہتمام کرنا کیوں ضروری ہے اور حرفوں کا صحیح ادا ہونا ان پر کیوں موقوف ہے؟

جواب جب یہ دونوں باتیں تم سمجھ گئے ہو، تو اب تیسری بات کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ ان دونوں باتوں کے ملانے سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہر حرف ذات وصفات کے لحاظ سے کامل اور خالص فصیح عربی زبان کے موافق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھا جائے، ورنہ اگر ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جانے سے رہ گئی تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی:۔

۱ یا تو ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے گا۔

۲ یا انتہائی ناقص ادا ہوگا۔

مثلاً اگر ایک شخص جیم کی صفات تو تمام ادا کرتا ہے، لیکن وسطِ زبان کو تالو سے لگانے کی بجائے اُس کی نوک کو ثنایا علیا کی جڑوں سے لگا دیتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں جیم ادا نہیں ہوگی بلکہ دال ادا ہوگی۔ اور مثلاً اگر ایک شخص طاء میں استعلاء و اطباق ادا نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ یہ تاء سے بدل جائیگا۔ ایسے ہی ظاء و صاد میں بھی اگر یہ دونوں صفتیں ادا نہیں کی جائیں گی تو یہ ذال و سین سے بدل جائیں گی۔ یہ تو مثالیں ہوئیں ایک حرف کے دوسرے حرف سے بدل جانے کی۔

رہا حرف کا ناقص ادا ہونا؟ تو بلحاظِ ذات "ناقص" ادا ہونے کی بہت ہی واضح مثال تو وہی ضاد ہی کی ہے جو اوپر درج ہو چکی ہے، کیونکہ اس کا مخرج طویل ہے اور زبان کے بغلی کنارے کا پانچوں ڈاڑھوں سے لگانا خاصا مشکل ہے، اس لیے اکثر لوگوں سے یہ بلحاظِ ذات ناقص ادا ہوتا ہے اور علماء فن کی تصریح کے موافق بہت کم لوگ اس کو اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں۔

رہے باقی حروف؟ سو ان کے مخارج چونکہ قصیر ہیں کہ صرف دو دو دانت ہی ہیں، اس لیے وہ عام طور پر مخرج اور ذات کے لحاظ سے کامل ہی ادا ہوتے ہیں۔

رہا بلحاظِ صفات ناقص ادا ہونا؟ سو اس کی مثالیں بہت ہیں۔ چنانچہ اگر طاء، ظاء، صاد میں اطباق۔ غین، قاف، خاء میں استعلاء۔ اور سین، صاد، زاء میں صفیر ادا نہ کی گئیں تو یہ حروف دوسرے حرفوں سے بدلیں گے تو نہیں لیکن ناقص ضرور ادا ہوں گے، اس لیے کہ یہ صفات ان کے لیے لازم ہیں۔

نتیجہ یہ کہ مخارج وصفات کا اہتمام کرنے سے ایک تو حرف ذات وصفات کے لحاظ سے کامل ادا ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اہلِ عجم کا تلفظ اُن خالص عربوں کے تلفظ کے موافق ہو جاتا ہے جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ اور یہی مقصود ہے تجوید سے!

پس حق تعالیٰ شانہٗ فن کے ائمہ کرام کو ہماری طرف سے بہت بہت جزائے خیر عطاء فرمائے کہ اُن کی اَنتھک کوششوں اور محنتوں کی بَدولَت ہم عجمی بھی قرآن مجید کے حروف کو صحیح ادا کرنے پر

قادر ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہم جیسوں کے بھلا یہ نصیب کہاں کہ قرآن مجید کو اس کے اُس تلفظ اور اُس ادا کے موافق پڑھ سکیں جس طرح اس کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اور اس کے ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیوں کے ملنے کا صحیح حدیث میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی قسم کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

الحمدللہ کہ یہاں پہنچ کر مخارج اور صفاتِ لازمہ سے متعلق بحث ختم ہوئی۔ اب اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے دوسرے باب سے صفاتِ عارضہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ چونکہ مخارج اور صفاتِ لازمہ کی وجہ سے جو غلطی ہوتی ہے وہ لحنِ جلی میں داخل ہے اور صفاتِ عارضہ کی غلطی لحنِ خفی میں، اس لیے فن کی کتابوں میں صفاتِ عارضہ کے بیان کو مخارج اور صفاتِ لازمہ کے بعد رکھا جاتا ہے۔ اور مناسب بھی یہی ہے کہ پہلے مخارج اور صفاتِ لازمہ کی خوب مشق کر لی جائے اور پھر صفاتِ عارضہ کی مشق کی جائے۔

تنبیہ: اکثر لوگ مخارج اور صفاتِ لازمہ کا اہتمام تو کرتے نہیں اور صفاتِ مُحَسِّنہ عارضہ کے اِلتزام کو ضروری سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ صفاتِ عارضہ کی رعایت سے لہجہ اچھا بن جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں بعض صفات ایسی ہیں جن کی وجہ سے آواز میں تَرَنُّم پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ غنہ اور مد وغیرہ بخلاف صفاتِ لازمہ کے۔ کہ وہ چونکہ حروف کی ذات کیساتھ ہی ادا ہو جاتی ہیں اس لیے ان کو تَرَنُّم میں دخل نہیں، لیکن تجوید اور ادا میں جو مرتبہ اور حیثیت مخارج اور صفاتِ لازمہ کی ہے وہ صفاتِ عارضہ کی نہیں۔ اور اصل مقصود تجوید ہی ہے!

پھر یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ حرفوں کی صحیح ادائیگی پر قدرت صرف کتابوں کے دیکھ لینے سے ہی حاصل نہیں ہو جاتی، ہاں کتابوں سے علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اصل مدار اس فن کا استادِ کامل سے سننے اور اسکے موافق ادا کرنے کی مشق پر ہی ہے۔ پس کتابوں سے تو علم حاصل ہوگا اور استاد عمل کرنا بتائے گا۔

باب دوم

صفات کی دوسری قسم (یا تجوید کا تیسرا جُز) یعنی صفاتِ عارِضہ

اس باب میں ایک تمہید، دس فصلیں اور ایک تتمہ ہے۔ تمہید میں صفاتِ عارضہ کی تعریف اور ان کی اقسام فِصلوں میں ان صفات کی وضاحت اور ان سے متعلق احکام ومسائل۔ تتمہ میں لحن یعنی قرآن مجید کو تجوید کے خلاف اور غلَط پڑھنے کی صورتیں بیان کر کے ان کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

تمہید: صفاتِ عارِضہ

103 **سوال** صفاتِ عارضہ کن صفات کو کہتے ہیں۔ اور ان کو عارضہ کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب صفاتِ عارضہ حرفوں کی وہ صفات ہیں جو کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں اور ان کو عارضہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ عارض اسی شئ کو کہتے ہیں جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ صفاتِ عارضہ کی پوری تعریف بابِ اوّل کی فصلِ سوم (صفحہ: ۷۰) میں صفاتِ لازمہ کی تعریف کے ساتھ گزر چکی ہے، وہاں پھر دیکھ لو۔

104 **سوال** صفاتِ عارضہ کیا کیا ہیں؟

جواب صفاتِ عارضہ یہ ہیں:۔

۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
اِدغام	صِلہ	مَد	سُکون	حَرَکت	ترقیق	تَفخیم
۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸
تحریک	حَذَف	اِبدال	تسہیل	غنہ (زمانی)[1]	اِخفاء	اِقلاب

[1] اس لیے کہ غنہ آنی صفتِ لازمہ ہے، جیسا کہ (صفحہ: ۹۵ پر) گزرا۔ ۱۲

تنبیہ: ادغام واخفاء کیساتھ اظہار کا، مد کے ساتھ قصر کا اور تسہیل وابدال کیساتھ تحقیق کا ذکر بھی آئیگا، لیکن یہ تینوں (یعنی اظہار، تحقیق اور قصر) صفاتِ عارضہ نہیں ہیں، بلکہ یہ حرفوں کی اصلی حالتیں ہیں۔ اور صفَتِ عارِضہ حرف کی عارِضی حالت کو کہتے ہیں۔

عارض بالصّفت اور عارض بالحرف

105 **سوال** صفاتِ عارضہ کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب دو قسمیں ہیں:۔

۱	۲
عارض بالصّفت	عارض بالحرف

106 **سوال** عارض بالصّفت کون کونسی ہیں۔ اور عارض بالحرف کون کونسی؟

جواب تفخیم وترقیق یہ دو تو عارض بالصّفت ہیں۔ اور باقی تمام عارض بالحرف۔

107 **سوال** ان کو عارض بالصّفت اور عارض بالحرف کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب عارض بالصّفت کا مطلب ہے "وہ صفتِ عارضہ جو کسی صفتِ لازمہ کی وجہ سے پیدا ہو"۔ اور عارض بالحرف کا مطلب ہے "وہ صفتِ عارضہ جو کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہو"۔

عارض بالصفت: تم اوپر صفاتِ لازمہ کی بحث میں پڑھ چکے ہو کہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے سات حرفوں کے علاوہ باقی بائیس حروف باریک پڑھے جاتے ہیں۔ اب یہاں یہ سمجھو کہ ان بائیس میں سے لام، راء اور الف، یہ تین حرف ایسے ہیں جو ہمیشہ باریک نہیں پڑھے جاتے، بلکہ بعض حالتوں میں باریک پڑھے جاتے ہیں، اور بعض حالتوں میں پُر۔ جن حالتوں میں باریک پڑھے جاتے ہیں ان کے بارے میں تو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ یہ مستفلہ ہیں، اور حروفِ مستفلہ باریک ہی ادا ہوتے ہیں۔ البتہ جن حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حالتوں میں ان میں صفتِ استعلاء عارض ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے یہ پُر

ہو جاتے ہیں۔ پس ان تین حرفوں کی تفخیم صفتِ عارضہ ہے، کیونکہ یہ صفتِ لازمہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ رہی ان کی ترقیق؟ سو وہ اگرچہ مستفلہ ہونے کی وجہ سے توان کو لازم ہے، لیکن بعض حالتوں میں استعلاء کے عارض ہو جانے کی وجہ سے یہ بھی ہمیشہ نہیں رہتی، اس لیے تفخیم کے ساتھ ان کی ترقیق کو بھی طبعاً صفتِ عارضہ کہہ دیتے ہیں۔ بلکہ راء میں چونکہ تفخیم زیادہ اور ترقیق کم ہے، اس لیے بعض حضرات نے اس میں تفخیم ہی کو اصل قرار دے دیا ہے[1]۔ یہ وضاحت تو ہوئی عارض بالصّفت کی۔

عارض بالحرف: رہی عارض بالحرف؟ سو جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ صفتِ عارضہ ہے جو کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہو، جیسے نون ساکن وتنوین کا ادغام، یا اقلاب، یا اخفاء، یا جیسے حروفِ مدہ میں مدفرعی، وغیرہ وغیرہ کیونکہ نون ساکن وتنوین کا ادغام حروفِ یَرْمَلُوْنَ کے ساتھ ملنے سے اقلاب باء کے ملنے سے اخفاء بعض دوسرے حرفوں کے ملنے سے اور حروفِ مدہ میں مدفرعی "ہمزہ وغیرہ" کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اور اگر ان پر وقف یا سکتہ کیا جائے تو ادغام، اقلاب، اخفاء اور مد کی صفات نہ پائی جائیں گی، بلکہ ایسی صورت میں حرف اپنی اصلی حالت پر یعنی مخرج اور صرف صفاتِ لازمہ کیساتھ ہی ادا ہوگا، مثلاً قَالُوْٓا اٰمَنَّا میں قَالُوْا پر، اور سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ میں سَمِيْعٌ پر وقف کیا جائے، یا مثلاً مَنْ رَاقٍ (سورۂ قیامہ) میں مَنْ پر، اور عِوَجًا قَيِّمًا (شروع سورۂ کہف) میں عِوَجًا پر وقف یا سکتہ کیا جائے، تو پھر نہ مد کی صفت ادا ہوگی اور نہ ادغام واقلاب اور اخفاء کی۔

پس تفخیم وترقیق یہ تو عارض بالصّفت ہوئیں۔ اور مد، ادغام اور اقلاب وغیرہ عارض بالحرف، خوب سمجھ لو! اور چونکہ عارض بالصّفت کم ہیں، اسلئے پہلے انہی کو بیان کیا جاتا ہے۔

[1] دیکھو شاطبیہ بَابُ الرَّاءَاتِ کا آخری شعر۔ (شعر:۳۵۸)

فصل اوّل

عارض بِالصِّفَت یعنی تفخیم وترقیق کے بیان میں

سوال تفخیم وترقیق کے معنیٰ، اوران کی حقیقت کیا ہے؟ 108

جواب تفخیم کے معنیٰ پُر پڑھنے کے ہیں۔ اوراس کی حقیقت یہ ہے کہ حرف کواس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی آواز سے منہ بھر جائے اور آواز قوی ہو۔

ترقیق کے معنیٰ ہیں: باریک پڑھنا۔ یعنی حرف کو اس طرح ادا کرنا کہ اس کی آواز سے منہ نہ بھرے اور وہ پُر حرف کے مقابلہ میں نحیف اور کمزور ہو۔

رہی صحیح ادائیگی؟ سو وہ اُستاذِ مشّاق سے سننے اور اس کے موافق ادا کرنے کی مشق سے ہی آسکتی ہے!

شبہ مُستعلیہ

سوال لام، راء اور الف، یہ تین حرف باوجود مستفلہ ہونے کے جو بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں تو اس وجہ سے ان کو کیا کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کی اور حروفِ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کی تفخیم میں کیا فرق ہے؟ 109

جواب اس وجہ کی بناء پر یہ تینوں شبہ مستعلیہ کہلاتے ہیں۔ نیز:۔

✲ ان کی اور حروفِ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کی تفخیم میں یہ فرق ہے کہ حروفِ مستعلیہ کی تفخیم دائمی اور مستقل ہوتی ہے (یعنی یہ ہمیشہ اور ہر حال میں پُر پڑھے جاتے ہیں)۔ اور ان میں سے کوئی حرف بھی ایسا نہیں جو کسی حالت میں بھی مُرقّق (یعنی باریک) پڑھا جاتا ہو، عام اس سے کہ یہ مفتوح ہوں یا مضموم، مکسور ہوں یا ساکن، اس لیے کہ ان کیلئے استعلاء لازم ہے، جو ان سے

کبھی جدا نہیں ہوتی [1]

❊ اور شبہ مستعلیہ یعنی لام، راء اور الف، ان تین حرفوں کی تفخیم عارضی اور غیر مستقل ہے یعنی یہ ہر حال میں پُر نہیں پڑھے جاتے۔ بلکہ بعض حالتوں میں پُر اور بعض حالتوں میں باریک پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے اور اسی لیے ان کو شبہ مستعلیہ کہا جاتا ہے۔

بس اب ہم ان تینوں حرفوں کے متعلق ایک ایک کر کے یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کن حالتوں میں پُر پڑھا جاتا ہے اور کن حالتوں میں باریک۔ تم ان کے قواعد کو خوب ذہن نشین کر لو اور تلاوت کے وقت ان کو عمل میں لاؤ!

لام کی تفخیم وترقیق

110 **سوال** لام کس حالت میں پُر پڑھا جاتا ہے۔ اور کس حالت میں باریک؟

جواب لفظ اَللّٰہُ اور اَللّٰھُمَّ کا لام جب کہ اس سے پہلے والے حرف پر فتحہ (یعنی زبر)، یا ضمہ (یعنی پیش) ہو تو یہ پُر پڑھا جاتا ہے۔ جیسے هُوَ اللّٰهُ، عَبْدُ اللّٰهِ، مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ، قَالُوا اللّٰهُمَّ وغیرہ۔

اور جب اس سے پہلے والے حرف پر کسرہ (یعنی زیر) ہو جیسے لِلّٰهِ، بِاللّٰهِ، بِسْمِ اللّٰهِ اور قُلِ اللّٰهُمَّ وغیرہ تو یہ لام باریک پڑھا جاتا ہے۔

تنبیہ: لفظ اَللّٰہُ اور اَللّٰھُمَّ کے لام کے سوا اور کوئی لام روایتِ حفص رحمہ اللہ میں کسی حالت میں بھی پُر نہیں پڑھا جاتا۔ خواہ اس سے پہلے زبر یا پیش ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے مَاوَلّٰىهُمْ اور كُلَّهٗ کا لام۔

111 **سوال** کیا لفظ اَللّٰہُ اور اَللّٰھُمَّ کے دونوں ہی لام پُر پڑھے جائیں گے، یا پہلا

[1] البتہ تفخیم میں مراتب ہیں، جس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

باریک اور دوسرا پُر۔ کیونکہ بعض لوگ پہلے لام کو باریک اور دوسرے کو پُر ادا کرتے ہیں، اس بارہ میں تحقیق کیا ہے؟

جواب دونوں ہی لام پُر پڑھے جائیں گے۔ پہلے لام کو جو ساکن ہے باریک، اور دوسرے کو جو متحرک ہے، پُر پڑھنا بالکل غلط اور بے اصل ہے۔ فن کی معتبر کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے، مُحقِّق اَساتِذہ کا بھی یہی ارشاد ہے اور ان کا عمل بھی اسی پر ہے۔ وجہ اسکی تم ان شاء اللہ ادغام کے بیان میں پڑھ لو گے۔

راء کی تفخیم وترقیق

سوال راء کتنی صورتوں میں پُر پڑھی جاتی ہے۔ اور کتنی صورتوں میں باریک؟ 112

جواب چھ صورتوں میں تو پُر پڑھی جاتی ہے، پانچ صورتوں میں باریک اور دو صورتوں میں خُلف یعنی دونوں وجوہ جائز ہیں۔ تفصیل اس کی ابھی آتی ہے۔

تفخیمِ راء کی چھ صورتیں

سوال وہ چھ صورتیں جن میں راء پُر پڑھی جاتی ہے، کون کونسی ہیں؟ 113

جواب وہ یہ ہیں:-

1 راء پر جب زبر یا پیش ہو، مشدد ہو خواہ مخفف، جیسے رَعْدٌ، رُزِقُوْا، ذُوْمِرَّةٍ، فَفِـرُّوْا۔

2 راء ساکن ہو اور اس سے پہلے والے حرف پر زبر یا پیش ہو، جیسے تَرْزُقُ، بَرْقٌ، يُرْزَقُوْنَ، اُرْسِلُوْا، فَلَا تَقْهَرْ اور وَانْظُـرْ وغیرہ۔ خواہ یہ سکون لازمی ہو جیسا کہ ان مثالوں میں ہے۔ اور خواہ عارضی ہو جیسے لِلْبَشَرِ اور بِالنُّذُرِ وغیرہ بحالتِ وقف۔ کیونکہ اصل اور وصل میں ان دونوں کی راء متحرک ہے۔

۳ راء ساکن سے پہلے والے حرف پر کسرۂ عارضی ہو[۱]، جیسے اِرْجِعُوْا، اِرْجِعِیْ، اِرْحَمْهُمَا وغیرہ۔

۴ راء ساکن سے پہلے کسرۂ منفصل ہو جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ اور اَلَّذِیْ ارْتَضٰی وغیرہ۔

۵ کسرہ[۲] کے بعد والی راء ساکنہ کے بعد حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی مفتوح حرف اسی کلمہ میں پایا جارہا ہو جیسے مِرْصَادًا، اِرْصَادًا، قِرْطَاسٍ، فِرْقَةٍ اور لَبِالْمِرْصَادِ۔ (اس قاعدہ کے تمام قرآن میں صرف یہی پانچ کلمے پائے گئے ہیں)۔

۶ راء ساکن ہو اور اس سے پہلا حرف بھی ساکن ہو (بشرطیکہ وہ یاء نہ ہو)، اور اس سے پہلے والا حرف مفتوح یا مضموم ہو، جیساکہ اَلْقَدْرِ۝، اَلْعُسْرَ، اَلْاَنْهٰرُ۝ اور اَلْاُمُوْرُ۝ وغیرہ۔ اور یہ صورت کہ راء اور اس سے پہلا حرف دونوں ہی ساکن ہوں، وقف کے ساتھ ہی خاص ہے۔ چنانچہ اگر ان کلمات پر وقف نہ کیا جائے تو اس صورت میں ان کی راء متحرک پڑھی جائیگی، اور پھر اپنی حرکت کے اعتبار سے پُر یا باریک ادا ہوگی۔ چنانچہ اَلْعُسْرَ، اَلْاَنْهٰرُ۝ اور اَلْاُمُوْرُ۝ کی راء تو بوجہ مفتوح اور مضموم ہونے کے پُر پڑھی جائے گی، جیساکہ نمبر ایک کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے، اور اَلْقَدْرِ۝ کی بوجہ مکسور ہونے کے باریک۔ جیساکہ آگے ترقیقِ راء کی پہلی صورت کے ضمن میں آئے گا۔

بس ان چھ صورتوں میں تو راء مفخم یعنی پُر پڑھی جائیگی۔ اور باقی صورتوں میں باریک ہوگی، یا اس میں دونوں وجوہ ہوں گی۔

۱ اور کبھی ایک ہی کسرۂ منفصل بھی ہوتا ہے اور عارضی بھی۔ جیسے اَمِ ارْتَابُوْا میں میم کا اور اِنِ ارْتَبْتُمْ میں نون کا کسرہ، کہ یہ عارضی بھی ہے اور منفصل بھی۔ منفصل تو اس لیے ہے کہ اَمْ الگ کلمہ ہے اور ارْتَابُوْا الگ، ایسے ہی اِنْ الگ کلمہ ہے اور ارْتَبْتُمْ الگ۔ اور عارضی اس لیے کہ یہ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے آیا ہے۔ ورنہ ان میں میم اور نون اصل کے لحاظ سے ساکن ہیں۔ فَافْهَمْ وَتَفَهَّمْ

۲ کیونکہ فتحہ اور ضمہ کے بعد والی راء ساکنہ تو ویسے بھی پُر ہی پڑھی جاتی ہے۔ جیساکہ اوپر دوسری صورت کے ضمن میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

ترقیقِ راء کی پانچ صورتیں

۱۱۶ سوال ترقیقِ راء کی پانچ صورتیں کون کونسی ہیں؟

جواب وہ یہ ہیں:۔

۱ راء پر جب زیر ہو۔ عام اس سے کہ مشدد ہو یا مخفف۔ جیسے رِزْقٍ، اَنْذِرِ النَّاسَ، دُرِّيٌّ، فِي الْبَرِّ کی راء۔

۲ راء ساکن ہو اور اس سے پہلے والے حرف پر کسرہ اصلی اور متصل ہو، یعنی اسی کلمہ میں ہو کہ جس میں راء ہے، اور راء کے بعد حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی مفتوح حرف اسی کلمہ میں نہ پایا جا رہا ہو، جیسا کہ فِرْعَوْنَ، شِرْعَةً، مِرْيَةٍ۔ اور اس راء کی ترقیق کے لیے کسرہ کے اصلی او متصل ہونے، اور اسکے بعد حرفِ مستعلیہ کے نہ ہونے کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کسرۂ عارضی ہو، یا منفصل ہو، یا راء کے بعد اسی کلمہ میں حرفِ مستعلیہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں راء باریک نہ ہوگی بلکہ پُر پڑھی جائے گی، جیسا کہ اوپر تفخیم راء کی تیسری، چوتھی اور پانچویں صورت کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے۔

۳ راء اور اس سے پہلے والا حرف دونوں ساکن ہوں اور اس سے پہلے والے حرف پر زیر ہو۔ جیسے وَلَا بِكْرٌ ۝ اور ذِي الذِّكْرِ ۝ وغیرہ۔

۴ راء ساکنہ سے پہلے یائے ساکنہ اور اس سے پہلے والے حرف پر زبر ہو، خواہ زیر جیسے خَيْرٌ ج اور خَبِيْرٌ ۝ وغیرہ (اور یائے ساکنہ سے پہلے پیش قرآن میں نہیں آیا)۔ اور یہ دونوں صورتیں یعنی نمبر۳، اور نمبر۴ بھی وقف کیساتھ ہی خاص ہیں۔ اور وصل میں راء کا پُر یا باریک ہونا اس کی اپنی حرکت کے لحاظ سے ہوگا۔

۵ راءِ مُمالَہ یعنی وہ راء جو اِمالہ سے پڑھی گئی ہو، جیسے مَجْرٖىهَا کی راء۔ روایت حفص رحمہ اللہ میں امالہ تمام قرآن میں صرف اسی ایک لفظ میں ہے۔ بس یہ پانچ صورتیں راء کی

ترقیق کی ہیں۔ (اور امالہ کے معنیٰ اسی باب کی ساتویں فصل میں بیان کیے جائیں گے، ان شاء اللہ)۔

115 **سوال** اوپر بتایا گیا ہے کہ راء ساکنہ سے پہلے اگر کسرہ متصل اور اصلی ہو، تب تو راء باریک پڑھی جائے گی۔ اور اگر منفصل یا عارضی ہو، تو راء پُر ہوگی۔ تو اب مہربانی کر کے کسرہ متصل اور منفصل میں ونیز اصلی اور عارضی میں امتیاز کرنے کا کوئی آسان سا طریقہ بھی بتا دیجیے، تاکہ ہم قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس کے موافق عمل کر سکیں؟

جواب :-

کسرہ عارضی دو طرح کا ہوتا ہے:-

* ایک وہ جو ہمزہ وصلی پر آتا ہے۔
* دوسرا وہ جو اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے پہلے ساکن پر آتا ہے۔ بس ان دو کے ماسوا باقی ہر کسرہ اصلی ہے۔

اور کسرۂ منفصلہ وہ کسرہ ہے جو راء سے پہلے والے کلمہ کے آخری حرف پر ہو، جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ میں باء کا اور اَلَّذِی ارْتَضٰی میں ذال کا کسرہ۔

مگر چونکہ عربی پڑھے بغیر:-

* نہ تو ہمزہ وصلی کی شناخت ہو سکتی ہے
* نہ اجتماعِ ساکنین کا پتہ چلتا ہے
* اور نہ کلمہ کا ایک یا دو ہونا ہی معلوم ہو سکتا ہے

اس لیے ہم نے عام طلباء کی سہولت کی خاطر ایک جدول میں ایسے ان تمام کلمات کو دکھا دیا ہے جن میں راء ساکنہ سے پہلے کسرۂ عارضی، یا منفصل ہے۔ پس ان میں تو راء کو پُر پڑھو اور ان کے ماسوا ان تمام موقعوں میں جن میں راء ساکنہ سے پہلے کسرہ ہو، اس کو باریک پڑھو۔ اور وہ کلمات اگلے صفحہ پر دیے جا رہے ہیں:-

ان الفاظ کا نقشہ جن میں راء ساکنہ سے پہلے کسرۂ منفصلہ یا کسرۂ عارضیہ ہے

شمار	الفاظ	پارہ : رکوع	سورۃ : آیت
۱	اِنِ ارْتَبْتُمْ	۷ : ۴	مائدہ : ۱۰۶
۲	اِنِ ارْتَبْتُمْ	۲۸ : ۱۷	طلاق : ۴
۳	اِرْجِعُوْا	۱۳ : ۴	یوسف : ۸۱
۴	اِرْجِعْ	۱۹ : ۱۸	نمل : ۳۷
۵	اِرْجِعِیْ	۳۰ : ۱۴	فجر : ۲۸
۶	رَبِّ ارْحَمْهُمَا	۱۵ : ۳	بنی اسرائیل : ۲۴
۷	رَبِّ ارْجِعُوْنِ	۱۸ : ۶	مؤمنون : ۹۹
۸	اَمِ ارْتَابُوْا	۱۸ : ۱۲	نور : ۵۰
۹	الَّذِی ارْتَضٰی	۱۸ : ۱۳	نور : ۵۵
۱۰	لِمَنِ ارْتَضٰی	۱۷ : ۲	انبیاء علیہم السلام : ۲۸
۱۱	مَنِ ارْتَضٰی	۲۹ : ۱۲	جن : ۲۷
۱۲ [۱]	اِرْكَبْ [۲] مَّعَنَا	۱۲ : ۴	ہود : ۴۲

116 مثال اوپر تفخیم راء کی پانچویں صورت کے ذیل میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کسرہ کے بعد والی

[۱] احقر کو کوشش اور تلاش کے باوجود کوئی اور ایسا کلمہ نہیں مل سکا جس میں رائے ساکنہ سے پہلے کسرۂ عارضی یا منفصل ہو۔ اور اگر اس قسم کا کلمہ کہیں اور پایا جائے گا تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا۔

[۲] بشرطیکہ اس سے ابتدا کی جائے۔ اور یٰبُنَیَّ کیساتھ ملا کر پڑھنے کی صورت میں اسکی راء تفخیم کی دوسری صورت کے تحت پُر پڑھی جائیگی۔ اور یہی حکم اِرْكَبُوْا ہود: ۴۱ کا بھی ہے مگر اس سے ابتدا کرنا مناسب نہیں۔

رائے ساکنہ کے بعد حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی مفتوح حرف اسی کلمہ میں ہو تو یہ راء بھی پُر پڑھی جائے گی، تو کیا اگر حرفِ مستعلیہ اسی کلمہ میں نہ ہو، یا مفتوح نہ ہو، یا راء کے بعد نہ ہو، تو ایسی راء کا حکم اس سے کچھ مختلف ہے؟

جواب ہاں مختلف ہے! چنانچہ اگر راء کے بعد حرفِ مستعلیہ اسی کلمہ میں نہ ہو، بلکہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو جیسا کہ اَنْذِرْ قَوْمَكَ میں قاف اور فَاصْبِرْ صَبْرًا میں صاد اسی کلمہ میں نہیں بلکہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہے، تو ایسی صورت میں وہ راء حرفِ مستعلیہ کی وجہ سے پُر نہ ہوگی، بلکہ ترقیقِ راء کی دوسری صورت کے تحت باریک ہی پڑھی جائیگی۔

اور اگر حرفِ مستعلیہ ہو تو اسی کلمہ میں، مگر راء کے بعد نہ ہو بلکہ اس سے پہلے ہو، جیساکہ مِصْرَ اور عَيْنَ الْقِطْرِ میں بحالتِ وقف۔ یا حرفِ مستعلیہ مفتوح نہ ہو بلکہ مکسور ہو، جیساکہ فِرْقٍ (شعراء:۶۳) میں ہے، توان دونوں صورتوں کا حکم ابھی معلوم ہوگا۔

وہ دو صورتیں جن میں خُلف ہے

117 **سوال** وہ دو صورتیں کون کونسی ہیں جن میں راء کو پُر اور باریک دونوں طرح پڑھنا جائز ہے؟

جواب خُلف کی دونوں صورتیں وہی ہیں جن کا ذکر ابھی اوپر کیا جا چکا ہے، یعنی ایک تو وہ جس میں راء ساکنہ کے بعد حرفِ مستعلیہ مکسور ہو، اور دوسری وہ جس میں حرفِ مستعلیہ راء ساکنہ کے بعد نہ ہو بلکہ اس سے پہلے ہو۔ ان دونوں صورتوں کے کلمے بھی اوپر لکھے جا چکے ہیں یعنی فِرْقٍ (شعراء:۶۳) اور عَيْنَ الْقِطْرِ (سبأ:۱۲) اور لفظ مِصْرَ جہاں بھی آئے۔ اب یہاں اس خُلف کی (یعنی ان کلموں کی راء کو پُر اور باریک دونوں طرح پڑھنے کی) وضاحت کی جاتی ہے۔

چنانچہ:۔

* فِرْقٍ میں تفخیم تو اس لیے ہے کہ راء ساکنہ کے بعد حروفِ مستعلیہ میں سے قاف اسی کلمہ میں ہے۔ پس جس طرح لفظ فِرْقَةٍ میں راء پُر پڑھی جاتی ہے، اسی طرح لفظ فِرْقٍ

میں بھی پُر پڑھی جا سکتی ہے۔

❁ اور ترقیق اس لیے ہے کہ قاف مکسور ہے اور کسرہ کی حالت میں صفتِ استعلاء اتنی قوی نہیں ہوتی کہ اس کی وجہ سے راء پُر پڑھی جائے۔ اس میں دونوں وُجوہ وقف و وصل کی دونوں حالتوں میں ہیں۔ اور یہ "خُلف فِي الحَالَين" کہلاتا ہے، یعنی اس کلمہ میں وقف و وصل، دونوں حالتوں میں دونوں وجوہ جائز ہیں۔ (اور خُلف کے معنیٰ ہیں: "دو وجوہ" یعنی تفخیم و ترقیق۔ اور حالَین سے مراد وقف و وصل کی دو حالتیں ہیں)۔

❁ لفظ مِصْرَ اور عَيْنَ الْقِطْرِ میں وقفاً ترقیق تو اس لیے ہے کہ اس حالت میں راء بھی ساکن ہو جاتی ہے، اور اس سے پہلے صاد اور طاء بھی ساکن ہیں اور تیسرے حرف یعنی میم اور قاف پر کسرہ ہے ذِي الذِّكْرِ اور وَلَا بِكْرٌ کی طرح۔

❁ اور تفخیم اس لیے ہے کہ راء سے پہلے صاد اور طاء حروفِ مستعلیہ میں سے ہیں، پس جس طرح مِرْصَادًا اور قِرْطَاسٍ وغیرہ میں راء ساکنہ کے بعد والا مستعلیہ اس کی تفخیم کا سبب بنتا ہے، اسی طرح راء سے پہلے ہونے کی صورت میں بھی بن سکتا ہے۔ اور گو ان دو کلموں میں وقفاً خُلف ہے، لیکن اصل وصل کے اعتبار سے مِصْرَ میں تفخیم اور عَيْنَ الْقِطْرِ میں ترقیق اَولیٰ ہے۔ اور ان دو کلموں میں خُلف چونکہ صرف حالتِ وقف ہی میں ہے، اسلئے وصل کی صورت میں مِصْرَ میں تو بوجہ مفتوح ہونے کے تفخیم اور عَيْنَ الْقِطْرِ میں بوجہ مکسور ہونے کے ترقیق ہی ضروری ہوگی۔ لیکن وَلَا نَاصِرٍ، عَاقِرٌ اور مُنْتَصِرٌ جیسے الفاظ کو وقفاً مِصْرَ اور عَيْنَ الْقِطْرِ پر قیاس کر کے ان کی راء کو دونوں طرح پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ راء سے پہلے وہی مستعلیہ تفخیم کا سبب بن سکتا ہے جو ساکن ہو۔ اور ان کلمات میں حرفِ استعلاء مکسور ہے۔ خوب سمجھ لو!

تنبیه: مِصْرًا جو سورۂ بقرہ: ۶۱ میں ہے، اس کی راء کا یہ حکم نہیں بلکہ وہ حالین میں پُر ہی پڑھی جائے گی، کیونکہ وہ دونوں حالتوں میں مفتوح ہی پڑھی جاتی ہے۔

راءِ مَوقوفہ کا حکم

118 سوال: جس راء پر وقف کیا جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اسکان و اشمام کے ساتھ وقف کیا جائے تو چونکہ ان دونوں وقفوں میں راء پوری طرح ساکن پڑھی جاتی ہے، اس لیے اس کو پُر یا باریک پڑھنے کیلئے حرفِ ماقبل کو، اور اگر وہ بھی ساکن ہو، تو پھر اس کے ماقبل کو دیکھتے ہیں، اگر اس پر فتحہ یا ضمہ ہو تو راء کو پُر، اور اگر کسرہ ہو تو باریک ادا کرتے ہیں۔

اور اگر رَوم کے ساتھ وقف کیا جائے تو چونکہ اس صورت میں راء پوری طرح ساکن نہیں پڑھی جاتی بلکہ اس کی حرکت بھی تھوڑی سی ادا کی جاتی ہے، اس لیے اس صورت میں ماقبل کو نہیں بلکہ خود راء کی حرکت کے لحاظ سے اس کو پُر یا باریک پڑھتے ہیں۔ پس کسرہ کی صورت میں باریک اور ضمہ کی صورت میں پُر پڑھتے ہیں۔

مثلاً سورۂ قمر:۲ میں مُسْتَمِرٌّ ○ اور مُنْتَشِرٌ ○ کی راء پر اگر اسکان یا اشمام کے ساتھ وقف کیا جائے، تب تو یہ راء ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے باریک پڑھی جائے گی۔ اور اگر رَوم کے ساتھ وقف کیا جائے گا، تو اب یہ راء باریک نہ ہوگی بلکہ مضموم ہونے کی بناء پر پُر پڑھی جائے گی، گو رَوم کی صورت میں اس کا ضمہ تھوڑا سا ہی ادا ہوگا۔

اور ایسے ہی وَالْفَجْرِ ○ کی راء پر اگر اسکان کے ساتھ وقف کیا جائے گا، تب تو اس کی "راء" فاء کے فتحہ کی وجہ سے پُر ادا ہوگی، لیکن وقف بِالرَّوم کی صورت میں یہی راء اپنی حرکت یعنی کسرہ کی وجہ سے باریک پڑھی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ راءِ مَوقوفہ بالاسکان اور بالاشمام تو تفخیم و ترقیق میں حرفِ ماقبل کی حرکت کے تابع ہوگی۔ اور راءِ مَوقوفہ بِالرَّوم تفخیم و ترقیق میں حرفِ ماقبل کے تابع نہ ہوگی، بلکہ راءِ مَوصولہ (یعنی وصل سے پڑھی ہوئی) کی طرح اپنی حرکت کے اعتبار سے پُر یا باریک پڑھی جائے گی۔

اسکان، اشمام اور رَوم، یہ وقف کرنے کے تین طریقے ہیں۔ تینوں کی تعریفیں ان شاء اللہ وقف کی بحث میں آجائیں گی۔ یہاں صرف اتنی بات سمجھ لو کہ وقف بالاسکان اور وقف بالاشمام میں تو حرفِ موقوف علیہ (یعنی جس حرف پر وقف کیا گیا ہو) بالکل ساکن پڑھا جاتا ہے، اور وقف بالروم میں پوری طرح ساکن نہیں پڑھا جاتا، بلکہ اس کی تھوڑی سی حرکت بھی ادا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وقف بالاسکان اور بالاشمام میں تو راء حرفِ ماقبل کی حرکت کے موافق پُر یا باریک پڑھی جاتی ہے اور وقف بالروم میں خود اس کی اپنی حرکت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

الف کی تفخیم و ترقیق

119 **سوال** الف کس حالت میں پُر پڑھا جاتا ہے اور کس حالت میں باریک؟

جواب الف سے پہلے اگر کوئی پُر حرف ہو تو پُر پڑھا جاتا ہے، جیسے صٰلِحِیْنَ اور خٰلِدُوْنَ وغیرہ کا الف۔ اور اگر اس سے پہلے باریک حرف ہو، تو وہ بھی باریک پڑھا جاتا ہے، جیسے تَآئِبٰتٍ اور نٰصِرِیْنَ کا الف۔ بس استعلاء کے ساتوں حرفوں، اسی طرح راء اور لفظ اَللّٰہُ اور اَللّٰھُمَّ کے اس لام کے بعد والا الف جس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو، پُر ہوگا۔ اور بقیہ انیس[19] حرفوں اور لفظ اَللّٰہُ اور اَللّٰھُمَّ کے اس لام کے بعد والا الف جس سے پہلے زیر ہو، باریک ہوگا، خوب سمجھ لو۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ پُر الف کے بعد سببِ مد کے پائے جانے کی وجہ سے اس میں جو مد فرعی ہوگا، جیسے کہ قٓ، صٓ اور اَلضَّآلِّیْنَ وغیرہ، تو اس صورت میں یہ الف آخر تک پُر ہی ادا ہوگا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک الف کی مقدار تو پُر ادا ہو اور مد کا باقی حصہ باریک، یہ غلطی عام طور پر پائی جاتی ہے۔

حُروفِ مُفَخَّمَہ میں بلحاظِ تفخیم مَراتِب

120 **سوال** کیا تمام حروفِ مفخمہ یکساں طور پر پُر پڑھے جاتے ہیں، یا ان میں مراتب ہیں؟

جواب مَرَاتِب ہیں! چنانچہ سب سے زیادہ پُر اِسْمُ الجَلَالہ کا لام ہوتا ہے۔ اس سے کم طاء، پھر صاد و ضاد، پھر ظاء، پھر قاف، پھر غین و خاء اور پھر راء۔ اور جب حروفِ مفخمہ میں مراتب ہیں تو لازماً ان کے بعد والے الف کی تفخیم میں بھی مراتب ہوں گے، کیونکہ الف میں تفخیم حرفِ ماقبل کی وجہ سے ہی آتی ہے۔ (جمال القرآن)

اس کے علاوہ خود تفخیم میں بھی مراتب ہیں۔ چنانچہ:۔ وہ حرفِ مُفَخَّم جس کے بعد الف ہو، سب سے زیادہ پُر پڑھا جاتا ہے جیسے طَآلَ پھر اس سے کم وہ مفتوح جس کے بعد الف نہ ہو جیسے اِنْ طَلِقُوْا پھر مضموم جیسے مُحِیْطٌ پھر مکسور جیسے بَاطِلٍ رہا ساکن مفخم؟ سو وہ ماقبل کی حرکت کے تابع ہے، جیسے یَقْطَعُوْنَ، یُرْزَقُوْنَ اور مِرْصَادًا وغیرہ (فوائد مکیہ)۔ پس قاری کو چاہیئے کہ اپنی ادا میں تفخیم کے ان مراتب کو ملحوظ رکھے۔

تفخیم و ترقیق کے بارہ میں ایک ضروری تنبیہ

حروفِ مُفَخَّمَہ کی تفخیم میں اتنا مُبالغہ نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کی وجہ سے حرفِ مفخم میں واؤ کی آمیزِش یا واؤ کی صاف زیادتی معلوم ہو، یہ اہلِ فن کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔ اور یہ غلطی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ لوگ عام طور پر پُر حرف کو ادا کرتے وقت ہونٹوں کو ذرا گول سا بنا لیتے ہیں جس سے لازماً اس حرف میں واؤ کا کچھ اثر آجاتا ہے، حالانکہ تفخیم میں ہونٹوں کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ تفخیم تو صرف زبان کی جڑ، یا زبان کے بیچ کو اوپر کے تالو کی طرف بلند کرنے، یا اس سے مُنْطَبِق کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ استعلاء اور اطباق کی تعریفات کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ حروفِ مستفلہ کی اور بالخصوص اس الف کی جو حروفِ مستفلہ کے بعد آرہا ہو، ترقیق میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ اس میں یاء کی آمیزِش ہو کر اِمالہ صُغریٰ کی سی کیفیت ہو جاتی ہے، یہ بات بھی صحیح ادا کے خلاف ہے۔

خلاصہ: یہ کہ تفخیم و ترقیق میں اِفْراطُ و تَفْرِیط نہیں ہونی چاہیئے۔ اور ان تمام خامیوں کی اصلاح کسی مُشْفِق اور کامل استاد کے مُیَسَّر آجانے سے ہی ہو سکتی ہے۔

فصل دوم

صفاتِ عارضہ کی دوسری قسم یعنی عارض بالحرف

اظہار، ادغام، اقلاب اور اخفاء کے بیان میں

121 سوال یہ چار صفتیں کن کن حرفوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور کیا ان کو کچھ اور بھی کہتے ہیں؟

جواب :-

- ان میں سے اِقلاب تو نون ساکن وتنوین کے ساتھ ہی خاص ہے۔
- اِخفاء نون ساکن وتنوین میں بھی ہوتا ہے اور میم ساکن میں بھی۔
- اور اِدغام ان تینوں میں بھی ہوتا ہے لام تعریف میں بھی اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حرفوں میں ہوتا ہے۔ (جیسا کہ آگے ایک مستقل فصل میں اس کی تفصیل آرہی ہے)۔
- رہا اِظہار؟ سو جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ یہ صفتِ عارضہ نہیں، بلکہ حرف کی اصلی حالت ہے اسلئے جب ان تینوں صفتوں میں سے کوئی صفت بھی نہ پائی جارہی ہو تو اس وقت اظہار ہوگا، یعنی حرف اپنی اصلی حالت پر صرف مخرج اور صفاتِ لازمہ کیساتھ ہی ادا ہوگا۔

ان چاروں کو ان حرفوں کے "اَحکام" بھی کہتے ہیں۔ پس نون ساکن وتنوین کے تو چار احکام یہ ہیں :- اظہار، ادغام، اقلاب اور اخفاء۔ میم ساکن کے تین :- اظہار، ادغام، اخفاء۔ اور لام تعریف کے صرف دو ہی احکام ہیں :- اظہار اور ادغام۔ اب ان سب کی تفصیل شروع ہوتی ہے۔

نون ساکن وتنوین کے احکام

122 سوال نون ساکن وتنوین کے کتنے احکام ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب چار احکام ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱	۲	۳	۴
اِظہار	اِدغام	اِقلاب	اِخفاء

123 **سوال** نون ساکن کونسے نون کو کہتے ہیں، اور نون تنوین کونسے نون کو۔ اور ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ نیز یہ کہ ان دونوں کے احکام ایک ہی طرح کے کیوں ہیں؟

جواب ہر وہ نون جس پر تم جزم کی علامت (ۡ) بنی ہوئی دیکھتے ہو، وہ نون ساکن ہے۔ یا یوں سمجھو کہ نون ساکن تو وہ نون ہے جس پر کوئی حرکت نہ ہو، جیسا کہ یَنْھَوْنَ، مِنْ رَّبِّهِمْ، مِنْۢ بَعْدِیْ، مِنْكُمْ اور وَلَمْ تَكُنْ وغیرہ کا نون۔

اور جب تم کسی کلمہ کے آخری حرف پر دو زبر، یا دو زیر، یا دو پیش ادا کرتے ہو جیسے بَرْقٌ کے قاف پر دو پیش، فِیْ رَیْبٍ کی باء کے نیچے دو زیر اور اَبَدًا کی دال پر دو زبر، تو اس میں جو نون کی آواز پیدا ہوتی ہے، بس اسی آواز کو تنوین یا نونِ تنوین کہتے ہیں۔ اور فرق ان دونوں نونوں میں یہ ہے، کہ:۔

نون ساکن: یہ لکھنے میں بھی آتا ہے اور پڑھنے میں بھی۔ نیز کلمہ کے درمیان میں بھی آتا ہے اور کلمہ کے آخر میں بھی۔

نون تنوین: یہ صرف پڑھنے میں آتا ہے، لکھنے میں نہیں[۱] آتا۔ اور نیز یہ کہ نونِ تنوین صرف کلمہ کے آخر ہی میں آتا ہے، درمیان میں نہیں۔

ان دونوں میں یہ دونوں فرق اوپر کی مثالوں میں غور کرنے سے بھی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور چونکہ تلفظ میں یہ دونوں یکساں ہوتے ہیں اسلئے احکام بھی دونوں کے بالکل ایک ہی ہیں۔

124 **سوال** اظہار، ادغام، اقلاب اور اخفاء، ان چاروں کی لغوی اور اصطلاحی تعریفیں کیا کیا ہیں؟

[۱] البتہ دو زبر کا تنوین الف کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ ۱۲

جواب ۱ اظہار کے لغوی معنٰی: اَلْبَیَانُ (یعنی خوب ظاہر کرنے) کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اظہار کی تعریف یہ ہے:

اِخْرَاجُ کُلِّ حَرْفٍ مِّنْ مَّخْرَجِهٖ مِنْ غَيْرِ غُنَّةٍ فِي الْمُظْهَرِ۔

یعنی حرفِ مُظْہَر کو اس کے اپنے مخرج سے بغیر غنہ زمانی کے ادا کرنا۔[1]

۲ ادغام کے لغوی معنٰی: اِدْخَالُ الشَّيْءِ فِي الشَّيْءِ یعنی ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں ادغام کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے:

خَلْطُ حَرْفٍ سَاكِنٍ بِمُتَحَرِّكٍ بِحَيْثُ يَصِيرَانِ حَرْفًا وَّاحِدًا مُّشَدَّدًا، وَيَرْتَفِعُ اللِّسَانُ عِنْدَ اَدَائِهِمَا اِرْتِفَاعَةً وَّاحِدَةً۔

یعنی حرفِ ساکن کو حرفِ متحرک میں اس طرح ملا دینا کہ وہ دونوں مل کر ایک مشدد حرف ہو جائیں اور دونوں کی ادائیگی کے وقت عُضو ایک ہی بار کام کرے۔ یعنی دونوں ایک ہی مخرج سے بِلا فصل ادا ہوں۔

۳ اقلاب کے لغوی معنٰی: تَحْوِيلُ الشَّيْءِ عَنْ وَّجْهِهٖ یعنی کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دینے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اقلاب کی تعریف یہ ہے:

هُوَ: جَعْلُ حَرْفٍ مَّكَانَ حَرْفٍ اٰخَرَ مَعَ مُرَاعَاةِ الْغُنَّةِ...

یعنی صفتِ غنہ کو باقی رکھ کر ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ رکھ دینا یعنی اس سے بدل دینا۔

۴ اخفاء کے لغوی معنٰی: اَلسَّتْرُ یعنی چھپانے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اخفاء کی تعریف یہ ہے:

---

[1] یہ تعریف صرف نون اور میم کے اظہار کی ہے، ورنہ اصل تعریف اظہار کی جو ہر جگہ اس پر صادق آتی ہے یہ ہے: اِخْرَاجُ کُلِّ حَرْفٍ مِّنْ مَّخْرَجِهٖ مِنْ غَيْرِ تَغَيُّرٍ كَمَا اقْتَضَا ذَاتُهٗ وَصِفَاتُهٗ۔ یعنی حرف کو اس کے مخرج مقررہ سے بغیر کسی تغیّر کے ٹھیک اسی طرح ادا کرنا، کہ جس طرح اس کی ذات اور صفاتِ لازمہ کا تقاضا ہو۔

هُوَ عِبَارَةٌ عَنِ النُّطْقِ بِحَرْفٍ سَاكِنٍ عَارٍ (اى خَالٍ) عَنِ التَّشْدِيْدِ عَلٰى صِفَةٍ بَيْنَ الْاِظْهَارِ وَالْاِدْغَامِ مَعَ بَقَاءِ الْغُنَّةِ فِي الْحَرْفِ الْاَوَّلِ۔
یعنی کسی حرفِ ساکن کو اظہار اور ادغام کی درمیانی کیفیت پر، اس میں صفتِ غنہ کو باقی رکھ کر بغیر تشدید کے ادا کرنا۔

125 **سوال** یہ چار احکام نون ساکن وتنوین میں کن کن حرفوں کے، ان کے بعد آنے کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان حالتوں میں اس نون کو کیا کہتے ہیں؟

جواب انتیس[۲۹] حرفوں میں سے، چھ حرفوں سے پہلے اظہار، چھ حرفوں میں ادغام، ایک حرف کی وجہ سے اقلاب اور پندرہ حرفوں میں سے کسی ایک حرف کے، ان کے بعد آجانے سے اخفاء ہوتا ہے۔ یہ کل اٹھائیس حرف ہوئے۔ اور ایک حرف (یعنی الف) نون ساکن وتنوین کے بعد آ ہی نہیں سکتا۔ اور اس اِجمال کی تفصیل یہ ہے:۔

۱ اظہارِ حلقی / اظہارِ حقیقی

چھ حروفِ حلقی (یعنی ء ھ ع ح غ خ) میں سے کسی حرف کے نون ساکن وتنوین کے بعد آنے سے نون کا اظہار ہوتا ہے، جیسے مَنْ اٰمَنَ، مِنْهُمْ، مِنْ حَكِيْمٍ، سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ، مِنْ غِلٍّ اور مَنْ خَافَ وغیرہ۔ اور اس نون کو نونِ مُظْهَرَہ کہتے ہیں۔ اور نون کے اس اظہار کو اظہارِ حلقی، یا اظہارِ حقیقی کہتے ہیں۔

۲ ادغام (بلاغنہ اور بالغنّہ)

يَرْمَلُوْنَ کے چھ حرفوں (یعنی ی ر م ل و ن) میں سے اگر کوئی حرف نون ساکن وتنوین کے بعد آئے تو اس صورت میں ان کا اس حرف میں ادغام ہوگا، جیسے مِنْ رَّبِّهِمْ، مِنْ لَّدُنْهُ، مِنْ مَّالٍ، مِنْ نَّكِيْرٍ، مِنْ وَّلِيٍّ، مِنْ يَّوْمِهِمْ وغیرہ۔ اور اس نون کو نونِ مُدْغَمَہ کہتے ہیں۔

پھر یہ سمجھو کہ ان چھ حرفوں میں دو طرح کا ادغام ہوتا ہے:- ① بلاغنہ ② بالغنّہ۔ چنانچہ لَرْ کے دو حرفوں میں تو ادغام بلاغنہ ہوتا ہے۔ اور یَنْمُوْ کے چار حرفوں میں بالغنّہ، یعنی:-

✲ جب لام و راء میں سے کوئی حرف ہو تو اس نون کو اُس سے اس طرح بدل کر ادغام کرتے ہیں کہ اُس میں غنہ باقی نہیں رہتا، بلکہ "نون" خالص لام اور خالص راء بن جاتا ہے۔ چنانچہ مِنْ رَّبِّهِمْ اور مِنْ لَّدُنْهُ وغیرہ میں یہی کیفیت ہوتی ہے۔

✲ اور اگر میم، نون، واؤ اور یاء، ان چار حرفوں میں سے کوئی حرف ہو تو اس صورت میں نون دوسرے حرف سے پورے طور پر نہیں بدلتا، بلکہ اُس کی صفتِ غنہ کو باقی رکھ کر بعد والے حرف میں ادغام کرتے ہیں۔ چنانچہ مَنْ يَّقُوْلُ، بَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ، مِنْ مَّالٍ، مِنْ نَّكِيْرٍ وغیرہ میں یہی صورت ہوتی ہے۔ البتہ نون کا ادغام واؤ اور یاء میں ہونے کی صورت میں تو غنہ نون ہی کا ہوتا ہے اور میم و نون میں ہونے کی صورت میں غنہ کی تحقیق ان شاء اللہ ادغام کی تفصیلی بحث (صفحہ:۱۳۶) میں آئے گی۔

۳ اِقلاب

اِقلاب یا قلب: اگر نون ساکن وتنوین کے بعد باءِ مُوَحَّدَہ آئے، جیسے اَنْۢبِئْهُمْ، مِنْۢ بَعْدِیْ، سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ تو اس نون کو میم سے بدل کر اخفاء اور غنہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، پس اس نون کے میم سے بدلنے کو ہی اقلاب یا قلب کہتے ہیں۔ اور اُس نون کو نونِ مَقْلُوْبَہ یا مُنْقَلَبَہ کہتے ہیں۔

۴ اِخفائے حقیقی

اگر نون ساکن وتنوین کے بعد چھ حروفِ حلقی، چھ حروفِ یَرْمَلُوْن اور ایک باءِ مُوَحَّدَہ (ان تیرہ حرفوں) کے علاوہ باقی پندرہ حرفوں میں سے کوئی حرف آئے، جیسے كُنْتُمْ، وَمَنْ تَابَ،

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ، اَنْدَادًا، مِنْ دُوْنِهٖ، مِنْ ذِكْرٍ، اَنْ كَانَ، مِنْ كُلِّ، كِتٰبٌ كَرِيْمٌ وغیرہ، تو اس نون میں اخفاء ہوتا ہے۔ اور اس نون کو نونِ مُخْفَاۃ، یا نونِ مُخْفٰی[1] کہتے ہیں، اور نون کے اس اخفاء کو اخفائے حقیقی کہتے ہیں۔ اور اخفاء کے پندرہ حروف اس شعر میں جمع ہیں:

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
تا	و ثا	و جیم	و دال	و ذال	و زا	و سین	شین

۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵
صاد	و ضاد	و طا	و ظا	و فا	و قاف	و کاف بین

یہ تو ہوئے نون ساکن وتنوین کے ان اٹھائیس حرفوں سے متعلق چار احکام۔ اور ایک حرف یعنی "الف" نون ساکن وتنوین کے بعد نہیں آسکتا، اس لیے کہ الف کے ماقبل کو فتحہ لازم ہے، اور ساکن کے بعد اس کا تلفظ نہیں ہو سکتا۔

چاروں نونوں کے ادا کرنے کا طریقہ

126 **سوال** ان چاروں نونوں، یعنی نونِ مُظْہَرَہ، نونِ مُدْغَمَہ، نونِ مَقْلُوْبَہ اور نونِ مُخْفَاۃ کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب ان سب کی تعریفیں اوپر لکھی جا چکی ہیں، ان کو ذہن میں رکھ کر ان حرفوں کو ادا کرنا چاہیئے، پس:-

❊ نونِ مظہرہ کو اسکے اصلی مخرج یعنی طرفِ لسان اور تالو سے بغیر غنہ کے ادا کرنا چاہیئے۔ ہاں اس کا خیال رکھو کہ نون مظہرہ پر نہ تو سکتہ سا ہونے پائے اور نہ اس کا سکون ہلنے ہی پائے کہ قلقلہ سا ہو جائے۔ اور چونکہ نون حروفِ متوسطہ میں سے ہے، اس لیے اظہار کی صورت میں اس کی آواز مخرج پر زیادہ قوت کے ساتھ بھی نہیں ٹکنی چاہیئے، جیسا کہ بعض لوگوں سے اظہار کے اہتمام میں ایسا ہو جاتا ہے، بلکہ نون کا سکون نہایت لطافت کے ساتھ ادا ہو، اور پھر بلا فصل دوسرے حرف کی آواز شروع ہو جائے۔

[1] مُخْفَاۃ "اِخْفَاءٌ" سے ہے۔ اور مُخْفٰی "خَفَاءٌ" سے۔ اوّل متعدّی ہے اور ثانی لازم۔ فافہم

✵ نونِ مدغمہ کو اسطرح ادا کرو کہ اس کو بعد والے حرف سے بدل کر دونوں کو ایک مشدد حرف کی طرح پڑھو۔ پھر ادغام بلاغنہ میں تو نون کا اثر بھی باقی نہیں رہنا چاہیئے۔ اور ادغام بالغنہّ میں اسکا اثر یعنی غنہ باقی رہنا چاہیئے، مگر تشدید ادغام بالغنہّ کی صورت میں بھی ادا ہوگی۔

✵ نونِ مَقْلُوْبَہ کو میم کے مخرج یعنی دونوں ہونٹوں کی خشکی سے اس طرح ادا کرنا چاہیئے کہ پہلے تو دونوں ہونٹوں کی خشکی والے حصہ کو نہایت نرمی کے ساتھ ملاکر بقدرِ ایک الف خیشوم میں صفتِ غنہ کو ادا کیا جائے، اور پھر اس کے بعد ہونٹوں کے کھلنے سے پہلے ہی دونوں ہونٹوں کی تری والے حصہ کو سختی کے ساتھ ملاکر باء ادا کی جائے۔

✵ اور نونِ مخفاۃ کو اسطرح ادا کرو کہ نہ تو نونِ مظہرہ کی طرح زبان کا سرا تالو سے پوری طرح لگنے پائے اور نہ نونِ مدغمہ کی طرح اسکی ادائیگی میں حرفِ اقبیؔ (یعنی بعد والے حرف) کے مخرج پر اعتماد ہو، بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان اس طرح ادا ہو کہ صفتِ غنہ تو ظاہر ہو مگر تشدید سے بالکل خالی ہو۔ فن کے مُحَقِّق اَساتِذہ کے ارشاد کی رُو سے اخفاء کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے:

سِرا زبان کو تالو سے جدا مگر اس سے بالکل قریب رکھ کر (اس طرح کہ اس کا تالو سے ہلکا سا لگاؤ ہو) بقدرِ ایک الف صفتِ غنہ کو خیشوم سے ادا کیا جائے۔

"پس سرا زبان کو تالو سے جدا مگر اس سے بالکل قریب ہی رکھ کر ایک الف کے برابر صفتِ غنہ کو خیشوم سے ادا کرنا" بس یہی حقیقت ہے نون کے اخفاء کی۔ چونکہ یہ ادا کے لحاظ سے کچھ مشکل ہے، اسلیئے اس کی صحیح ادائیگی سیکھنے کیلئے زیادہ مشق اور محنت کی ضرورت ہے۔

تنبیہ: نون مخفاۃ کا اظہار کی طرح سرا زبان کو تالو کے ساتھ پوری طرح لگا کر ادا کرنا، یا اس کی ادائیگی میں بعد والے حرف کے مخرج پر اعتماد کرنا، یہ دونوں باتیں غلط اور تحقیق سے دور ہیں۔ (پہلی صورت تو اِظہار مَعَ الْغُنَّۃ کہلا سکتی ہے، حالانکہ وہ کوئی بھی کیفیتِ ادا نہیں۔ اور دوسری صورت اِدغام مَعَ الْغُنَّۃ کی ہے، اور ظاہر ہے کہ اخفاء اس سے جُدا کیفیت ہے۔ اخفاء سے متعلق مزید تحقیق ان شاء اللہ "التبیان" میں آئے گی)۔

نون ساکن وتنوین کے احکام کی مزید تشریح اور شرائط و قیود

127 **سوال** یہ احکام نون ساکن وتنوین میں وقف ووصل دونوں حالتوں میں پائے جاتے ہیں، یا کسی ایک حالت کے ساتھ خاص ہیں؟

جواب اس میں کچھ تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اظہار تو چونکہ حرف کی اصلی حالت کا نام ہے جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور باقی تین صفاتِ عارضہ ہیں، اسلئے اظہار تو وقف ووصل دونوں حالتوں میں ہوتا ہے اور باقی تین احکام چونکہ کسی حرف کے ان کیساتھ ملنے سے پیدا ہوتے ہیں، اسلئے وہ وصل ہی کیساتھ خاص ہیں۔ پس اگر وقف، یا سکتہ کی وجہ سے نون کا بعد والے حرف سے اِتّصال نہ رہے تو یہ اَحکام مُتفرّع نہیں ہوتے۔ چنانچہ اگر مَنْ تَابَ اور مِنْۢ بَعْدِ وغیرہ میں مَنْ اور مِنْ پر وقف، یا مَنْ رَّاقٍ میں مَنْ پر وقف یا سکتہ کیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں چونکہ نون کا بعد والے حرف سے اتصال نہیں رہے گا، اس لیے نہ ادغام ہوگا، نہ اقلاب اور نہ اخفاء، بلکہ اصل کے موافق اظہار ہی ہوگا۔ لیکن مَنْ اٰمَنَ میں مَنْ کا مابعد سے خواہ وصل کریں اور خواہ اس پر وقف کریں اظہار بہرصورت ہوگا، مگر یہ تفصیل نون ساکن میں ہے!... رہا تنوین؟ سو وہ چونکہ وصل ہی میں ثابت رہتا ہے اور وقف میں الف سے بدل جاتا ہے، یا حذف ہو جاتا ہے، اس لیے اس کا اظہار بھی وصل ہی کے ساتھ مختص ہے۔

خلاصہ: یہ کہ ادغام، اقلاب اور اخفاء، یہ تین تو وصل ہی کیساتھ مختص ہیں، رہا اظہار؟ سو وہ نون ساکن میں تو وصل و وقف دونوں حالتوں میں ہوتا ہے۔ اور تنوین میں وہ بھی وصل ہی کے ساتھ مختص ہے، کیونکہ وقف میں اس کا موقع ہی نہیں ہوتا۔

128 **سوال** نون ساکن وتنوین کے ان چار احکام کے لیے کیا کوئی شرط بھی ہے، یا یہ ہر حال میں پائے جاتے ہیں؟

جواب اظہار، اقلاب اور اخفاء، ان تین کے لیے تو کوئی شرط نہیں ہے۔ خواہ نون

ساکن اور بعد والے حروف یہ دونوں ایک ہی کلمہ میں ہوں اور خواہ دو کلموں میں، یہ احکام ہر حال میں پائے جاتے ہیں جیساکہ ان کی مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے۔ البتہ ادغام کیلئے یہ شرط ہے کہ نون ساکن اور اس کا مُدغم فیہ (یعنی جس حرف میں ادغام کیا گیا ہو) دونوں دو کلموں میں ہوں۔ اور اگر یہ دونوں ایک ہی کلمہ میں ہوں گے تو ادغام نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ دُنْیَا، قِنْوَانٌ صِنْوَانٌ اور بُنْیَانٌ ان چار کلموں میں ادغام نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں نون و واوٗ اور نون و یاء، دونوں ایک ہی کلمہ میں ہیں۔ اس قاعدے کے تمام قرآن میں یہی چار لفظ پائے گئے ہیں۔ اور ان چار لفظوں میں جو اظہار ہوتا ہے، اس کو اظہارِ مطلق کہتے ہیں۔ البتہ نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ میں باوجودیکہ "واوٗ" نون کے بعد دوسرے کلمہ میں ہے، پھر بھی ادغام نہیں ہوتا ہے۔ ہاں! جزریؒ کے طریق سے ان میں ادغام بھی جائز ہے۔

فائدہ: ایک کلمہ میں نہ ہونے کی شرط نون ساکن ہی کیساتھ اسلئے لگائی گئی ہے کہ نون تنوین ہمیشہ کلمہ کے آخر ہی میں آتا ہے جیساکہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ پس اظہار کی کم سے کم اٹھارہ، ادغام کی تیرہ، اقلاب کی تین اور اخفاء کی پینتالیس [۴۵] مثالیں بنتی ہیں۔ اس طرح کہ:۔

اظہار کے چھ حرف ہیں، اور وہ سب کے سب نون ساکن کے بعد بھی آئے ہیں اور تنوین کے بعد بھی۔ اور نون ساکن کلمہ کے درمیان میں بھی آتا ہے اور آخر میں بھی۔ پس چھ مثالیں تو تنوین کے اظہار کی ہوئیں، چھ اس نون ساکن کے اظہار کی جو کلمہ کے آخر میں ہو، چھ اس کی جو کلمہ کے درمیان ہو۔ چونکہ اقلاب کا حرف ایک ہی ہے، اس لیے اس کی اس تفصیل کے موافق کل تین ہی مثالیں بنتی ہیں۔ اور اخفاء کے چونکہ پندرہ حروف ہیں، اور تفصیل اس میں بھی یہی ہے، اس لیے اس کی مثالیں کم از کم پینتالیس [۴۵] ہوتی ہیں۔ اور ہونی تو ادغام کی بھی اٹھارہ [۱۸] ہی چاہیئے تھیں، اس لیے کہ اسکے بھی چھ ہی حرف ہیں، مگر چونکہ نون ساکن کے بعد لام، راء اور میم اسی کلمہ میں نہیں آئے۔ اور واوٗ اور یاء گو اسی کلمہ میں آئے تو ہیں، لیکن چونکہ اس صورت میں نون کا واوٗ اور یاء میں ادغام نہیں ہوتا جیساکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے، اس لیے ادغام کی مثالیں کل تیرہ [۱۳]

ہی رہ جاتی ہیں۔

نوٹ: ہم نے ادغام اور اظہار کی چھ چھ اور اخفاء کی نو مثالیں درج کی ہیں، باقی مثالیں طلباء خود تلاش کر کے نکال لیں۔ اَساتِذۂ کرام کو چاہیئے کہ طلباء کو ہدایت فرمائیں کہ وہ ان چاروں احکام کی زیادہ سے زیادہ مثالیں تلاش کرنے کی کوشش کریں، ورنہ کم از کم مُندَرِجۂ بالا تعداد کے موافق تو ضرور ہی لکھ کر لانے کی ہدایت کریں۔ اس سے نون ساکن وتنوین کے یہ قواعد ان کے ذہن نشین بھی خوب ہو جائیں گے اور اجراء بھی خوب ہو جائے گا۔ اور اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم نے پوری مثالیں درج نہیں کیں۔

129 **سوال** کیا نون ساکن کے بعد اسی کلمہ میں دوسرا نون آیا ہے۔ اور اگر آیا ہے تو اس کی کوئی مثال بتایئے؟

جواب ہاں آیا ہے۔ اس کی مثالیں: مِنِّیْ، عَنِّیْ اور وَلَا تَفْتِنِّیْ وغیرہ ہیں۔ گو ان کی اصل دو نونوں سے ہے، اور یہ اصل میں مِنْ نِیْ، عَنْ نِیْ اور وَلَا تَفْتِنْ نِیْ تھے، لیکن چونکہ ان کی رسم ایک ہی نون سے ہے، اس لیے یہ ایک ہی کلمہ کے حکم میں ہیں۔

میم ساکن کے احکام

130 **سوال** میم ساکن کے کتنے احکام ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب تین احکام ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

۱	۲	۳
اِدغام	اِخفاء	اِظہار

131 **سوال** یہ احکام کن حرفوں کے میم ساکن کے بعد آنے کی صورت میں پائے جاتے ہیں؟

جواب ایک حرف میں ادغام، ایک کی وجہ سے اخفاء اور چھبیس[۲۶] حرفوں سے پہلے اظہار ہوتا ہے۔ اور ایک حرف (یعنی الف) نون ساکن کی طرح میم ساکن کے بعد بھی نہیں آسکتا۔ اور

تفصیل اس کی یہ ہے:-

۱ اِدغامِ شَفوِی

اگر میم ساکن کے بعد دوسرا حرف بھی میم ہی ہو، جیسے اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ اور وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وغیرہ، تو ادغام ہوگا۔

۲ اِخفاءِ شَفوِی

اگر باء موحدہ ہو جیسے وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ اور يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ وغیرہ تو اخفاء ہوگا۔

۳ اِظہارِ شَفوِی

اگر میم وباء کے علاوہ باقی چھبیس[۲۶] حرفوں میں سے کوئی حرف ہو جیسے فَلَهُمْ اَجْرٌ اور بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ اور وَيَمُدُّهُمْ فِيْ تو اظہار ہوگا۔

❋ اور ایک حرف یعنی "الف" نون ساکن کی طرح میم ساکن کے بعد بھی نہیں آسکتا۔ اس کی وجہ اوپر نون ساکن وتنوین کے احکام میں بیان ہو چکی ہے۔

132

سوال کیا ان احکام کے میم ساکن میں پائے جانے کی صورت میں بھی وہی معنیٰ ہوں گے جو نون ساکن وتنوین میں پائے جانے کی صورت میں ہوتے ہیں، یا اس سے کچھ مختلف؟

جواب اظہار اور ادغام کے معنیٰ تو یہاں بھی بالکل وہی ہیں جو نون ساکن وتنوین کے بیان میں تم پڑھ چکے ہو، البتہ اخفاء کے معنیٰ یہاں اس سے کچھ مختلف ہیں (چنانچہ نون کے اخفاء کا مطلب تو تم اوپر پڑھ ہی چکے ہو کہ وہ نون کو تشدید کے بغیر خیشوم سے اس طرح ادا کرنے کا نام ہے کہ زبان کا سرا تالو کیساتھ اچھی طرح لگنے نہ پائے بلکہ اس سے کچھ جدا رہے)۔ اور میم کے اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ میم ساکن کو ذرا نرم کر کے غنہ کے ساتھ ادا کیا جائے۔ پس میم ساکن کو غنہ کیساتھ بہ نسبت اظہار

کے قدرے نرم کر کے پڑھنا، بس یہی مراد ہے میم کے اخفاء سے۔ اور میم مخفاۃ کی ادائیگی بالکل نونِ مقلوبہ کی طرح ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔

اور نون کی طرح اظہار والے میم کو میمِ مُظْہَرَہ، اخفاء والے میم کو میمِ مُخْفَاۃ اور ادغام والے میم کو میمِ مُدْغَمَہ کہتے ہیں۔ پس میم مظہرہ کو تو اس کے اصلی مخرج یعنی دونوں ہونٹوں کی خشکی سے بغیر غنہ کے ادا کیا جائے گا۔ میم مخفاۃ کو دونوں ہونٹوں کی خشکی سے قدرے نرم کر کے غنہ کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔ اور میم مدغمہ کو بعد والے متحرک میم میں ملا کر دونوں کو مثل ایک مشدد میم کے ادا کیا جائے گا۔

سوال میم ساکن کے احکام کے ساتھ "شَفَوِی" کی قید کیوں بڑھائی جاتی ہے۔ اور اس کا کیا فائدہ ہے؟ 133

جواب اس لیے کہ میم ان تینوں حالتوں میں ہونٹوں سے ہی ادا ہوتا ہے بخلاف نون کے، کہ وہ صرف اظہار ہی کی صورت میں اپنے اصلی مخرج سے ادا ہوتا ہے، اور باقی تین حالتوں میں اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ادغام میں تو بعد والے حرف سے بدل کر اسی کے مخرج سے ادا ہوتا ہے۔ اقلاب میں میم سے بدل کر اسکے مخرج سے۔ اور اخفاء میں گو اس کا کچھ تعلق اپنے مخرج سے بھی ہوتا ہے، لیکن زیادہ تر تعلق اس حالت میں اسکا خیشوم سے ہوتا ہے۔ اور "شفوی" کی قید کے بڑھانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نون اور میم کے احکام میں فرق ہو جاتا ہے، یعنی ذہن میں یہ بات فوراً آجاتی ہے کہ اس سے مراد میم کا کوئی حکم ہے نہ کہ نون کا۔

سوال جب میم ساکن "بَاء" سے قبل واقع ہو تو بعض لوگ اس میم کو اظہار سے پڑھتے ہیں جب واوٗ اور فاء سے قبل واقع ہو تو بعض لوگ اس میم میں اخفاء کرتے ہیں اور بعض لوگ ان تینوں سے پہلے میم کو اس طرح تھوڑی سی حرکت دے کر پڑھتے ہیں کہ قلقلہ سا ہو جاتا ہے۔ اور اس سارے قاعدہ کا نام "بوف" کا قاعدہ رکھا ہے، تو کیا یہ قاعدہ اور اس پر ان کا عمل، یہ دونوں باتیں صحیح ہیں؟ 134

جواب باء، واؤ، فاء، ان تینوں سے پہلے میم کے سکون کو حرکت دے کر پڑھنا، اور واؤ اور فاء سے پہلے میم کا اخفاء کرنا، یہ دو باتیں تو قطعاً غلط اور بے اصل ہیں۔ فن کی کسی معتبر کتاب میں ''بوف'' کے نام سے کوئی قاعدہ موجود نہیں۔ البتہ میم ساکن اگر باء سے پہلے واقع ہو تو اس میں اظہار بھی جائز ہے، لیکن اَولیٰ اور بہتر اس میں بھی اخفاء ہی ہے، مگر یہ اظہار اسی میم میں جائز ہے جو اصلی ہو۔ کیونکہ نون ساکن و تنوین سے بدلے ہوئے میم میں اظہار جائز نہیں، اس میں اخفاء ہی ضروری ہے۔ چنانچہ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ جیسی مثالوں میں تو اظہار ہو سکتا ہے (گو اَولیٰ اور مختار ان میں بھی اخفاء ہی ہے)، لیکن مِنْۢ بَعْدِ اور سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ جیسی مثالوں میں اظہار جائز نہیں، وہاں اخفاء ہی ضروری ہے، خوب سمجھ لو!

تَتِمَّه: نون مشدد اور میم مشدد کا حکم

135 سوال نون مشدد اور میم مشدد کا کیا حکم ہے؟

جواب جب یہ مشدد ہوں تو ان میں ایک الف کی مقدار کے برابر غنہ کرنا ضروری ہے جیسے اِنَّ، كَاَنَّ، لَمَّا، مِنْ نّٰصِرِيْنَ اور اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ وغیرہ۔ خواہ یہ نون اور میم پہلے ہی سے مشدد ہوں اور خواہ ان پر تشدید ادغام کی وجہ سے آئی ہو۔ چنانچہ اِنَّ، كَاَنَّ، لَمَّا وغیرہ میں تو نون اور میم پہلے ہی سے مشدد ہیں، مِنْ نّٰصِرِيْنَ اور اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ جیسی مثالوں میں ادغام کی وجہ سے مشدد پڑھے جاتے ہیں۔ (دیکھیں تنبیہ: ۴، صفحہ: ۱۸۰)

لام تعریف کے احکام

136 سوال لامِ تعریف کے کتنے احکام ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب دو ہیں: ۱ اظہار ۲ ادغام۔ (اور یہ بھی فصل کے شروع میں بیان ہو چکا ہے)۔

137 **سوال** لام تعریف کا اظہار کن حرفوں سے پہلے ہوتا ہے۔ اور ادغام کن حرفوں میں؟

جواب انتیس۲۹ حرفوں میں سے الف تو نون ساکن اور میم ساکن کی طرح لام تعریف کے بعد بھی نہیں آسکتا۔ اور باقی اٹھائیس حرفوں میں سے چودہ حرفوں سے پہلے اظہار ہوتا ہے اور چودہ حرفوں میں ادغام۔

138 **سوال** وہ چودہ حرف جن سے پہلے اظہار ہوتا ہے، کون کون سے ہیں۔ اور وہ چودہ جن میں ادغام ہوتا ہے، کون کون سے؟

جواب جن چودہ حرفوں سے پہلے لامِ تعریف کا اظہار ہوتا ہے، وہ اس مجموعہ میں جمع ہیں: اِبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِيمَهٗ۔ پس اس مجموعہ کے چودہ حرفوں میں سے کوئی حرف بھی اگر لامِ تعریف کے بعد ہوگا تو اظہار ہوگا۔ اور اگر ان کے ماسوا باقی چودہ حرفوں میں سے کوئی حرف ہوگا تو ادغام ہوگا۔

* اظہار کی مثالیں یہ ہیں: اَلْبُخْلُ، اَلْحَمْدُ، اَلْعٰلَمِيْنَ اور اَلْقَدْرُ وغیرہ
* اور ادغام کی یہ: اَلتَّوْبَةُ، اَلثَّاقِبُ، اَلذِّكْرُ اور اَلرَّحْمٰنُ وغیرہ

جن چودہ حرفوں میں لام تعریف کا ادغام ہوتا ہے ان کو حروفِ شمسیہ، اور جن چودہ سے پہلے اظہار ہوتا ہے ان کو حروفِ قمریہ کہتے ہیں، اور یہ قاعدہ لام تعریف کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اسی لیے قُلْنَا، قُلْ نَعَمْ اور فَالْتَقَمَهٗ، اور ایسے ہی هَلْ تَرَا اور بَلْ طَبَعَ وغیرہ میں ادغام نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ لامِ تعریف نہیں ہے۔ بلکہ پہلی تین مثالوں میں تو لامِ فعل ہے اور دوسری دو میں لامِ هَلْ و بَلْ۔ اور مُدغَم صرف لام تعریف ہی ہوتا ہے کوئی اور لام نہیں ہوتا، خوب سمجھ لو۔

فصل سوم

غُنَّۂ زمانی کے بیان میں

139 سوال غنہ کے کیا معنیٰ ہیں۔ اور یہ صفت کن حرفوں میں پائی جاتی ہے؟

جواب غُنَّہ کے معنیٰ تو تم صفاتِ لازمہ کے سلسلہ میں پڑھ ہی چکے ہو کہ وہ صوتِ خَیشومی یعنی ناک کی گُنگُنی آواز کا نام ہے۔ اور یہ بھی وہیں معلوم ہو چکا ہے کہ غنہ دو طرح کا ہوتا ہے:۔ ۱ آنی ۲ زمانی۔ پھر غنہ خواہ آنی ہو اور خواہ زمانی، نون اور میم ان ہی دو حرفوں کے ساتھ خاص ہے، ان کے علاوہ کسی اور حرف میں یہ نہیں پایا جاتا۔ البتہ غنہ آنی تو نون اور میم میں ہر حالت میں ہوتا ہے اور کسی حالت میں بھی یہ حرف اس سے خالی نہیں ہوتے۔ اور غنہ زمانی نون اور میم میں بعض خاص حالتوں میں ہی ہوتا ہے۔ اس کی مقدار ایک الف کے برابر ہوتی ہے اور قاری کو اسکے ادا کرنے کیلئے ارادہ کرنا پڑتا ہے۔ اور غنہ آنی کی طرح بلا ارادہ اور بلا اہتمام حرف کے ساتھ ہی ادا نہیں ہو جاتا۔ بس اب یہاں انہی حالتوں کا بیان کرنا مقصود ہے جن میں "غنہ زمانی" پایا جاتا ہے۔

140 سوال غنہ زمانی میم اور نون میں کتنی اور کن کن حالتوں میں ہوتا ہے؟

جواب تین حالتوں میں:۔

۱ نون ساکن وتنوین کے بعد حروفِ حلقی اور لام و راء کے علاوہ باقی بیس حرفوں میں سے کوئی حرف ہو، جن میں سے پندرہ حرف اخفاء کے ہیں، ایک اقلاب اور چار ادغام بالغنّہ کے۔

۲ میم ساکن کے بعد میم، یا باء، ان دونوں حرفوں میں سے کوئی ہو۔ (یعنی میم مخفاۃ اور میم مدغمہ میں)۔

۳ نون اور میم مشدد ہوں۔

پس ان تینوں حالتوں میں ایک الف کے برابر غنہ کے ادا کرنے کا پورا اہتمام کرنا چاہیئے۔
اور ان حالتوں میں غنہ زمانی کا ہونا، اوپر نون ساکن وتنوین، میم ساکن اور نون و میم مُشَدَّدَتَین کے احکام کے ضمن میں بھی بیان ہو چکا ہے۔

141 **سوال** الف کی مقدار کیا ہے۔ اور اس کے معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب الف کی مقدار دو حرکتوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور اسکے معلوم کرنے کا طریقہ اَساتِذۂ فن نے یہ بیان فرمایا ہے کہ: کُھلی انگلی کو بند کرنے، یا بند انگلی کے کھولنے میں جتنی دیر لگتی ہے، بس وہی ایک الف کی مقدار ہے۔ مگر یہ ایک محض اندازہ اور تخمینہ ہے۔ اس کی مقدار کا اصل مَدار استاذِ مَشَّاق سے سننے اور صحیح ذوق پر مُنْحَصِر ہے۔

فائدہ: الف کی مقدار عربی میں بھی اتنی ہے جتنی کہ اردو بات چیت میں ہوتی ہے۔ بس جب تم کھانا، پینا، سونا کہتے ہو اور اپنے ذوق سے مد کے گھٹنے بڑھنے کو معلوم کر لیتے ہو، اور اگر کسی سے مقدار میں ذرا بھی کمی بیشی ہو جاتی ہے تو تمہارے کانوں کو اجنبی اور ناگوار معلوم ہوتا ہے، بس عربی میں بھی اسی طرح سمجھ لو۔

ہاں! اس کا بھی خیال رہے کہ پڑھنے کی جو رفتار ہوگی، الف کی مقدار اسی کے موافق ہوگی۔ پس ترتیل میں غنہ زیادہ ہوگا، تدویر میں اس سے کم اور حدر میں اس سے بھی کم۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ پڑھ تو رہا ہو حدر میں اور غنہ ترتیل کی رفتار کے موافق ادا کرے۔ اور یہی مناسبت مَدِّ طَبَعی کی مقدار میں بھی ملحوظ رہنی چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ الف کی مقدار تابع ہے تلاوت کی رفتار کے۔

فصل چہارم

ادغام کی تفصیلی بحث

مِثْلَیْن، مُتَجَانِسَیْن اور مُتَقَارِبَیْن کے بیان میں

142 **سوال** نون ساکن وتنوین، میم ساکن اور لام تعریف کے احکام تو ہم اوپر پڑھ چکے ہیں، اب مہربانی کر کے ادغام کے باقی مواقع بھی بتا دیجیے، کیونکہ دوسری فصل کے شروع میں ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ ادغام کے مواقع ان تین حرفوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں؟

جواب بہت اچھا! ذیل میں ہم ادغام کے مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تم اس کو غور سے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو! سو یاد رکھو:۔ جب بھی مثلین یا متجانسین جمع ہوں اور ادغام کی شرط پائی جا رہی ہو، اور مانع (یعنی رکاوٹ) موجود نہ ہو، تو پہلے حرف کا دوسرے حرف میں ادغام کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور بہت سے موقعوں میں متقاربین کے جمع ہونے کی صورت میں بھی کیا جاتا ہے۔ اور پانچ کلموں میں باوجود شرط نہ پائے جانے کے بھی ادغام ہوتا ہے۔ تفصیل اس سب کی ابھی آتی ہے۔ اور مثلین کے جمع ہونے کو اجتماعِ مثلین، متجانسین کے جمع ہونے کو اجتماعِ متجانسین اور متقاربین کے جمع ہونے کو اجتماعِ متقاربین کہتے ہیں۔

نوٹ: پہلا حرف جس کا ادغام ہوتا ہے، اس کو "مدغم" اور دوسرا حرف جس میں ادغام کیا جاتا ہے، اس کو "مدغم فیہ" کہتے ہیں۔

143 **سوال** مثلین، متجانسین اور متقاربین کا کیا مطلب ہے اور ان کے اجتماع سے کیا مراد ہے؟

جواب ایسے دو حرف جو مخرج اور صفات دونوں کے اعتبار سے بالکل ایک ہی ہوں یعنی دونوں ایک ہی حرف ہوں، مثلاً دو باء، دو تاء وغیرہ، ان کو مثلین۔ اور ایسے دو حرف جن کا مخرج تو ایک ہو، مگر صفات کے اعتبار سے بالکل ایک نہ ہوں، جیسا کہ دال و تاء اور ذال و ثاء

وغیرہ، ان کو متجانسین۔ اور ایسے دو حرف جو مخرج، یا صفات، یا دونوں کے لحاظ سے قریب قریب ہوں، جیسا کہ قاف و کاف، نون و میم اور لام و راء وغیرہ، ان کو متقاربین کہتے ہیں۔ اور اجتماع کے معنیٰ ہیں: "اکٹھا ہونا"۔ پس:۔

❁ اجتماعِ مثلین کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ایسے دو حرفوں کا اکٹھا ہونا جو مخرج اور صفات دونوں کے لحاظ سے بالکل ایک ہی ہوں، خواہ ایک کلمہ میں ہوں جیسے اِقْتَتَلُوْا میں دو تاء، اور خواہ دو کلموں میں ہوں جیسا کہ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ میں دو ہمزے، اور اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ میں دو عین۔

❁ اجتماعِ متجانسین کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ایسے دو حرفوں کا اکٹھا ہونا جو مخرج کی رو سے تو ایک ہوں لیکن تمام صفات کی رو سے ایک نہ ہوں۔ جیسے عَبَدْتُّمْ میں دال و تاء، اور اِذْ ظَّلَمُوْٓا میں ذال و ظاء۔

❁ اور اجتماعِ متقاربین کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ایسے دو حرفوں کا اکٹھا ہونا جو مخرج یا صفات یا دونوں کی رُو سے قریب قریب ہوں۔ جیسا کہ خَلَقَ كُلَّ میں قاف و کاف قریبُ المخرج ہیں۔ اور مِنْ مَّالٍ میں نون و میم قریبُ الصفات۔ اور رُسُلُ رَبِّكَ میں لام و راء قریبُ المخرج بھی ہیں اور قریبُ الصفات بھی۔

144 **سوال** ادغام کی شرط کیا ہے؟

جواب مدغم یعنی پہلا حرف ساکن ہو، اور مدغم فیہ یعنی دوسرا حرف متحرک ہو، جیسے اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ، وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ اور قُلْ رَّبِّ وغیرہ۔ ان میں سے پہلی مثال مثلین کی ہے، دوسری متجانسین کی، اور تیسری متقاربین کی۔ اور تینوں میں پہلا حرف یعنی پہلی مثال میں باء، دوسری میں تاء اور تیسری میں لام "ساکن" ہے۔ اور اِسی (شرطِ سکون کی) وجہ سے ان میں ادغام ہوتا ہے۔ پس جِبَاهُهُمْ، يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اور خَلَقَ كُلَّ وغیرہ میں ادغام نہ ہوگا، اس لیے کہ ان میں شرطِ ادغام نہیں پائی جاتی، یعنی پہلا حرف ساکن نہیں ہے۔ البتہ پانچ کلمے ایسے ہیں کہ جن میں ادغام کی شرط نہ پائے جانے (یعنی حرفِ اوّل کے ساکن نہ ہونے کے) باوجود بھی

ادغام ہوتا ہے۔ اور وہ پانچ کلمے یہ ہیں:۔

۱ نِعِمَّا دو جگہ (بقرہ:۲۷۱ اور نساء:۵۸)

۲ اَتُحَآجُّوْنِّیْ (انعام:۸۰)

۳ مَكَّنِّیْ (کہف:۹۵)

۴ تَاْمُرُوْنِّیْ (زمر:۶۴)

۵ لَا تَاْمَنَّا (یوسف:۱۱)

یہ کلمات اصل میں نِعْمَ مَا، اَتُحَآجُّوْنَنِیْ، مَكَّنَنِیْ، تَاْمُرُوْنَنِیْ اور لَا تَاْمَنُنَا تھے۔ پس ان میں سے پہلے لفظ یعنی نِعْمَ مَا میں تو پہلا میم اور باقی چار الفاظ میں پہلا نون متحرک تھا، پھر ان کو ساکن کر کے دوسرے میم اور نون میں ادغام کر دیا۔

❁ پھر اگر حرفِ اوّل پہلے ہی سے ساکن ہو جیسا کہ قُلْ رَّبِّ اور عَبَدْتُّمْ جیسی مثالوں میں ہے، تو اس ادغام کو "ادغامِ صغیر" کہتے ہیں۔ اور اگر حرفِ اوّل پہلے سے ساکن نہ ہو بلکہ متحرک ہو جیسا کہ ان پانچ کلموں میں ہے، تو یہ "ادغامِ کبیر" کہلاتا ہے۔

145 **سوال** کیا ان پانچوں کلموں میں صرف ادغام ہی ہوتا ہے، یا کوئی دوسری وجہ بھی ہے؟

جواب پہلے چار میں تو صرف ادغام ہی ہے۔ اور پانچویں یعنی لَا تَاْمَنَّا میں دو وجہیں ہیں:۔ ۱ ادغام ۲ اظہار، لیکن ادغام کے ساتھ اشمام، اور اظہار کے ساتھ رَوم ضروری ہے۔ پس کامل ادغام اور خالص اظہار جائز نہیں۔ چنانچہ:۔

❁ ادغام مَعَ الْاِشْمَام یہ ہے کہ نون کی تشدید اور اس کے غنہ کے ادا کرتے وقت ہونٹوں کو اسی طرح گول کر لیا جائے جس طرح کہ ضمہ میں کیے جاتے ہیں۔ اور پوری کیفیت اس کی استاد کے ہونٹوں کو دیکھ کر ہی سمجھ میں آسکتی ہے۔

❁ اظہار مع الرَّوم یہ ہے کہ پہلے نون کے ضمہ کو کامل طور پر ادا نہ کیا جائے، بلکہ اس کو

سُرعت اور جلدی کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے جس طرح کہ کوئی چیز اُچک لی جاتی ہے۔ اور اس کی صحیح کیفیت بھی استاد کی زبان سے سننے سے ہی معلوم ہوسکتی ہے۔

146

سوال ادغام کے موانع کیا ہیں؟

جواب مثلین میں پہلا حرف جو ساکن ہے، اگر واوٴ مدہ، یا یائے مدہ ہو، تو اسکا واوٴ و یاء متحرک میں۔ اور متجانسین میں پہلا حرف اگر حلقی ہو تو اسکا دوسرے حلقی حروف میں ادغام نہیں ہوتا۔ اسی لیے قَالُوْا وَهُمْ، فِیْ یَوْمٍ اور فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وغیرہ میں ادغام نہیں کرتے، حالانکہ پہلی مثال میں پہلا حرف واوٴ ساکن، دوسری میں یائے ساکن اور تیسری میں حاء ساکن ہے، اور ان کے بعد اسی ترتیب سے واوٴ متحرک، یاء متحرک اور عین متحرک آرہے ہیں۔

پس مثلین میں پہلے حرف کا مدہ[1] ہونا اور متجانسین میں پہلے کا حرفِ حلقی ہونا، یہ دو ادغام کے موانع ہیں، مگر فَقَدِ اهْتَدَوْا وَّاِنْ تَوَلَّوْا جیسی مثالوں میں ادغام ہوگا، کیونکہ ان میں حرفِ اوّل واوٴ لین ہے، مدہ نہیں۔ اور مانع صرف مدہ ہے نہ کہ لین بھی۔ اور اسی طرح اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ میں بھی پہلی ھاء کا جو لام کلمہ ہے، دوسری ھاء میں جو کہ ضمیر کی ہے، ادغام ہوگا۔ اسلئے کہ حرفِ حلقی کا مانع ہونا متجانسین میں ہے مثلین میں نہیں۔

ایسے ہی سورۃ الحاقہ: ۲۸ میں مَالِیَهْ کی ھاء کا بھی وصلاً هَلَكَ کی ھاء میں ادغام ہوگا، البتہ چونکہ یہ ھاء کلمہ کے اصلی حروف میں سے نہیں بلکہ سکتہ کی ہے، اس لیے قراء محققین کے نزدیک اس میں بجائے ادغام کے سکتہ اَولیٰ اور افضل ہے۔ پس اس میں وصلاً دو وجہیں جائز ہیں: ادغام اور اظہار مع سکتہ۔ اور ثانی افضل ہے، خوب سمجھ لو! (از ضوابط نبلاء التجوید)

---

[1] مگر واوٴ مدہ اور واوٴ متحرک کا، ایسے ہی یاء مدہ اور یاء متحرک کا مثلین ہونا صرف فرّاءؒ اور سیبویہؒ کے مذہب کی رو سے ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات مدہ و غیر مدہ کا ایک ہی مخرج بتاتے ہیں۔ رہے خلیلؒ؟ سو ان کے مذہب کی رو سے مدہ و غیر مدہ مثلین نہیں ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک دونوں کا مخرج ایک نہیں ہے بلکہ الگ الگ ہے۔ کہ مدہ کا تو جوف ہے اور غیر مدہ کا شفتین، لہٰذا خلیلؒ کے مذہب کی رو سے مثلین میں کوئی مانع نہیں۔ فافہم

147 سوال ادغام کی سبب کے لحاظ سے کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب تین قسمیں ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: ١ مثلین ٢ متجانسین ٣ متقاربین۔

چنانچہ:۔

* اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جو مثلین ہیں، تو وہ ادغام بھی مثلین کہلائیگا، جیسے اِذْ ذَّهَبَ اور قَدْ دَّخَلُوْا وغیرہ، کہ پہلی مثال میں دو ذال اور دوسری میں دو دال مثلین ہیں۔

* اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جو متجانسین ہیں، جیسے عَبَدْتُّمْ، قَالَتْ طَّآئِفَةٌ اور فَرَّطْتُّ وغیرہ، تو یہ ادغام متجانسین کہلائیگا۔ کیونکہ دال و تاء، تاء و طاء اور ایسے ہی طاء و تاء کا مخرج تو اگرچہ ایک ہی ہے، مگر یہ تمام صفات میں شریک نہیں ہیں۔

* اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے کہ جو متقاربین ہیں، جیسے قُلْ رَّبِّیْ، مِنْ لَّدُنْهُ، اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ اور مِنْ مَّالٍ وغیرہ، تو یہ ادغام متقاربین کہلائے گا۔

اس لیے کہ قاف و کاف تو قریب المخرج ہیں میم و نون قریب الصفات لام و راء، اور نون و لام قریب المخرج بھی ہیں اور قریب الصفات بھی۔

148 سوال ادغام کے سبب کتنے اور کیا کیا ہیں؟

جواب تین ہیں:۔ ١ تماثُل ٢ تجانُس ٣ تقارُب۔ (پس مثلین میں ادغام کا سبب تماثل، متجانسین میں تجانس اور متقاربین میں تقارب ہوتا ہے)۔

149 سوال ادغام کی کیفیت کے اعتبار سے کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں؟

جواب دو قسمیں ہیں:۔ ١ تام ٢ ناقص۔ کیونکہ:۔

* اگر مدغم کو مدغم فیہ سے بالکل بدل کر اس طرح ادغام کیا جائے کہ مدغم کی کوئی صفت بھی باقی نہ رہے، تو یہ ادغام تام کہلاتا ہے، جیسے قُلْ رَّبِّ، مِنْ لَّدُنْهُ اور عَبَدْتُّمْ وغیرہ کہ ان میں "لام" راء سے۔ "نون" لام سے۔ اور "دال" تاء سے بالکل بدل جاتا ہے۔

❋ اور اگر "مُدغم" "مُدغَم فیہ" سے پوری طرح نہ بدلے بلکہ اس کی کوئی صفت باقی رہے، تو یہ ادغامِ ناقص کہلاتا ہے، جیسے مَنۡ يَّقُوۡلُ، مِنۡ وَّلِيٍّ اور فَرَّطۡتُّمۡ وغیرہ، کہ ان میں "نون" واوَ ویاء سے۔ اور اسی طرح "طاء" تاء سے بالکل نہیں بدلتا، بلکہ مَنۡ يَّقُوۡلُ اور مِنۡ وَّلِيٍّ وغیرہ میں تو نون کی صفتِ غنہ کو اور فَرَّطۡتُّمۡ جیسی مثالوں میں طاء کی صفتِ اطباق کو باقی رکھ کر ادغام کرتے ہیں۔ اور یہی مطلب ہے ناقص کا، کہ حرفِ مدغم کی کوئی صفت باقی رہے۔

150 **سوال** سبب اور کیفیت، دونوں کے اعتبار سے ادغام کی کل کتنی قسمیں بنتی ہیں؟

جواب عقلاً تو چھ بنتی ہیں، جو یہ ہیں:۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶
مثلین تام	مثلین ناقص	متجانسین تام	متجانسین ناقص	متقاربین تام	متقاربین ناقص

مگر ان میں سے پائی صرف پانچ جاتی ہیں، اس لیے کہ دوسری قسم یعنی "مثلین ناقص" نہیں پائی گئی۔ کیونکہ کسی حرف کا ادغام جب اسکے مثل میں ہوتا ہے تو وہ تام ہی ہوتا ہے، ناقص نہیں ہوتا۔ پس وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ جیسی مثالوں میں میم کا ادغام میم میں اور نون کا نون میں تام ہی ہے، ناقص نہیں۔ اور غنہ سے ناقص ہونے کا شبہ نہ کیا جائے، اس لیے کہ یہ غنہ تشدید کی بناء پر ہے، واللہ اعلم۔ اور یہی وجہ ہے کہ لفظ اَللّٰه اور اَللّٰهُمَّ کے دونوں لام پُر پڑھے جاتے ہیں، کیونکہ اس میں بھی پہلے لام کا دوسرے لام میں ادغام ہی ہوا ہے۔ پس اگر پہلے لام کو باریک اور دوسرے کو پُر پڑھا جائے گا تو لازم آئے گا ادغام مثلین میں مدغم کا مدغم فیہ سے پورے طور پر نہ بدلنا۔ اور یہی تعریف ہے ناقص کی۔ اور مثلین میں ناقص ہوتا نہیں۔

ادغام کی صورتیں

151 **سوال** ادغام مثلین کی قرآن مجید میں کل کتنی صورتیں آئی ہیں؟

جواب ادغام مثلین کی قرآن مجید میں کل صورتیں چودہ [۱۴] پائی گئی ہیں:۔

۱ بار کا بار میں جیسے اِذْهَبْ بِّكِتٰبِىْ (نمل:۲۸)

۲ تار کا تار میں جیسے فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (بقرہ:۱۶)

۳ دال کا دال میں جیسے قَدْ دَّخَلُوْا (مائدہ:۶۱)

۴ ذال کا ذال میں جیسے اِذْ ذَّهَبَ (انبیاء:۸۷)

۵ رار کا رار میں جیسے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ (آل عمران:۴۱، اعراف:۲۰۵، کہف:۲۴)

۶ عین کا عین میں جیسے تَسْطِعْ عَّلَيْهِ (کہف:۷۸، ۸۲)

۷ فار کا فار میں جیسے فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ (اسراء:۳۳)

۸ کاف کا کاف میں جیسے يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ (نساء:۷۸)

۹ لام کا لام میں جیسے قُلْ لَّكُمْ (بقرہ:۳۳، اعراف:۲۲، یوسف:۹۶، سبا:۳۰، قلم:۲۸)

۱۰ میم کا میم میں جیسے وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ (توبہ:۵۶، مجادلہ:۱۴)

۱۱ نون کا نون میں جیسے مِنْ نّٰصِرِيْنَ (آل عمران:۲۲، ۵۶، ۹۱، نحل:۳۷، عنکبوت:۲۵، روم:۲۹، جاثیہ:۳۴)

۱۲ واؤ کا واؤ میں جیسے اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (مطففین:۳)

۱۳ ھار کا ھار میں جیسے اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ (نحل:۷۶)

۱۴ یار کا یار میں جیسے بِيَدَىَّ ۱ (صٓ:۷۵)

سوال ادغام متجانسین کی قرآن مجید میں کل کتنی صورتیں پائی گی ہیں۔ ان میں سے تام کی کتنی ہیں اور ناقص کی کتنی؟

جواب ادغام متجانسین کی کل صورتیں قرآن مجید میں سات پائی گئی ہیں۔ ان میں سے چھ تام کی ہیں اور ایک ناقص کی۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱ اگرچہ اس میں دال کے بعد لکھی ہوئی تو صرف ایک ہی یار ہے، لیکن اصل میں دو ہی ہیں:۔ پہلی تثنیہ کی ہے اور دوسری ضمیر متکلم کی۔ مگر دوسری یار چونکہ یک حرفی کلمہ ہے، اس لیے قرآن کے کاتبوں نے تلفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ہی کے لکھنے پر اکتفاء کیا ہے۔ واللہ اعلم

۱ تاء کا دال میں جیسے اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰـهَ (اعراف:۱۸۹)

۲ تاء کا طاء میں جیسے قَالَتۡ طَّآئِفَـةٌ (آل عمران:۷۲، احزاب:۱۳)

۳ دال کا تاء میں جیسے قَدۡ تَّبَيَّـنَ (بقرہ:۲۵۶، عنکبوت:۳۸)

۴ ذال کا ظاء میں جیسے اِذۡ ظَّلَمُوۡا (نساء:۶۴)

۵ ثاء کا ذال میں جیسے يَلۡهَثۡ ؕ ذّٰلِكَ (بحالتِ وصل) (اعراف:۱۷۶)

۶ باء کا میم میں جیسے اِرۡكَبۡ مَّعَنَا (ہود:۴۲)

۷ طاء کا تاء میں جیسے بَسَطۡتَّ (مائدہ:۲۸)، فَرَّطۡتُّ (زمر:۵۶)، فَرَّطۡتُّمۡ (یوسف:۸۰) اور اَحَطۡتُّ (نمل:۲۲)

ان میں سے پہلی چھ صورتیں تو تام کی ہیں اور ساتویں ناقص کی۔ اور اس ساتویں صورت کے یہی چار کلمے قرآن مجید میں آئے ہیں۔ پس اس میں طاء کی صفتِ استعلاء اور اطباق کو باقی رکھ کر اسکا تاء میں اس طرح ادغام کرنا چاہیئے کہ طاء تو پُر ادا ہو اور تاء باریک، مگر قلقلہ نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اگر قلقلہ کیا جائیگا تو پھر ادغام نہیں رہے گا بلکہ اظہار ہو جائیگا۔ خوب سمجھ لو۔ (باقی رہی صحیح ادائیگی؟ سو وہ استاد کے بتلانے اور اسکے موافق مشق کرنے سے ہی آسکتی ہے)۔

※ اور گو ایک صورت قرآن مجید میں اجتماعِ متجانسین کی اور بھی ہے، مگر مانع ہونے کی وجہ سے وہاں ادغام نہیں ہوتا۔ اور وہ فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ میں حاء اور عین کا اجتماع ہے۔ یہ دونوں اگرچہ متجانسین تو ہیں اور پہلا ساکن بھی ہے، مگر چونکہ وہ حلقی ہے اس لیے اس کا ادغام نہیں ہوتا۔ پس اجتماعِ متجانسین کی تو آٹھ صورتیں قرآن میں آئی ہیں، مگر ادغام متجانسین کی سات ہی ہیں۔ گو لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وغیرہ میں بھی اجتماعِ متجانسین ہے، لیکن اس میں سرے سے ادغام کی شرط ہی نہیں پائی جاتی۔

۱ البتہ پانچویں اور چھٹی صورت یعنی يَلۡهَثۡ ذّٰلِكَ اور اِرۡكَبۡ مَّعَنَا میں اظہار بھی جائز ہے مگر بطریقِ جزری۔ اور شاطبی کے طریق سے ان میں ادغام ہی ضروری ہے۔

153 **سوال** روایتِ حفص رحمہ اللہ کے موافق ادغام متقاربین کی کتنی اور کیا کیا صورتیں ہیں۔ نیز ان میں سے تام کی کتنی ہیں اور ناقص کی کتنی؟

جواب لام تعریف کے حروفِ شمسیہ میں ادغام کے علاوہ، ادغام متقاربین کی بھی روایتِ حفصؒ کے موافق قرآن مجید میں کل سات صورتیں ہی آئی ہیں۔ جن میں سے تین تام کی ہیں، دو ناقص کی، ایک میں خُلف ہے (یعنی تام و ناقص دونوں جائز ہیں)، اور ایک مختلف فیہ (یعنی بعض اس کو تام کہتے ہیں اور بعض ناقص)۔ تفصیل ان کی یہ ہے :۔

۱ نون ساکن وتنوین کا لام میں جیسے مِنْ لَّدُنْهُ، هُدًى لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ۔

۲ ان ہی دونوں حرفوں کا راء میں جیسے مِنْ رَّبِّهِمْ، ثَمَرَةٍ رِّزْقًا۔

۳ لام کا راء میں جیساکہ قُلْ رَّبِّ۔ (یہ تین صورتیں تو ادغام متقاربین تام کی ہیں)۔

۴ نون ساکن وتنوین کا واؤ میں جیسے مِنْ وَّلِيٍّ، مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةٌ۔

۵ ان ہی دو حرفوں کا یاء میں جیساکہ مِنْ يَّوْمِهِمْ، يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ۔ (یہ دونوں صورتیں متقاربین ناقص کی ہیں، کہ ان میں نون کی صفتِ غنہ کو باقی رکھ کر ادغام کیا جاتا ہے)۔

۶ قاف کا کاف میں جیسے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ۔ (اس میں دونوں طرح کا ادغام جائز ہے: تام بھی اور ناقص بھی، مگر تام اَولیٰ ہے۔ پس تام میں تو قاف کو بالکل کاف سے بدل کر اور ناقص میں قاف کی صفتِ استعلاء کو باقی رکھ کر ادغام کیا جاتا ہے)۔

۷ نون ساکن وتنوین کا میم میں جیساکہ مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ وغیرہ۔ (پس اس میں بعض کے قول پر تو غنہ مدغم کا ہے، اور بعض کے قول پر مدغم فیہ کا۔ پہلی صورت پر ناقص ہے اور دوسری پر تام، مگر یہ اختلاف صرف لفظی ہے، ادا پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ ہر دو اقوال کی رو سے یکساں ہی ہے، خوب سمجھ لو)۔

فصل پنجم

تسہیل، اِبدال اور حذف کے بیان میں

154 سوال یہ صفات کن حرفوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور ان کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب ان میں سے تسہیل وابدال تو ہمزہ کے ساتھ ہی خاص ہیں کہ اسکے سوا نہ تو کسی اور حرف میں تسہیل ہوتی ہے اور نہ ہی ابدال۔ جبکہ حذف ہمزہ میں بھی ہوتا ہے اور حروفِ مدہ میں بھی۔ لیکن اس فصل میں صرف ہمزہ ہی سے متعلق احکام بیان ہوں گے۔ (اور حروفِ مدہ کے حذف کا موقع اسکے بعد چھٹی فصل میں بیان کیا جائے گا)۔

تسہیل: اسکے لغوی معنیٰ ہیں "آسان کرنا"۔ اور اصطلاح میں تسہیل سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ کو نہ تو ایسی سختی کیساتھ ادا کیا جائے جو اس کیلئے بوجہ جہر و شدت ضروری ہے، اور نہ ہی اتنا نرم ادا کیا جائے کہ وہ الف [1] سے بالکل بدل ہی جائے۔ بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان اس طرح ادا کیا جائے کہ نرم تو ہو لیکن اس کی ماہیئت نہ بدلے، بس اسی کو تسہیل کہتے ہیں۔

اِبدال: اس کے معنیٰ ہیں "بدلنا"۔ اور فن میں ابدال کہتے ہیں: ہمزہ کو اس کی حرکت کے موافق حرفِ مد سے بدل کر پڑھنے کو۔ اور اگر ہمزہ ساکن ہو تو ابدال کرنے میں اس سے پہلے والے حرف کی حرکت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

حذف: اس کے معنیٰ ہیں "گرا دینا"۔ اور یہاں حذف سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ کو تلفظ سے گرا دیا جائے، یعنی اس کو پڑھا نہ جائے۔

[1] اور گو تسہیل ہمزہ مضمومہ اور ہمزہ مکسورہ میں بھی ہوتی ہے، لیکن روایتِ حفص رحمہ اللہ میں چونکہ صرف ہمزہ مفتوحہ ہی میں آئی ہے، اس لیے متن میں صرف الف ہی کا ذکر کیا ہے۔ فافہم

ہمزہ کی قسمیں اور اس کے احکام

155 سوال ہمزہ کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب دو قسمیں ہیں: ۱ اصلی ۲ زائدہ

❋ اصلی وہ ہمزہ ہے جو حروفِ اصلیہ یعنی فاء، عین، لام، ان تین میں سے کسی حرف کے مقابلہ میں واقع ہو۔ جیسے اَمَرَ، سَاَلَ اور بَدَاَ کا ہمزہ۔

❋ زائدہ وہ ہمزہ ہے جو ان حرفوں میں سے کسی کے مقابلہ میں نہ ہو۔ جیسے اٰمَنَ، اِیْمَانًا، یا اِمْرُؤٌا اور اِمْرَاَۃٌ کے شروع کا ہمزہ۔

پھر ہمزۂ زائدہ کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱ قطعی ۲ وصلی

156 سوال ہمزہ قطعی کون سا ہے۔ اور ہمزہ وصلی کون سا؟

جواب :۔

❋ حرفوں میں سے صرف اَلْ کا ہمزہ جیسے اَلْحَقُّ، اَلْحُکْمُ اور اَلْحَمْدُ وغیرہ۔

❋ اسموں میں سے اِسْمٌ، اِبْنٌ، اِبْنَتٌ، اِمْرُؤٌا، اِمْرَاَۃٌ، اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ، ان سات لفظوں کا ہمزہ۔

❋ بابِ اِفعال کے سوا ثُلاثی مزید اور رُباعی مزید کے مَصادِر کا ہمزہ۔

❋ اَفعال میں سے ثُلاثی مجردوں کے امر حاضر کا ہمزہ۔

❋ ثُلاثی مزیدوں میں سے بابِ اِفعال کے سوا باقی بابوں کی، اور اسی طرح رُباعی مزید اور مُلحقات کے تمام ابواب کی ماضی معروف اور ان کی ماضی مجہول اور امر حاضر کے ہمزے، یہ تو وصلی ہیں۔

❋ اور ان کے ماسوا ہر ہمزہ قطعی ہے جیسا کہ اِنْ، اِذْ، اِذَا، اِنْسٌ، اِرَمَ، اِکْرَامٌ،

اَبۡرَمُوۡا، اُخۡرِجَتۡ اور وَاَقۡسِطُوۡا کا ہمزہ۔

157 **سوال** ان دونوں قسموں کے ہمزوں کا کیا حکم ہے؟

جواب حکم ان دونوں کا یہ ہے، کہ:۔

* ہمزہ قطعی تو وصل اور ابتدا دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے۔
* جبکہ ہمزہ وصلی ابتدا کی حالت میں تو ثابت رہتا ہے۔ اور وصل یعنی ماقبل سے ملاکر پڑھنے کی صورت میں حذف ہو جاتا ہے۔

اسی لیے وَاِنۡ كَانُوۡا، وَاِذۡ جَعَلۡنَا، وَاِذَا مَرُّوۡا، وَالۡاِنۡسِ، بِعَادٍ۝ اِرَمَ، وَالۡاِكۡرَامِ، لَاۤ اُقۡسِمُ، وَمَنۡ اَظۡلَمُ، اَمۡ اَبۡرَمُوۡا، اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ، وَاَقۡسِطُوۡا جیسی مثالوں میں ہمزہ دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے۔

اور رَبِّ الۡعَرۡشِ، تَبٰرَكَ اسۡمُ، عُزَيۡرُ ۨابۡنُ، مَرۡيَمَ ابۡنَتَ، اَبُوۡكِ امۡرَاَ، قَالَتِ امۡرَاَتُ، عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا، مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ، نُفُوۡرَاۨ ۨاسۡتِكۡبَارًا، قَالُوا اقۡتُلُوۡهُ، اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ، خَبِيۡثَةِ ۨاجۡتُثَّتۡ، اٰمَنُوا اتَّقُوۡا وغیرہ کا ہمزہ ابتدا کی صورت میں تو ثابت رہتا ہے اور ماقبل سے ملاکر پڑھنے کی صورت میں حذف ہو جاتا ہے، چنانچہ ان مثالوں میں ماقبل سے ملاکر ہی دکھایا گیا ہے۔

کسی کلمہ میں دو ہمزوں کے جمع ہونے کے احکام

158 **سوال** کسی کلمہ میں دو ہمزوں کے جمع ہونے کی کتنی اور کیا کیا صورتیں ہیں۔ اور نیز حذف وابدال اور تسہیل میں سے کس صورت میں کون سی صفت پائی جاتی ہے؟

جواب دو ہمزوں کے جمع ہونے کے اجمالی صورتیں تو دو ہی ہیں:۔ ① دونوں متحرک ② اوّل متحرک، ثانی ساکن۔ اور تفصیلی صورتیں اس کی پانچ ہیں:۔

۱ دونوں متحرک: اور دونوں قطعی: جیسے ءَاَلِدُ، ءَاُنْزِلَ، ءَاِنَّكَ وغیرہ۔

۲ دونوں متحرک: مگر پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مفتوح: جیسے آٰللّٰهُ اور آٰلْـٰٔنَ وغیرہ کہ اصل میں یہ ءَاَللّٰهُ اور ءَاَلْـٰٔنَ تھے۔

۳ دونوں متحرک: پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مکسور: جیسے اَسْتَكْبَرْتَ اور اَطَّلَعَ وغیرہ کہ اصل میں یہ ءَاِسْتَكْبَرْتَ اور ءَاِطَّلَعَ تھے۔

۴ اوّل قطعی متحرک اور دوسرا ساکن: جیسے اٰمَنَ، اِیْمَانًا کہ اصل میں یہ ءَاْمَنَ اِئْمَانًا تھے۔

۵ پہلا متحرک وصلی اور دوسرا ساکن: جیسے اِیْتُوْنِیْ اور اُوْتُمِنَ وغیرہ، کہ اصل میں یہ اِئْتُوْنِیْ اور اُئْتُمِنَ تھے۔

اور حکم ان صورتوں کا یہ ہے کہ:۔ پہلی صورت میں صرف ایک کلمہ میں تسہیل اور باقی ہر جگہ تحقیق۔ دوسری صورت میں تسہیل و ابدال دونوں، مگر ابدال اَولیٰ ہے۔ تیسری میں صرف حذف۔ چوتھی میں صرف ابدال۔ اور پانچویں میں ایک حالت میں ثانی ہمزہ کا ابدال اور دوسری حالت میں پہلے ہمزہ کا حذف۔ (اور تفصیل اس سب کی ابھی معلوم ہوگی)۔

159 **سوال** ان پانچوں صورتوں اور ان کے احکام کی تفصیل کیا ہے؟

جواب :۔

پہلی صورت: یعنی دونوں متحرک اور دونوں قطعی: اس کا حکم یہ ہے کہ ہر جگہ دونوں ہمزوں کو خوب تحقیق کے ساتھ ان کی صفتِ جہر وشدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے، جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ اور ءَاَسْجُدُ وغیرہ، البتہ سورۂ فُصِّلَت: ۴۴ میں یعنی چوبیسویں پارے کے ختم کے قریب لفظ ءَاَعْجَمِيٌّ کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل ضروری ہے۔ اور اس کو تحقیق سے پڑھنا جائز نہیں۔ بس اس ایک کلمہ کے سوا حضرت حفص رحمہ اللہ کی روایت میں اور کسی قطعی ہمزہ میں تسہیل

نہیں ہے۔

دوسری صورت: یعنی دونوں متحرک، مگر پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مفتوح: اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے میں تو تحقیق ہی ضروری ہے، اور دوسرے میں دو وجہیں ہیں: ① ابدال ② تسہیل۔ اور ایسے کلمے سارے قرآن میں صرف تین ہیں، جو چھ جگہ آئے ہیں، (اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دو دو جگہ آیا ہے)۔ اور وہ یہ ہیں:۔

١ آٰللّٰهُ دو جگہ (سورۂ یونس:۵۹، اور نمل:۵۹)

٢ آٰلْـٰٔنَ دو جگہ (سورۂ یونس:۵۱، اور ۹۱)

٣ آٰلذَّكَرَيْنِ دو جگہ (سورۂ انعام:۱۴۳، ۱۴۴)

پس ان چھیوں کلموں میں "دوسرے ہمزہ" کو:۔

* خالص الف سے بدلکر آٰللّٰهُ، آٰلْـٰٔنَ، آٰلذَّكَرَيْنِ پڑھنا بھی جائز ہے۔
* اور تسہیل کر کے ءَآللّٰهُ، ءَآلْـٰٔنَ اور ءَآلذَّكَرَيْنِ پڑھنا بھی۔

اور یہ اس لیے کہ ہمزۂ وصلی کا حذف عَرَبِیَّت اور قراءة دونوں کی رو سے مُسَلَّم ہے، مگر ان موقعوں میں حذف کرنے سے چونکہ انشاء اور خبر میں اِلتِباس ہو جاتا ہے، یعنی یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ جملہ اِنْشَائِیَّہ ہے یا خَبَرِیَّہ، اس لیے حذف نہیں کیا گیا۔

رہا اِثبات؟ سو وہ چونکہ ہمزۂ قطعی کے احکام میں سے ہے اس لیے ثانی میں تَغَیُّر ضروری تھا۔ اور تغیر کی دو صورتیں ہیں:۔ ① ابدال ② تسہیل، اور یہاں یہ دونوں ہی جائز ہیں۔ اور چونکہ ابدال میں تَغَیُّرِ تام ہے، اس لیے یہ اَولیٰ ہے۔

تیسری صورت: یعنی پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مکسور: جیسے ءَاِسْتَكْبَرْتَ وغیرہ، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہمزہ ثانی کو اس کے عام قاعدہ کی رو سے حذف ہی کیا جائے گا۔ اس لیے کہ ان موقعوں میں حذف کرنے سے کسی قسم کا التباس نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید میں اس صورت

کے صرف سات کلمے آئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱ اَتَّخَذْتُمْ (بقرہ:۸۰)

۲ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ (مریم:۷۸)

۳ اَفْتَرٰی (سبا:۸)

۴ اَصْطَفَی الْبَنَاتِ (صافات:۱۵۳)

۵ اَتَّخَذْنٰهُمْ (صٓ:۶۳)

۶ اَسْتَكْبَرْتَ (صٓ:۷۵)

۷ اَسْتَغْفَرْتَ (منافقون:۶)

چوتھی صورت: یعنی پہلا متحرک قطعی اور دوسرا ساکن: جیسے اٰمَنَ، اِیْمَانًا وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس دوسرے ساکن ہمزہ کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرفِ مد سے بدلنا واجب ہے، عام ہے کہ اس کلمہ سے ابتداء کریں یا اوپر سے ملاکر پڑھیں، دونوں حالتوں میں ابدال ہی ہوگا۔

پانچویں صورت: یعنی پہلا وصلی اور دوسرا ساکن: جیسے اِئْتُوْنِیْ، اُؤْتُمِنَ وغیرہ۔ اسکا حکم یہ ہے کہ اگر اس کلمہ سے ابتداء کی جائے تب تو ثانی ہمزہ کا یہاں بھی اٰمَنَ، اِیْمَانًا کی طرح ابدال واجب ہے۔ اور اگر ماقبل سے ملاکر پڑھیں گے تو ابدال نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں پہلا ہمزہ وصلی ہونے کی وجہ سے حذف ہو جائیگا، اور ہمزہ ساکنہ اس سے پہلے والے حرف کے ساتھ مل کر تحقیق کے ساتھ بغیر ابدال کے ادا ہوگا۔ چنانچہ اِیْتُوْنِیْ اور اُوْتُمِنَ کو اگر فِی السَّمٰوٰتِ اور اَلَّذِیْ سے ملاکر پڑھیں گے تو اس طرح پڑھیں گے: فِی السَّمٰوٰتِ ائْتُوْنِی اور اَلَّذِی اؤْتُمِنَ۔ خوب سمجھ لو۔

ہمزۂ وصلی کی حرکت

160 سوال ہمزہ وصلی پر کون سی حرکت پڑھنی چاہیئے؟

جواب :-

※ اَلْ کا ہمزہ تو ہمیشہ مفتوح ہی ہوتا ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ، اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِیْمُ اور اَلْجَنَّـةَ وغیرہ۔

※ وہ سات اسم جو فصل کے شروع میں بیان ہو چکے ہیں یعنی اِسْمٌ، اِبْنٌ، اِبْنَتٌ، اِمْرُؤٌا، اِمْرَاَةٌ، اِثْنَانِ، اِثْنَتَانِ، ان کا اور بابِ اِفعال کے سوا ثُلاثی مزید، رُباعی مزید اور مُلحقاتِ بَرُباعی کے مَصادِر کا ہمزہ ہمیشہ مکسور ہوگا، جیسے اِمْرَاَةٌ اور اِنْتِقَامٌ وغیرہ۔

※ اور فعل کے ہمزہ کی حرکت میں تفصیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تو ہمزہ سمیت فعل کا تیسرا حرف مضموم بضمہ اصلی ہوگا تب تو ہمزہ بھی مضموم ہی پڑھا جائے گا، جیسے اُقْتُلُوْا، اُنْظُرُوْا وغیرہ۔

اور اگر تیسرا حرف مکسور، یا مفتوح، یا مضموم بضمہ عارضی ہوگا، تو ان تینوں صورتوں میں ہمزہ مکسور ہوگا، جیسا کہ اِضْرِبْ، اِذْهَبْ اور اِتَّقُوْا وغیرہ۔ کیونکہ اِتَّقُوْا اصل میں اِتَّقِيُوْا تھا، پھر قاف کے کسرہ کو گرانے کے بعد یاء کا ضمہ نقل کر کے اس کو دے دیا، اور یاء کو حذف کر دیا، تو اِتَّقُوْا ہوگیا۔ پس قاف کا ضمہ عارضی ہے۔

فصل ششم

اجتماعِ سَاکِنَیْن (علیٰ حَدِّہٖ وعلیٰ غیرِحَدِّہٖ) کے بیان میں

161 سوال اجتماع ساکنین کے کیا معنیٰ ہیں۔ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب اجتماع ساکنین کے معنیٰ ہیں: "دو ساکن حرفوں کا جمع ہونا" اور اسکی دو قسمیں ہیں:۔

١ علیٰ حدّہٖ ٢ علیٰ غیرِحدّہٖ

162 سوال اجتماع ساکنین علیٰ حدّہٖ کی تعریف اور اس کا حکم کیا ہے؟

جواب اگر دو ساکن حرف اس طرح جمع ہوں کہ پہلا مدہ ہو، اور دونوں ہوں بھی ایک ہی کلمہ میں، جیسے دَآبَّةٍ، آٰلْـٰٔنَ اور الٓـمّٓ وغیرہ، تو یہ اجتماع ساکنین علیٰ حدّہٖ کہلاتا ہے۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ حالَتَین (یعنی وقف وصل) میں باقی رہتا ہے۔ چنانچہ تم الٓـمّٓ، یٰسٓ یا ان کے علاوہ دوسرے حروفِ مُقَطَّعَات پر وقف کرو، اور خواہ ان کو مابعد سے ملاکر پڑھو، یہ دونوں حالتوں میں ساکن ہی پڑھے جائیں گے۔ البتہ سورۂ آل عمران کے شروع میں میم کو لفظ اَللّٰـهُ سے ملاکر پڑھنے کی صورت میں اس پر عارضی طور پر حرکت آجاتی ہے۔ (جس کا بیان تم ان شاء اللّٰہ کچھ آگے چل کر اسی فصل میں پڑھ لو گے)۔

163 سوال اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ کی تعریف اور اس کا حکم کیا ہے؟

جواب اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ وہ ہے کہ جس میں علیٰ حدّہٖ کی دو شرطوں میں سے ایک، یا دونوں ہی نہ پائی جائیں۔ جس کی تین صورتیں بنتی ہیں:۔

١ دونوں ساکن ایک کلمہ میں تو ہوں مگر پہلا مدہ نہ ہو: جیسے اَلْقَدْرِ، اَلْعُسْرَ اور ذِی الذِّكْرِ وغیرہ۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ وقفاً تو دونوں ساکن باقی رہتے ہیں، اور وصلاً نہیں رہتے بلکہ دوسرے پر حرکت آجاتی ہے۔ چنانچہ اگر ان کلمات پر وقف کیا جائے گا تب تو ان کی

راء ساکن پڑھی جائے گی، اور اگر مابعد سے ملاکر پڑھے جائیں گے تو اس صورت میں یہ ساکن نہیں رہے گی بلکہ متحرک پڑھی جائے گی۔

۲ پہلی صورت کے برعکس یعنی پہلا ساکن مدہ تو ہو مگر دونوں ایک کلمہ میں نہ ہوں: جیسے قَالَا الْحَمْدُ، قَالُوا الْئٰنَ اور فِي الْاَرْضِ وغیرہ، کہ یہ اصل میں قَالَا - اَلْحَمْدُ، قَالُوْا - اَلْئٰنَ اور فِيْ - اَلْاَرْضِ تھے، پھر ہمزۂ وصلی کے درجِ کلام میں ساقط ہو جانے کی وجہ سے دو ساکن جمع ہو گئے، جس کی صورت یہ ہے کہ پہلا ساکن مدہ تو ہے مگر دونوں ایک کلمہ میں نہیں ہیں۔ حکم اس کا یہ ہے کہ پہلا حذف ہو جاتا ہے، جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ (اور حروفِ مدہ کے حذف کا یہی وہ موقعہ ہے جس کے بتانے کا وعدہ اس سے پہلی فصل میں کیا تھا)۔

۳ دونوں ہی شرطیں مفقود ہوں: جیسے قُلِ الْحَقُّ، قُلِ الْحَمْدُ اور قَدِيْرُ ۨالَّذِيْ کہ یہ اصل میں قُلْ - اَلْحَقُّ، قُلْ - اَلْحَمْدُ اور قَدِيْرٌ - اَلَّذِيْ تھے، پھر ہمزہ وصلی کے حذف ہو جانے کے بعد دو ساکن جمع ہو گئے، اور ان میں سے نہ تو پہلا ساکن مدہ ہے اور نہ ہی دونوں ایک کلمہ میں ہیں۔ حکم اس کا یہ ہے کہ پہلے ساکن کو کسرہ دیتے ہیں، خواہ پہلا ساکن تنوین کا نون ہو، یا کوئی اور حرف [1] جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہے۔ البتہ چار قسم کے ساکن ایسے ہیں جن پر کسرہ نہیں آتا، بلکہ ان میں سے دو پر تو ضمہ آتا ہے اور دو پر فتحہ:-

الف جن دو پر ضمہ آتا ہے، وہ یہ ہیں:-

① جمع کا میم: جیسے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ، عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اور بِهِمُ الْاَسْبَابُ وغیرہ

② لین کا وہ واؤ جو جمع کیلئے ہو: جیسے دَعَوُا اللّٰهَ اور رَاَوُا الْعَذَابَ وغیرہ، کہ اصل میں یہ دَعَوْا اور رَاَوْا تھے۔

---

[1] اور جیسے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ (حجرات:۱۱) کہ اس میں بھی چونکہ اَلْ اور اِسْمُ دونوں کے ہمزے وصلی ہیں، اس لیے ان کے حذف ہو جانے کے بعد لام پر کسرہ کی حرکت آجاتی ہے، اور وہ اِسْمُ کے سین سے مل کر ادا ہوتا ہے۔

ب اور وہ دو جن پر فتحہ آتا ہے، یہ ہیں:۔

① مِنْ جارہ کا نون: جیسے مِنَ اللّٰہِ اور مِنَ النَّاسِ وغیرہ

② سورۂ آلِ عمران کے شروع میں الٓمّٓ کا میم، جبکہ اس کو لفظ اَللّٰہُ سے ملا کر پڑھا جائے: اور اس صورت میں میم کی یاء میں مد اور قصر دونوں جائز ہیں۔ مگر خیال رہے کہ میم کا دوسرا میم مشدد نہ ہونے پائے۔ بعض لوگ وصل کی صورت میں یاء کے بعد والے میم کو مشدد پڑھتے ہیں، جو بالکل غلط اور نادُرست ہے۔

164 **سوال** کیا حرفِ مد کے حذف کا یہ حکم جس کا ذکر دوسری صورت میں کیا گیا ہے، عام ہے، جو ہر قسم کے مدہ کو شامل ہے، یا تثنیہ کا الف اس سے مُستثنیٰ ہے۔ کیونکہ بعض لوگ تثنیہ کے الف کو اس خیال سے کہ اسکے حذف کرنے سے تثنیہ اور واحد میں التباس ہو جاتا ہے، مد لازم کی طرح بڑھا کر، اور بعض اس میں قدرے اِشباع کر کے پڑھتے ہیں؟

جواب یہ حکم ہر قسم کے مدہ کو شامل ہے، خواہ وہ تثنیہ کا الف ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ جس طرح تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ میں الف کا حذف ہے اسی طرح ذَاقَا الشَّجَرَةَ (اعراف:۲۲)، دَعَوَا اللّٰهَ (اعراف:۱۸۹)، وَاسْتَبَقَا الْبَابَ (یوسف:۲۵)، وَقَالَا الْحَمْدُ (نمل:۱۵) کے الف کو حذف کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کو مد لازم کی طرح کھینچ کر، یا اس میں کچھ اشباع کر کے پڑھنا جیسا کہ بعض لوگوں کا طریقہ ہے، صحیح نہیں۔ قراءۃ اور عربیّت دونوں کی رو سے غلط ہے۔ رہا واحد اور تثنیہ میں التباس کا اندیشہ؟ سو وہ ان کلمات کے ماقبل اور مابعد والے صیغوں کو دیکھ کر دور ہو جاتا ہے، کیونکہ ان چاروں لفظوں کے جانبَین میں تمام صیغے تثنیہ ہی کے ہیں۔ پھر یہ کہ گو یہ الف پڑھنے میں نہیں آتا لیکن لکھا ہوا تو ہے! جسے دیکھ کر ان کا واحد کا صیغہ نہ ہونا اور تثنیہ کا ہونا بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔

فصل ہفتم

حرکات،سکون،تشدید اور ان کی کیفیتِ ادا کی بحث

165 **سوال** حرکات کتنی ہیں، ان کے نام کیا کیا ہیں۔ اور جس حرف پر حرکت ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟

جواب حرکات تین ہیں اور ان کے نام یہ ہیں: فَتْحَہ (زبر)، ضَمَّہ (پیش)، کسرہ (زیر)۔

- فتحہ جیسے اَلْحَمْدُ کے ہمزہ اور حاء پر۔
- ضَمَّہ جیسے یُقِیْمُوْنَ کی یاء اور میم پر۔
- کسرہ جیسے لِلّٰہِ کے پہلے لام اور ھاء پر۔

پھر یہ سمجھو کہ جس حرف پر فتحہ ہو اس کو مفتوح، جس پر ضمہ ہو اس کو مضموم اور جس پر کسرہ ہو اس کو مکسور کہتے ہیں۔ پس اَلْحَمْدُ میں ہمزہ اور حاء مفتوح، یُقِیْمُوْنَ میں یاء اور میم مضموم اور لِلّٰہِ میں پہلا لام اور ھاء مکسور کہلاتے ہیں۔ مفتوح، مضموم اور مکسور، ان تینوں کو متحرک کہتے ہیں۔

- فتحہ کا دوسرا نام نَصَب، ضمہ کا دوسرا نام رفَع اور کسرہ کا دوسرا نام جَر بھی ہے۔

تنبیہ: گو فتحہ اور نصب میں، ایسے ہی ضمہ اور رفع میں، اور کسرہ اور جر میں علماء نحو کے نزدیک کچھ فرق ہے، مگر چونکہ ادا اور تلفظ کے لحاظ سے ان میں فرق نہیں ہے، اس لیے یہاں اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

166 **سوال** ان تینوں حرکتوں کی کیفیتِ ادا کیا ہے؟

جواب :-

- فَتْحَہ: اِنفتاحِ فَم اور صَوت (یعنی منہ اور آواز کے کُھلنے) سے۔

* کسرہ: اِنْخِفَاضِ فَم اور صوت (یعنی منہ اور آواز کے پست ہونے) سے۔

* ضمہ: اِنْضِمامِ شَفَتَیْن (یعنی دونوں ہونٹوں کے گول ہونے) سے ادا ہوتا ہے۔

پس ہر حرکت کے ادا کرنے میں اس کی اپنی ہی کیفیتِ ادا کو ملحوظ رکھنا چاہیے، ورنہ دوسری حرکت کی کیفیت کے اس میں مل جانے سے وہ حرکت ناقص اور غلط ادا ہوگی۔ رہی ان حرکتوں کی عملی طور پر ادائیگی؟ سو وہ اُستاذِ مُجَوِّد سے سننے اور اسکے موافق مشق کرنے سے ہی آسکتی ہے۔

167 **سوال** کھڑا زبر جیسے مٰلِكِ کے میم پر، کھڑی زیر جیسے یُحْیٖ کی یاء کے نیچے اور الٹا پیش جیسے دَاوٗدُ کے واوٗ پر ہے، ان کا تلفظ کس طرح کرنا چاہیئے ؟

جواب کھڑا زبر الف کا، کھڑی زیر یائے مدہ کی اور الٹا پیش واوِ مدہ کا قائم مقام ہے۔ یعنی یہ تینوں حرکتیں الف، یائے مدہ اور واوِ مدہ کی آواز دیتے ہیں۔ پس:۔

* کھڑے زبر کا تلفظ الف کی طرح

* کھڑی زیر کا تلفظ یاء مدہ کی طرح، اور

* الٹے پیش کا تلفظ واوِ مدہ کی طرح ہوتا ہے۔

لہٰذا مٰلِكِ میں میم کے بعد الف، یُحْیٖ میں یاء مکسورہ کے بعد ایک اور یاء ساکن معروف اور دَاوٗدُ میں واوٗ مضموم کے بعد ایک اور واوٗ ساکن معروف بڑھا کر پڑھنا چاہیئے۔

* البتہ سورۂ ہود کے چوتھے رکوع میں لفظ مَجْرٖىهَا کی راء کے نیچے جو کھڑا زیر ہے اس کا تلفظ عام کھڑی زیروں سے مختلف ہے، یعنی اس کا تلفظ خالص یاء جیسا نہیں بلکہ الف اور یاء کے درمیان ہے۔ اس کو قراء اور مجودین کی اصطلاح میں "اِمالہ" کہتے ہیں۔ امالہ کے معنیٰ لغت میں "جھکانے" کے ہیں۔ اور اصطلاح میں امالہ کہتے ہیں:

فتحہ کو طرف کسرہ کے اور الف کو طرف یاء کے اسطرح جُھکا کر پڑھنے کو، کہ نہ تو وہ خالص فتحہ اور الف ہی رہے، اور نہ ہی خالص کسرہ اور یاء بن جائے۔

اس راء کا تلفظ اردو میں لفظ: ہمارے، قطرے اور سویرے کی راء کی طرح ہوتا ہے۔

حضرت حفص رحمہ اللہ کی روایت میں صرف اسی ایک لفظ میں امالہ ہے (اور بعض دوسری روایتوں میں بکثرت امالے ہیں)۔ پس اس کھڑے زیر کی جگہ دوسرے موقعوں کی طرح خالص یاء پڑھنا سخت غلط اور روایت کے خلاف ہے، جو جائز نہیں۔

168 سوال حرکت کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں۔ اور ان کا حکم کیا ہے؟

جواب حرکت کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱ معروف ۲ مجہول۔ حکم ان کا یہ ہے کہ قرآن مجید میں، بلکہ تمام عربی کتابوں اور عربی بول چال میں حرکت معروف ہی ادا کی جاتی ہے۔ مجہول حرکت غیر عربی زبانوں میں مُستَعمَل ہے، عربی میں اس کا استعمال قطعاً نہیں ہوتا۔

حرکتِ معروف اور مجہول میں لفظی طور پر امتیاز اور فرق تو استاذ کی زبان سے سننے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے، البتہ بطورِ علامت اور پہچان اتنی بات سمجھ لو کہ حرکتِ معروف وہ ہے کہ جس کے کھینچنے سے واؤ معروف اور یائے معروف پیدا ہو۔ اور اگر پیش اور زیر کو اس طرح ادا کیا جائے کہ اسکے کھینچنے سے واؤ اور یاء مجہول پیدا ہوں تو وہ ضمہ اور کسرہ مجہول کہلائیگا۔ اور یہ دونوں عربی میں معروف ہی پڑھے جاتے ہیں مجہول بالکل نہیں پڑھے جاتے۔ البتہ یہ (یعنی واؤ اور یاء) اردو اور فارسی میں معروف بھی ہیں اور مجہول بھی۔ چنانچہ لفظ نُور اور لفظ جمیل کی واؤ اور یاء تو معروف ہیں۔ لفظ مَور اور لفظ دَرویش کی واؤ اور یاء مجہول۔ پھر چونکہ ایک زبر نصف الف، ایک پیش نصف واؤ مدہ اور ایک زیر نصف یائے مدہ ہوتا ہے، اس لیے جس طرح یہ حروف معروف پڑھے جاتے ہیں اسی طرح ان حرکتوں کو بھی معروف ہی پڑھنا چاہیئے۔

169 سوال جب فتحہ کے بعد الف، ضمہ کے بعد واؤ اور کسرہ کے بعد یاء نہ ہو تو ان کو کیسے ادا کرنا چاہیئے؟

جواب اس صورت میں ان حرکات کو اشباع سے بچانا چاہیئے، ورنہ یہی حروف پیدا ہو جائیں گے۔ اور اگر حرکات کے بعد حروفِ مدہ ہوں تو اس صورت میں ان میں ایک الف کے

برابر اشباع کرنا ضروری ہے، ورنہ یہ حروف فوت ہو جائیں گے اور صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی، اور یہ دونوں صورتیں لحنِ جلی میں داخل ہیں، کیونکہ پہلی صورت میں حرف کی زیادتی لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں کمی۔ لیکن اگر ضمہ کے بعد واؤ مشدد اور کسرہ کے بعد یاء مشدد ہو تو اس صورت میں ان کو اشباع سے بچانا چاہیئے، ورنہ "مشدد" مخفف ہو جائیگا، اور یہ بھی لحنِ جلی ہے۔ بالخصوص وقف کی حالت میں تو اس کا بہت ہی خیال رکھنا چاہیئے، کیونکہ اس حالت میں اس غلطی کا اِحتمال زیادہ ہوتا ہے۔

170 **سوال** سکون کیا چیز ہے اور جس حرف پر سکون ہو اس کو کیا کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب سکون حرکت کے نہ ہونے کو کہتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے: [ْ]۔ اور جس حرف پر سکون ہو وہ ساکن کہلاتا ہے جیسے وَقْرٌ میں قاف، سِحْرٌ میں حاء اور مُخْفَرٌ میں فاء۔ یہ تینوں ساکن ہیں، اس لیے کہ ان پر کوئی حرکت نہیں، نیز یہ کہ ان پر سکون کی علامت بنی ہوئی ہے۔

حرفِ ساکن کی ادا: حرفِ ساکن کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جماؤ کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی آواز مخرج میں رک جائے اور ہلنے نہ پائے، اور پھر بغیر فصل کے دوسرا حرف[1] ادا ہو، کیونکہ آواز کے ہلنے سے اس میں حرکت کا کچھ اثر آجاتا ہے۔ البتہ حروفِ قلقلہ کے ادا ہوتے وقت کچھ جُنبش اور حرکت سی ضرور ہوتی ہے جس کی وضاحت قلقلہ کی بحث میں گزر چکی ہے۔ پس سکون اور تینوں حرکتوں کے ادا ہونے کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس کو ملحوظ رکھنا بھی تجوید کا ایک اہم حصہ ہے، کیونکہ جس طرح قرآنی حروف کو صحیح پڑھنا ضروری ہے، اسی طرح ان کی حرکات وسکنات کو بھی قاعدہ اور طریقہ کے موافق ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ بحث یہاں درج کی گئی ہے۔

[1] کیونکہ اگر ساکن کے بعد والا حرف فوراً اور بلا فصل ادا نہ ہوگا تو سکتہ سا ہو جائے گا۔

فصل ہشتم

مد کے بیان میں

171 **سوال** مد کے لُغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا کیا ہیں؟

جواب "مد" لغت میں دراز کرنے اور کھینچنے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں مد کے معنیٰ یہ ہیں:

اِطَالَةُ الصَّوْتِ بِحَرْفٍ مِّنْ حُرُوْفِ الْمَدِّ اَوِالِلّيْنِ۔

یعنی حروفِ مدہ اور حروفِ لین میں آواز کا دراز کرنا۔

پس اگر کسی اور حرف میں آواز دراز کی جائے گی تو اس پر مد کا اطلاق نہ ہوگا۔

172 **سوال** حروفِ مدہ اور حروفِ لین کتنے اور کون کون سے ہیں؟

جواب حروفِ مدہ تین ہیں:۔

١ الف (یہ ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے)۔

٢ واؤ ساکن جبکہ اس سے پہلے پیش ہو۔

٣ یائے ساکن جبکہ اس سے پہلے زیر ہو۔ جیسے اُوْتِيْنَا اور اُوْذِيْنَا وغیرہ۔ (ان دونوں کلموں میں مد کے تینوں حرفوں کی مثالیں جمع ہیں)۔

❁ نیز کھڑا زبر، کھڑی زیر اور الٹا پیش، یہ تینوں بھی حروفِ مدہ کی آواز دیتے ہیں۔ (جیسا کہ فصلِ سابق میں معلوم ہو چکا ہے)۔

اور حروفِ لین دو ہیں:۔

١ واؤ ساکن ماقبل مفتوح۔ جیسے مِنْ خَوْفٍ وغیرہ۔

۲ یاء ساکن ماقبل مفتوح۔ جیسے وَالصَّیۡفِ وغیرہ۔

پس قُوۡلُوۡا کا واؤ اور قِیۡلَ کی یاء تو حروفِ مدہ ہیں۔ اور مِنۡ خَوۡفٍ کا واؤ اور وَالصَّیۡفِ کی یاء حروفِ لین ہیں، خوب سمجھ لو!

مدِّ اصلی اور مدِّ فرعی

173 **سوال** مد کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب اوّلاً مد کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱ اصلی ۲ فرعی۔

اصلی کو طبعی اور ذاتی۔ اور فرعی کو زائد بھی کہتے ہیں۔ پھر مد اصلی کی تو ایک ہی قسم ہے، البتہ مد فرعی کی مُتَعَدَّد قسمیں ہیں، جس کا بیان عنقریب آرہا ہے۔

174 **سوال** ان دونوں مدوں کی تعریف اور وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب مد اصلی وہ مد ہے جو کسی سبب پر موقوف نہ ہو۔ اور اس کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات ہی باقی نہ رہے۔ جیسے قَالَ، قِیۡلَ اور قُوۡلُوۡا کا مد، کیونکہ اگر ان میں مد نہ کیا جائے تو الف، واؤ اور یاء کی ذات ہی فوت ہو جائے گی اور اب صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی۔ نیز یہ کہ ان مثالوں میں مد کا کوئی سبب بھی موجود نہیں ہے، اور اس مد کا ترک شرعاً حرام ہے، کیونکہ اس سے قرآن مجید کا ایک حرف کم ہو جاتا ہے۔

اور "مد فرعی" وہ مد ہے جس کا پایا جانا کسی سبب پر موقوف ہو۔ اور اس کے ادا نہ ہونے سے حرف کی ذات معدوم نہیں ہوتی، البتہ قواعدِ عُرفِیَّہ تجوِیدِیَّہ کا خلاف لازم آتا ہے، اور حرفوں کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔ جیسے مِنَ السَّمَآءِ، سُوۡٓءٌ، سِیۡٓـَٔتۡ، اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ، قَالُوۡٓا اِنَّمَا، اَلَّذِیۡٓ اٰمَنَ، آٰلۡـٰٔنَ، دَآبَّةٍ، الٓـمّٓ، حٰمٓ، قٓ، نٓ، تُکَذِّبٰنِ، یَعۡلَمُوۡنَ، اَلرَّحِیۡمِ، مِنۡ خَوۡفٍ اور وَالصَّیۡفِۖ وغیرہ کا مد۔ کیونکہ ان کلمات میں

۱ آخری پانچ کلمات میں بحالتِ وقف

اگر مدفرعی ادا نہ کیا جائے تو حرف کی ذات تو معدوم نہیں ہوگی، البتہ وہ حُسن اور خوبصورتی جو مد کرنے کی صورت میں پائی جاتی ہے، تَرکِ مد کی صورت میں فوت ہو جائے گی۔ اور اسکا ترک اگرچہ حرام تو نہیں مگر مُوجبِ گناہ اور مکروہ ضرور ہے۔

اور "اصل" کے معنیٰ جڑ کے ہیں اور "فرع" کے معنیٰ شاخ کے۔ چونکہ حروفِ مدہ "مد" کیلئے بمنزل جڑ کے ہوتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوں تو مد کا وجود ہی نہ پایا جائے۔ اور "مدفرعی" مداصلی پر مد کی ایسے ہی زائد مقدار ہے جیسے "شاخ" جڑ پر زائد ہوتی ہے۔ اور جس طرح شاخ کا وجود جڑ کے وجود کے بغیر نہیں ہوتا اسی طرح مدفرعی کا وجود بھی مداصلی کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ اور اسی وجہ سے اس کو مَدِّ زائد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس جس طرح جڑ تو بغیر شاخ کے پائی جاتی ہے، مگر شاخ بغیر جڑ کے نہیں پائی جاتی، اسی طرح یہ تو ہوسکتا ہے کہ مداصلی ہو اور مدفرعی نہ ہو، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ مدفرعی تو ہو اور مداصلی نہ ہو، خوب سمجھ لو۔

اور مداصلی کو طَبَعی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تقاضا خود طَبِیعَت ہی کرتی ہے، یعنی سَلِیمُ الطَّبع انسان کی طَبِیعَت ہی یہ چاہتی ہے کہ مدہ کو ایک الف کے برابر کھینچا جائے، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔

اور ذاتی کہنے کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر حرف کی ذات ہی باقی نہیں رہ سکتی۔

175 **سوال** مد کے لیے کتنی اور کن چیزوں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے ؟

جواب مداصلی کیلئے تو صرف ایک ہی چیز یعنی محلِ مد کا۔ اور مدفرعی کے لیے دو چیزوں یعنی محلِ مد اور سببِ مد کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

176 **سوال** محلِ مد کسے کہتے ہیں۔ اور سببِ مد کسے ؟

جواب حرفِ مد اور حرفِ لین تو محلِ مد یا شرطِ مد کہلاتے ہیں، اور ہمزہ وسکون سببِ مد

چنانچہ مِنَ السَّمَآءِ، اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ، اٰلۡــٰٔنَ، دَآبَّةٍ، قٓ اور تُكَذِّبٰنِ میں الف۔ بِالسُّوۡٓءِ، قَالُوۡٓا اِنَّمَا، نٓ، يَعۡلَمُوۡنَ اور مِنۡ خَوۡفٍ میں واؤ۔ اور سِيۡٓـَٔتۡ، اَلَّذِيۡٓ اٰمَنَ، حٰمٓ، اَلرَّحِيۡمِ اور وَالصَّيۡفِ میں حرفِ یاء تو شرطِ مد، یا محلِ مد کہلاتے ہیں۔ اور ہمزہ اور سکون سببِ مد۔ پھر ان دو سببوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ :۔

✵ ہمزہ کی دو قسمیں یہ ہیں :۔ ۱ ہمزۂ متصل ۲ ہمزۂ منفصل

✵ اور سکون کی یہ :۔ ۱ سکونِ لازم ۲ سکونِ عارض

اس بناء پر مدفرعی کی چار قسمیں ہو جاتی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

مَدِّ فرعی کی قسمیں

سوال مدفرعی کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟ 177

جواب اجمالی قسمیں تو چار ہیں :۔ ۱ واجب (۱) ۲ جائز (۱) ۳ لازم (۱+۳) ۴ عارض (۱+۱) (نیز واجب کو متصل، جائز کو منفصل اور عارض کو وقفی بھی کہتے ہیں)۔ اور تفصیلی قسمیں نو ہیں :۔ ① واجب ② جائز ③ لازم کلمی مثقل ④ لازم کلمی مخفف ⑤ لازم حرفی مثقل ⑥ لازم حرفی مخفف ⑦ عارض ⑧ لین لازم ⑨ لین عارض۔ اب یہاں ان نو مدّوں کو ایک جدول میں دکھلاتے ہوئے آئندہ صفحات میں ان کا بیان تفصیل سے کرتے ہیں :۔



حروفِ مدّہ میں مداوراس مد کے سبب

۱ مد واجب/ متصل

178 سوال مدِّ متصل کی کیا تعریف ہے۔ نیز یہ کہ اس کو متصل اور واجب کیوں کہتے ہیں؟

جواب اگر حرفِ مد کے بعد ہمزہ اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں کہ حرفِ مد ہے، جیسے سَوَآءٌ، سُوْٓءُ، سِيْٓـَٔتْ وغیرہ، تو یہ مدِّ متصل اور مد واجب کہلاتا ہے۔ واجب تو اس لیے کہ یہ ہر حال میں ہوتا ہے، نیز یہ کہ اس کا ترک کسی روایت میں بھی جائز نہیں۔ اور متصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہمزہ اور حرفِ مد، دونوں ایک ہی کلمہ میں ملے ہوئے آتے ہیں۔

۲ مد جائز/ منفصل

179 سوال مدِّ منفصل کی کیا تعریف ہے۔ اور اس کو منفصل اور جائز کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اگر حرفِ مد ایک کلمہ کے آخر میں ہو اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو، جیسا کہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا، فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اور ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وغیرہ، تو اس کو مد جائز اور مدِّ منفصل کہتے ہیں۔ جائز تو اس لیے کہ یہ بعض روایتوں میں ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا، جس کی تفصیل قراءات کی کتابوں میں موجود ہے، بلکہ خود روایتِ حفص رحمہ اللہ میں بھی بطریقِ جزری اس کا ترک جائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ مد صرف وصل ہی میں ہوتا ہے، اور اگر پہلے کلمہ پر وقف کر دیا جائے تو یہ مد نہیں ہوتا، مثلاً قَالُوْٓا اٰمَنَّا میں قَالُوْا پر، فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ میں فِيْ پر اور ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا میں ظَلَمْنَا پر اگر وقف کر دیا جائے تو اب یہ مد نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں حروفِ مدہ صرف اپنی اصلی مقدار کیساتھ یعنی ایک الف کے برابر ہی ادا ہوں گے۔ اور منفصل

اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مدِ متصل کی طرح ہمزہ اور حرفِ مد، دونوں ایک ہی کلمہ میں مل کر نہیں آتے، بلکہ دونوں حرف دو کلموں میں ہوتے ہیں۔

180 سوال جو شخص کلمہ کا ایک یا دو ہونا نہ سمجھ سکتا ہو، وہ مدِ متصل اور مدِ منفصل کے فرق کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟

جواب ان دونوں میں باہم فرق یہ ہے کہ حرفِ مد کے بعد جہاں ہمزہ بصورتِ الف لکھا ہو، اس کو مدِ منفصل سمجھو، چنانچہ اس کی مثالوں میں تم ایسا ہی پاؤ گے۔ اور جہاں ہمزہ بصورتِ سراعین لکھا ہو، وہ مدِ متصل ہے، چنانچہ سُوٓءُ وغیرہ میں یہی صورت ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ کی مد

❋ البتہ هٰٓؤُلَآءِ ایک ایسا کلمہ ہے جس میں باوجودیکہ هٰٓؤُ کا ہمزہ بصورتِ الف نہیں، (بلکہ بصورتِ واؤ ہے)، لیکن اس پر بھی ھا کا "مد" متصل نہیں بلکہ منفصل ہے۔ (اور اس میں واؤ کے اوپر جو عین کا سرا بنا ہوا دیکھتے ہو، تو اس کی وجہ کتاب کے آخر میں رسم کی بحث (صفحہ: ۲۲۸، سوال: ۲۴۸) میں ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گی)۔

۳ تا ۶ مد لازم کی چار قسمیں

181 سوال مدِ لازم کی کیا تعریف ہے۔ اور اس کو لازم کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اگر حرفِ مد کے بعد سکونِ لازم ہو، یعنی ایسا حرف ہو جس کا سکون اصلی ہو، کہ وقف کی وجہ سے ساکن نہ ہوا ہو، بلکہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں ساکن ہی پڑھا جاتا ہو، جیسے دَآبَّةٍ، خَآصَّةٌ، آٰلْـٰٔنَ، الٓمّٓ وغیرہ، تو اس کو مدِ لازم کہتے ہیں۔ اور اس کو لازم کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اسکا سبب "سکونِ لازم" ہوتا ہے۔ اور اس مد کی کئی قسمیں ہیں۔

182 سوال مدِ لازم کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب چار قسمیں ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

۱	۲	۳	۴
مدلازم کلمی مثقل	مدلازم کلمی مخفف	مدلازم حرفی مثقل	مدلازم حرفی مخفف

183

سوال ان چاروں مدوں کی الگ الگ تعریف کیا ہے؟

جواب جب حرفِ مدہ اور سکونِ لازم جمع ہوں، تو دیکھو کہ جس کلمہ میں یہ جمع ہوئے ہیں وہ حروف مُقَطَّعَات میں سے کوئی حرف ہے، یا کوئی دوسرا کلمہ ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو یہ مدلازم حرفی ہے، جیسے الٓمّٓ، صٓ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ وغیرہ کا مد اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ مدلازمی کلمی ہے، جیسے آٰلْـٰٔنَ، دَآبَّةٍ، خَآصَّةٌ، اَلطَّآمَّةُ وغیرہ کا مد۔

پھر کلمی اور حرفی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: یعنی مثقل اور مخفف۔ وہ اس طرح کہ:

اگر وہ حرفِ ساکن جو مد کا سبب بن رہا ہے، دوسرے حرف میں مدغم ہو کر مشدد پڑھا جا رہا ہو، تب تو وہ "مدمثقل" کہلائے گا، جیسے دَآبَّةٍ، اَلصَّآخَّةُ میں الف کا، الٓمّٓ اور طٰسٓمّٓ میں لام اور سین کا مد۔

اور اگر اس ساکن حرف کے بعد کوئی ایسا حرف نہ ہو جس میں اسکا ادغام ہو سکتا ہو جیسا کہ آٰلْـٰٔنَ میں لام سے پہلے والے الف کا، الٓمّٓ اور طٰسٓمّٓ میں میم کا مد، تو اس صورت میں یہ "مدمخفف" کہلائے گا۔

* پس دَآبَّةٍ "مدلازم کلمی مثقل" کی۔ اور آٰلْـٰٔنَ "مدلازم کلمی مخفف" کی۔ جبکہ
* الٓمّٓ میں پہلی "مدلازم حرفی مثقل" کی۔ اور دوسری "مدلازم حرفی مخفف" کی مثال ہے۔ خوب سمجھ لو۔

184

سوال حروفِ مُقَطَّعَات کن حرفوں کو کہتے ہیں۔ یہ کتنے ہیں اور ان کی کتنی قسمیں ہیں۔ نیز

[1] مدلازم کلمی مخفف کا سارے قرآن میں یہی ایک کلمہ ہے، جو دو جگہ آیا ہے:- سورۂ یونس: ۵۱، اور ۹۱ میں

یہ کہ ان میں مد لازم کس قسم میں ہوتا ہے اور کس قسم میں نہیں ہوتا؟

جواب بعض سورتوں کے شروع میں جو حروفِ تہجی الگ الگ اور پورے پورے پڑھے جاتے ہیں جیسے سورۂ بقرہ کے شروع میں الٓمٓ، سورۂ اعراف کے شروع میں الٓمٓصٓ اور سورۂ مریم کے شروع میں کٓهٰیٰعٓصٓ وغیرہ وغیرہ، ان کو حروفِ مُقطّعات کہتے ہیں۔ یہ کل چودہ ہیں جو حَسْبِ ذیل ہیں:۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
الف	ح	ر	سٓ	صٓ	ط	عٓ	قٓ	كٓ	لٓ	مٓ	نٓ	ہ	ی

ان کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں سرے سے حرفِ مد کا وجود ہی نہیں اور وہ "لفظِ الف" ہے، اس میں تو مد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو باقی رہے، ان کی دو قسمیں ہیں:۔

۱ دوحرفی: یہ پانچ ہیں جو حَیٌّ طَھُرَ میں جمع ہیں۔ ان میں گو حرفِ مد تو ہے مگر چونکہ بعد میں مد کا سبب یعنی سکون نہیں ہے، اسلئے مد فرعی ان میں بھی نہیں ہوتا، ہاں مد اصلی ہوتا ہے۔

۲ تین حرفی: ایسے حروف آٹھ ہیں جو کَمْ عَسَلٍ نَقَصُ میں جمع ہیں۔ ان میں سے سات میں تو بیچ کا حرف مدہ ہے، ایک میں بیچ کا حرف یائے لین ہے، اور تیسرا حرف سب میں ساکن ہے، اس لیے ان آٹھوں حرفوں میں سکون لازم کی وجہ سے مد ہوگا، اور اسی لیے ان آٹھوں حرفوں پر مد کی علامت بھی بنی ہوئی ہے۔

۷ مد عارض / وقفی

185 **سوال** مد عارض کی کیا تعریف ہے۔ اور اس کو عارض کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اگر حرفِ مد کے بعد سکون عارض ہو، یعنی ایسا حرف ہو جو صرف وقف ہی کی وجہ سے ساکن پڑھا جاتا ہو اور وصل میں متحرک ادا ہوتا ہو جیسے اَلْعٰلَمِیْنَ○ یَوْمِ الدِّیْنِ○ نَسْتَعِیْنُ○ تُکَذِّبٰنِ○ یَعْلَمُوْنَ○ وغیرہ، تو اس کو مد عارض کہتے ہیں۔ اور اس کا

دوسرا نام مد وقفی بھی ہے۔

عارض تو اسلئے کہ یہ سکون عارض کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثالوں میں حروفِ مدہ کے بعد والے نون کا سکون عارض ہی ہے، کیونکہ یہ صرف وقفاً ہی ساکن پڑھا جاتا ہے، اور وصل میں اصل کے اعتبار سے متحرک ادا ہوتا ہے۔ اور وقفی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف وقف میں ہی ہوتا ہے، وصل میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر ایسے کلموں کا مابعد سے وصل کیا جائے تو یہ مد نہیں ہوگا۔ ہاں! بعض دفعہ عارض اور وقفی دونوں کو ملاکر "مد عارض وقفی" بھی کہہ دیتے ہیں۔

حروفِ لین میں مد اور اس مد کا سبب

۸ و ۹ مد لین لازم اور مد لین عارض

186 سوال حروفِ لین میں مد کب اور کس سبب سے ہوتا ہے؟

جواب حروفِ لین میں بھی مد انہی دو سببوں میں سے صرف ایک سبب یعنی سکون کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس حروفِ مدہ میں تو مد فرعی دو وجہ سے ہوتا ہے (ہمزہ کی وجہ سے اور سکون کی وجہ سے جیسا کہ اوپر تفصیل گزری)، لیکن حروفِ لین میں مد صرف سکون ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، ہمزہ کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ البتہ سکون کی یہاں بھی وہی دو قسمیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں، یعنی سکون لازم اور سکون عارض۔ اور مد ان دونوں ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس اگر:۔

- حروفِ لین میں "مد" سکون اصلی یعنی سکون لازم کیوجہ سے ہوگا، تو وہ مد لین لازم کہلائیگا
- اور اگر سکون عارض کی وجہ سے ہوگا، تو اس کو مد لین عارض کہیں گے۔

مد لین عارض کی مثالیں تو قرآن میں بہت ہیں۔ جیسے مِنْ خَوْفٍ، وَالصَّيْفِ، لَا ضَيْرَ، شَيْءٍ، اَلسَّوْءِ اور اَلطَّيْرَ وغیرہ (میں بحالت وقف)۔ مگر مد لین لازم سارے قرآن میں صرف ایک ہی لفظ میں پایا گیا ہے، اور وہ لفظ "عین" (عٓ) ہے جو دو جگہ آیا ہے، یعنی

سورۂ مریم اور سورۂ شوریٰ کے حروفِ مُقطّعات میں، جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ بس اس ایک لفظ کے سوا اور کسی کلمہ میں "مدلین لازم" نہیں پایا گیا۔

تنبیہ: [۱] رَاَى الْعَيْنِ جو سورۂ آل عمران: ۱۳ میں ہے، چونکہ اسکے نون کا سکون عارضی ہے، اسلئے اس میں بھی مدلین عارض ہی ہے۔ نیز اس میں اور مِنْ شَيْءٍ اور اَلسَّوْءِ جیسی مثالوں میں بھی مد صرف وقفاً ہی ہوگا، اور وصل میں وقفی سکون کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ [۲] اور چونکہ حروفِ لین میں مد کا سبب ہمزہ نہیں بنتا، اس لیے فَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ اور ابْنَيْ اٰدَمَ جیسے کلمات میں مد نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لو!

187 **سوال** سورۂ مریم اور سورۂ شوریٰ کا لفظ "عین" (عٓ) جسکا ذکر ابھی ہوا ہے، کیا اس میں بھی باقی تین حرفی مُقطّعات کی طرح صرف مد ہی ہے، یا کوئی اور وجہ بھی جائز ہے؟

جواب اس میں دو وجہیں ہیں:۔ [۱] باقی سات کی طرح مد [۲] قصر یعنی مد فرعی کا ترک۔ مگر اَولیٰ اور بہتر اس میں بھی مد ہی ہے، اس لیے کہ اس میں بھی باقی حروفِ مُقطّعات کی طرح تیسرے حرف یعنی نون کا سکون اصلی اور لازم ہے۔

پھر یہ بھی سمجھو کہ مد کی مقداریں دو ہیں:۔ [۱] طول [۲] توسط۔ اور اس میں دونوں صحیح ہیں۔ پس اس میں کل تین وجوہ ہوگئیں:۔ [۱] طول [۲] توسط [۳] قصر۔ ان میں سب سے بہتر طول ہے، پھر توسط اور پھر قصر ہے، (بلکہ قصر نہایت ہی ضعیف ہے)۔

مدّوں کی مقداریں اور ان کے بارے میں اقوال

188 **سوال** مدوں کی قسمیں اور ان کی تعریفیں تو ہمیں اللہ کے فضل و کرم سے معلوم ہوگئی ہیں، اب مہربانی کر کے ہمیں ان کی مقداریں بھی بتا دیجیے؟

جواب مد اصلی میں تو صرف قصر ہی ہوتا ہے اور قصر کی مقدار ایک الف یعنی دو حرکتوں کے برابر ہے، لہٰذا مد اصلی کو اس مقدار سے زیادہ بڑھا کر پڑھنا جائز نہیں۔ (اور الف کی مقدار

دریافت کرنے کا طریقہ اوپر غنہ کی بحث میں صفحہ:۱۳۵اپر بیان ہو چکا ہے)۔ رہیں مد فرعی کی قسمیں؟ سو ان کی مقداروں کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ان میں سے:-

※ مدمتصل اور منفصل میں تو توسط ہوتا ہے، جس کی تین مقداریں ہیں:-

١ دو الف (چار حرکتیں)

٢ اڑھائی الف (پانچ حرکتیں)

٣ چار الف (آٹھ حرکتیں)

تنبیہ: مدمنفصل میں قصر (یعنی صرف ایک الف کے برابر کھینچنا) بھی جائز ہے مگر بطریق جزری۔ اور شاطبیہ کے طریق سے اس میں بھی توسط ہی ضروری ہے۔

※ مد لازم کی چاروں قسموں میں طول ہوتا ہے اور طول کی مقدار میں دو قول ہیں:-

١ تین الف (چھ حرکتیں)

٢ پانچ الف (دس حرکتیں)

※ مد عارض وقفی، مدلین لازم اور لین عارض، ان تینوں میں تین تین وجوہ ہیں:-

١ پانچ الفی، یا تین الفی طول

٢ تین الفی، یا دو الفی توسط

٣ قصر یعنی صرف ایک ہی الف کے برابر

مگر فرق یہ ہے کہ مد عارض وقفی اور مدلین لازم میں تو افضل طول ہے، پھر توسط اور پھر قصر کا مرتبہ ہے اور مدلین عارض میں اس کے برعکس ہے، یعنی اس میں اَولیٰ قصر ہے، پھر توسط اور پھر طول کا درجہ ہے۔ خوب سمجھ لو۔

189 سوال: کیا مد فرعی کی سب قسموں کی حیثیت اور ان کا مرتبہ ایک ہی ہے، یا ان میں باہم کچھ فرق ہے؟

جواب فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان چھ میں سے تین قوی ہیں، اور تین ضعیف۔ چنانچہ:۔ لازم ولین لازم میں سے لازم | عارض ولین عارض میں سے عارض | اور متصل منفصل میں سے متصل، یہ تین تو قوی ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں لین لازم، لین عارض اور منفصل، یہ تین ضعیف ہیں۔ قوی وضعیف کی اس تقسیم کے نیز طول اور توسط کی مقدار کے بارے میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں، ان کے جاننے سے جو مقصود ہے اس کی وضاحت آگے آتی ہے۔

190 **سوال** **مدوں کو قوی اور ضعیف میں جو تقسیم کیا گیا ہے، نیز یہ کہ طول اور توسط کی مقدار کے بارے میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں، تو اس کا کیا مقصد ہے؟**

جواب یہ ایک ضابطہ اور اُصول ہے کہ تلاوت میں جب کئی مدیں جمع ہوں تو ان میں برابری اور مُساوات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، اس طرح کہ نہ تو ان کی وجوہ میں عَدمِ مُساوات لازم آئے اور نہ ان وجوہ کی مقداروں کے بارے میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں خلط ہی ہونے پائے۔ ہاں اگر ان میں سے ایک قوی اور دوسری ضعیف ہو تو اس صورت میں قوی کو ضعیف سے بڑھانا بھی جائز ہوتا ہے، لیکن ضعیف کو قوی سے بڑھانا جائز نہیں ہوتا۔ تو جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا کہ قوی کون سی ہے اور ضعیف کون سی ...... تو ظاہر ہے کہ اس وقت تک اس ضابطہ کو اپنانا اور اس کے موافق عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا، بس اسی مقصد کے پیشِ نظر مختلف اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں، اور قوی اور ضعیف کی تقسیم بھی کی گئی ہے۔ اور اس مسئلہ کی وضاحت مع اَمثِلَہ کے آگے آرہی ہے۔

191 **سوال** **طول اور توسط کے بارہ میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں، یا مد عارض اور لین عارض وغیرہ میں جو تین تین وجوہ بیان کی گئی ہیں، کیا تلاوت میں ان سب کا جمع کرنا ضروری ہوتا ہے، یا ان میں سے صرف کسی ایک کا اختیار کر لینا ہی کافی ہوتا ہے؟**

جواب ان وجوہ اور اقوال میں سے صرف ایک کو اختیار کر لینا ہی کافی ہوتا ہے۔ بلکہ قاری کے لیے اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ تلاوت کے شروع میں جس قول یا

جس وجہ کو اختیار کیا ہے، ختم تلاوت تک اسی کو اختیار کرتا چلا جائے۔ ایسا نہ کرے کہ کہیں تو دو الفی توسط کرے، کہیں اڑھائی الفی اور کہیں چار الفی۔ یا کہیں تین الفی طول کرے اور کہیں پانچ الفی۔

مثلاً اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ میں اگر پہلی جگہ پانچ الفی طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی پانچ الفی ہی کرے۔ اور اگر تین الفی طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی تین الفی ہی کرے۔

اسی طرح مد عارض وقفی اور مدلین عارض میں بھی اگر پہلی جگہ طول کیا ہے تو تلاوت کے آخر تک طول ہی کرتا چلا جائے۔ قصر اور توسط میں بھی اسی برابری اور احتیاط کو ملحوظ رکھے۔ ایسا نہ کرے کہ کہیں تو طول کرے، کہیں توسط اور کہیں قصر، وغیرہ وغیرہ۔

ایسے ہی اس بات کا بھی خیال رکھے کہ ضعیف کی ترجیح قوی پر نہ ہونے پائے، مثلاً وَعَلَّمَ اٰدَمَ ؁ صٰدِقِیْنَ تک پڑھنا چاہے تو اس میں چونکہ چار جگہ مد متصل ہے اور ایک جگہ مد منفصل، تو اب اس میں اس بات کا خیال رکھے کہ اَلْاَسْمَآءَ میں اگر دو الفی توسط کیا ہے تو اَلْمَلٰٓئِکَۃِ، بِاَسْمَآءِ اور اُوْلَآءِ میں بھی دو الفی ہی کرے۔ اور اگر پہلی جگہ اڑھائی الفی، یا چار الفی توسط کیا ہے، تو باقی تین میں بھی اسی قول کو اختیار کرے۔ ایسا نہ کرے کہ پہلی جگہ تو دو الفی توسط کرے، دوسری جگہ اڑھائی الفی، تیسری اور چوتھی جگہ چار الفی، وغیرہ وغیرہ۔

اور ھٰٓؤُ میں چونکہ مد منفصل ہے، اسلئے اس میں یا تو اسی قول کو لے جس کو کہ باقی چار مدوں میں لیا ہے۔ اور یا منفصل کی مقدار کو متصل کی مقدار سے کم رکھے، دونوں صورتیں جائز ہیں، لیکن یہ جائز نہیں کہ اُوْلَآءِ اور بِاَسْمَآءِ وغیرہ میں تو دو الفی یا اڑھائی الفی توسط کرے اور ھٰٓؤُ میں چار الفی، وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ منفصل ضعیف ہے اور متصل قوی، بس قوی تو ضعیف سے بڑھ سکتی ہے، لیکن ضعیف قوی سے نہیں بڑھ سکتی۔ اور مثلاً:۔

(۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (بقرہ:۳۱)

❁ سورۂ فاتحہ میں اگر اَلْعٰلَمِیْنَ ○ میں قصر کیا ہے تو وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ تک قصر ہی کرتا چلا جائے۔ ایسے ہی اگر توسط کیا ہے تو آخر تک توسط۔ اور اگر طول کیا ہے تو آخر تک طول ہی کرتا چلا جائے۔ پھر توسط کی صورت میں اگر اَلْعٰلَمِیْنَ ○ میں دو الفی توسط کیا ہے تو ختم تک اسی قول کو لیتا رہے۔ اسی طرح اڑھائی الفی اور چار الفی میں بھی اسی برابری اور مساوات کو ملحوظ رکھے اور طول کے دونوں قولوں میں بھی یہی احتیاط برتے۔ یہ نہ ہو کہ اَلْعٰلَمِیْنَ ○ میں تو طول کرے، اَلرَّحِیْمِ ○ میں توسط اور نَسْتَعِیْنُ ○ میں قصر۔ یا اسی طرح کہیں قصر، کہیں توسط اور کہیں طول، وغیرہ وغیرہ۔ یا نَسْتَعِیْنُ ○ میں تو تین الفی طول کرے اور مُسْتَقِیْمَ ○ میں پانچ الفی۔ یا مُسْتَقِیْمَ ○ میں تو دو الفی توسط کرے اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ میں چار الفی۔

❁ ایسے ہی اگر مد عارض اور لین عارض جمع ہوں تو اس میں بھی اس بات کا خیال رکھے کہ یا تو ان دونوں میں مساوات (یعنی برابری) ہو، اور یا قوی ضعیف سے بڑھ جائے۔ اور ضعیف کی قوی پر ترجیح یہاں بھی جائز نہیں۔ اور ان دونوں میں مد عارض قوی ہے اور لین عارض ضعیف۔ مثلاً سورۂ قریش میں وَالصَّیْفِ ○ اور مِنْ خَوْفٍ ○ کی مقدار یا تو مِنْ جُوْعٍ ○ کی مقدار کے برابر ہو یا اس سے کم۔ یہ جائز نہیں کہ مِنْ جُوْعٍ ○ میں تو قصر یا توسط کیا جائے اور وَالصَّیْفِ ○ اور مِنْ خَوْفٍ ○ میں طول، وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ تمام باتیں معیوب اور کمالِ تجوید کے مُنافی اور خلافِ اَولیٰ ہیں۔ ہاں اگر طلباء کو ان مقداروں کا عملاً فرق سمجھانا مقصود ہو تو ایسی صورت میں ان اقوال اور وجوہ کے جمع کرنے میں بھی کوئی مُضایَقہ نہیں بلکہ مفید ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

فصل نہم

ہائے ضمیر کے احکام

192 سوال ہائے ضمیر سے کون سی ھاء مراد ہے؟

جواب وہ ھاء جو منصوب متصل اور مجرور متصل کی ضمیر واحد مذکر غائب کیلئے آتی ہے، اس سے مراد ھائے ضمیر ہے۔ یہ ھاء اسم کے ساتھ بھی متصل ہوتی ہے، فعل کے ساتھ بھی اور حرف کے ساتھ بھی۔ جیسے اَحَلَّهٗ، اِنَّهٗ، قَوْمُهٗ، بِهٖ اور اِلَيْهِ وغیرہ کی ھاء۔

193 سوال تجوید کی کتابوں میں ھائے ضمیر سے متعلق کس قسم کے احکام بیان کیے جاتے ہیں؟

جواب دو طرح کے:-

١ اس کی حرکت سے متعلق۔

٢ اس کے صِلَہ اور عَدَمِ صِلَہ سے متعلق۔

ہائے ضمیر کی حرکت

194 سوال ہائے ضمیر پر کون سی حرکت آتی ہے؟

جواب اگر ہائے ضمیر کے قبل یائے ساکنہ ہو (خواہ مدہ ہو، خواہ لین)، جیسے فِيْهِ، اِلَيْهِ۔ یا کسرہ ہو جیسے بِهٖ، تو ان دو صورتوں میں ہائے ضمیر مکسور پڑھی جاتی ہے۔ البتہ چار کلموں میں (جو پانچ جگہ آئے ہیں)، اس عام قاعدہ کے خلاف پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح کہ دو میں تو مضموم ہے اور دو میں ساکن۔ پس جن دو میں مضموم پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:-

١ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ (سورہ کہف:۶۳)

٢ عَلَيْهُ اللّٰهَ (سورہ فتح:۱۰)

اور جن دو میں ساکن پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:۔

۱ اَرْجِـهْ (دو جگہ: اعراف: ۱۱۱، اور شعرآء: ۳۶)

۲ فَاَلْقِـهْ (نمل: ۲۸)

اور اگر ہائے ضمیر سے پہلے کسرہ، یا یائے ساکنہ کے علاوہ کوئی اور صورت ہو تو ہائے ضمیر مضموم پڑھی جاتی ہے، جیسے اَخَاهُ، رَاَيْتُمُوْهُ، لَهٗ، رَسُوْلُهٗ اور مِنْـهُ۔ یہ کل پانچ صورتیں بنتی ہیں، غور کر کے خود متعین کرلو۔ ہر ایک کی مثال لکھ دی گئی ہے۔

البتہ وَيَتَّقْـهِ (سورہ نور: ۵۲) کی ھاء اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے، کہ بجائے مضموم پڑھی جانے کے مکسور پڑھی جاتی ہے، خوب سمجھ لو!

فائدہ: ہائے ضمیر پر بس یہی دو حرکتیں آتی ہیں، یعنی کسرہ اور ضمہ۔ چنانچہ اس ھاء پر فتحہ کسی صورت میں بھی نہیں آتا۔

ہائے ضمیر کا صِلہ

195 **سوال** ہائے ضمیر میں صلہ کس صورت میں ہوتا ہے۔ اور کس صورت میں نہیں ہوتا؟

جواب جب ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد دونوں طرف حرکت والا حرف ہو، تو اس صورت میں ہائے ضمیر صلہ سے پڑھی جائے گی۔ پھر اگر ہائے ضمیر مضموم ہوگی تو صلہ واؤ کے ساتھ ہوگا۔ اور اگر مکسور ہوگی تو صلہ یاء کے ساتھ ہوگا۔ جیسے اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰـهِ اور بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔

البتہ يَرْضَـهُ لَكُمْ (سورہ زمر: ۷) کی ھاء باوجودیکہ اسکے ماقبل و مابعد دونوں طرف حرکت والا حرف ہے مگر پھر بھی اس میں صلہ نہیں ہوتا۔ اور اگر ہائے ضمیر کے ماقبل، یا مابعد، یا دونوں طرف ساکن حرف ہوگا تو ان تینوں صورتوں میں بھی اس میں صلہ نہیں کیا جائیگا۔ جیسے

مِنْهُ الْمَآءَ، يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ، مِنْهُ اٰيٰتٌ اور فِيْهِ اَبَدًا وغیرہ۔

البتہ فِيْهٖ مُهَانًا (فرقان:٦٩) میں باوجودیکہ اسکی ھاء کے ماقبل یائے ساکنہ ہے مگر پھر بھی اسمیں صلہ ہوتا ہے۔ اور وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ، اَلْقِهْ، يَرْضَهُ لَكُمْ اور فِيْهٖ مُهَانًا ان سب کے مستثنیٰ ہونے کی وجوہ فوائد مکیہ کی شرح (صفحہ:٦٨) میں بیان ہوں گی، ان شاء اللہ۔

196 **سوال** صلہ کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب صلہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ ہائے ضمیر کی حرکت کو اِشباع سے یعنی اس طرح کھینچ کر پڑھا جائے کہ ضمہ کے بعد واؤ ساکن معروف اور کسرہ کے بعد یائے ساکن معروف پیدا ہو جائے۔ چنانچہ رَسُوْلُهٗ اور بِهٖ جیسی مثالوں میں ھاء کے بعد واؤ مدہ اور یائے مدہ کا جو تم تلفظ کرتے ہو، اسی کا نام صلہ ہے، حالانکہ یہاں واؤ اور یاء لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ اور اس کو مدصلہ بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر ھاء کے بعد ہمزہ ہو جیسے بِهٖٓ اِنَّهٗ اور رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ وغیرہ میں ہے، تو قاعدہ کے مطابق اس میں مدمنفصل بھی ہوگا۔

197 **سوال** کیا ہائے ضمیر میں صلہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں ہوتا ہے یا صرف وصل میں؟

جواب صلہ صرف وصلاً ہی ہوتا ہے۔ اور وقف میں نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صلہ نام ہے حرکت کے کھینچنے کا، اور وقف میں حرف موقوف علیہ ساکن پڑھا جاتا ہے، پس جب حرکت ہی نہ رہی تو صلہ کیسے! ...... اور وقف بالروم میں گو ثُلُثِ حرکت (یعنی حرکت کا تیسرا حصہ) ادا ہوتا تو ہے مگر صلہ کا درجہ چونکہ اِکمالِ حرکت کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس لیے اس صورت میں بھی صلہ کا نہ ہونا ظاہر ہے۔

198 **سوال** مَا نَفْقَهُ (سورہ ھود:٩١)، لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ (تین جگہ: سورہ مریم:٤٦، اور سورہ شعراء:١١٦ و ١٦٧)، لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ (سورہ علق:١٥)، فَوَاكِهُ (دوجگہ: سورہ مؤمنون:١٩، اور صافات:٤٢)، کیا ان کلمات کی ھاء میں بھی صلہ ہوگا؟

جواب نہیں۔ اسلئے کہ ان کلمات میں جو ھاء ہے وہ ضمیر کی نہیں بلکہ نفسِ کلمہ کی ہے چنانچہ نَفْقَهُ اور فَوَاكِهُ میں تو لام کلمہ کی ہے، اور تَنْتَهِ اور يَنْتَهِ میں عین کلمہ کی۔

199 **سوال** سورۃ بقرہ:۲۵۹ میں لَمْ يَتَسَنَّهْ، سورۃ انعام:۹۰ میں اِقْتَدِهْ، سورۃ الحاقہ کے پہلے رکوع میں كِتٰبِيَهْ دو جگہ، حِسَابِيَهْ دو جگہ، مَالِيَهْ، سُلْطٰنِيَهْ ایک ایک جگہ اور سورۃ القارعہ میں مَا هِيَهْ ○ ان نو کلمات میں کون سی ھاء ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ اور یہ کیوں لائی جاتی ہے؟

جواب ان میں ہائے سکتہ ہے۔ اور یہ کلمہ کے آخری حرف کی حرکت کے ظاہر کرنے کیلئے لائی جاتی ہے۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں ساکن پڑھی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کلمات پر خواہ تم وقف کرو اور خواہ ان کو مابعد سے ملا کر پڑھو، یہ ہر حال میں ساکن ہی پڑھی جائیگی۔ اور اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ اپنی پوری صفات کیساتھ ادا ہو۔ بعض لوگ اس کو الف سے بدل دیتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ ان میں سے مَالِيَهْ کی ھاء سے متعلق ایک قاعدہ ادغام کی تفصیلی بحث (صفحہ:۱۳۹) میں بھی گزر چکا ہے۔

فصل دہم

دس ضروری تنبیہات

200 **سوال** اس فصل میں کس قسم کے مسائل بیان کیے جارہے ہیں۔ اور وہ کون سی غلطیاں ہیں جو پڑھنے والوں سے عام طور پر ہو جاتی ہیں؟

جواب اس فصل میں چند ایسی غلطیوں پر تنبیہ کرنا مقصود ہے جو عام طور پر پڑھنے والوں سے ہو جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم اس قسم کی چند غلطیوں کی طرف نمبروار توجہ دلاتے ہیں جو غفلت، بے اعتنائی، یا عُجلت کی وجہ سے عام طور پر دورانِ تلاوت ہو جاتی ہیں۔ ان دس تنبیہات کو غور سے پڑھو اور ان غلطیوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرو۔

تنبیہ: 1 جب دو حلقی حرف جمع ہوں، مثلاً فَسَبِّحْهُ میں حاء وھاء، اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ میں ھاء وعین، طُبِعَ عَلٰی میں دو عین، فَاصْفَحْ عَنْهُمْ میں حاء وعین، اور اَعُوْذُ میں ہمزہ وعین، وغیرہ | یا حرفِ حلقی اور حرفِ مد جمع ہوں جیسے فَاعِلِیْنَ، عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ، عَلٰی عَقِبَیْهِ، عُهِدَ، نُوْحُ اهْبِطْ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ اور لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ وغیرہ تو ہر ایک کو خوب صاف صاف اور ایک دوسرے سے ممتاز کر کے ادا کرنا چاہیے۔[1]

ایسے ہی جب دو مُتشابِہ الصَّوت حرف (یعنی ایسے حرف جن کی آواز ملتی جلتی ہو) جمع ہوں جیسے بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ، یَعَضُّ الظَّالِمُ، بَعْضَ الظَّنِّ اور اَنْقَضَ ظَهْرَكَ میں ضاد وظاء۔ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ میں ثاء وسین۔ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ میں زاء وذال۔ اَلَیْسَ الصُّبْحُ میں سین وصاد۔ تَطَّلِعُ میں تاء وطاء۔ تو ان کو خوب صاف صاف ادا کرنا چاہیے، اور ہر ایک کی جو صفت ہو وہ اس کو دینی چاہیے۔ خیال نہ کرنے سے بعض دفعہ کچھ ایسا

---

1 مگر عین وھاء کے ادا کرتے وقت گلا نہیں گھونٹنا چاہیے، بلکہ یہ دونوں وسطِ حلق سے نہایت لطافت کے ساتھ بلا تکلّف ادا ہونے چاہئیں۔

خَلط مَلط سا ہو جاتا ہے کہ دونوں حرف الگ الگ اور صاف صاف ادا نہیں ہوتے۔

ایسے ہی جب دو ضعیف حرف جمع ہوں، مثلاً جِبَاهُهُمْ میں دو ھاء۔ یا ایک ضعیف اور دوسرا قوی ہو، جیسے اِهْدِنَا میں ھاء و دال۔ یا دو حرفِ مفخم متصل یا قریب قریب ہوں جیسے صَلْصَالٍ میں دو صاد، اور مُضْطَرٍّ میں ضاد و طاء۔ یا دو مشدد حرف قریب قریب یا متصل ہوں جیسے ذُرِّيَّتَهٗ، مُطَّهِّرِيْنَ، مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، لُجِّيٍّ يَّغْشٰهُ اور وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ میں ہیں، تو ہر ایک کو ممتاز کر کے پڑھنا چاہیئے۔ اور جس حرف میں جو صفت ہو، اس کو پورے طور سے ادا کرنا چاہیئے۔

یا مِثلین، مُتجانسین اور مُتقاربین اس طرح جمع ہوں کہ ان میں شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ادغام نہ ہو رہا ہو جیسے بِوَجْهِهٖ، اَعْيُنِنَا، بِشْرٰىكُمْ، قَدْ جَآءَ، قَدْ ضَلُّوْا، اِذْ زَيَّنَ، اِذْ تَقُوْلُ، قَالُوْا وَهُمْ، سَبِّحْهُ اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا وغیرہ، تو ایسی صورت میں بھی اس بات کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے کہ ہر حرف صاف صاف اور کسی خَلط مَلط کے بغیر ادا ہو۔ اور ایسا نہ ہو کہ پہلا حرف ادا ہونے سے رہ جائے، یا صاف طور پر ادا نہ ہو، یا ساکن ہو کر دوسرے میں مدغم ہو جائے۔

تنبیہ: ۲ جب حرفِ مُرقّق کے بعد حرفِ مفخم واقع ہو جیسے وَلْيَتَلَطَّفْ میں لام وطاء، مِنْ مَّخْمَصَةٍ میں میم و خاء اور میم و صاد، اَفَضْتُمْ میں فاء و ضاد، وَعَظْتَ میں عین و ظاء، حَصْحَصَ میں حاء و صاد، اَحَطْتُّ میں حاء و طاء، اَلْحَقُّ میں حاء و قاف اور اِنْفَطَرَتْ میں فاء و طاء۔ یا اس کے برعکس یعنی حرفِ مفخم پہلے ہو اور مُرقّق بعد میں جیسے ظَلَمَ میں ظاء و لام، اِنَّ اللّٰهَ میں لام والف اور ھاء، غَفَرَ میں غین و فاء، ضَلَّ میں ضاد و لام، اور فَاطَّلَعَ میں طاء و لام وغیرہ، تو ایسی صورت میں اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر حرف اپنی اُسی کیفیت کے ساتھ ادا ہو جو اُس کیلئے ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ماقبل یا مابعد کے حرفِ مفخم کی وجہ سے مُرقّق بھی مفخم ہو جائے، یا اس کے برعکس کہ مُرقّق کی وجہ سے مفخم

میں ترقیق کا کچھ اثر آجائے۔ خیال نہ کرنے سے اکثر لوگوں سے یہ غلطی ہو جاتی ہے، بالخصوص مفخم کے اثر سے مُرَقَّق کا مفخم ہو جانا تو بہت عام ہے۔

اور اگر دو حرف مُرَقَّق و مفخم بھی ہوں اور مُتشابہ الصَّوت بھی جیسے اَلَیْسَ الصُّبْحُ میں سین وصاد تو ایسی صورت میں ایک کے دوسرے سے متاثر ہو جانے کا احتمال اور بھی زیادہ ہوتا ہے، اس لیے ایسی صورت میں پُر کو پُر اور باریک کو باریک ادا کرنے کا اہتمام بھی زیادہ کرنا چاہیئے۔ خصوصًا جب کسی حرفِ مفخم سے پہلے ہمزہ ہو، خواہ اسمِ جلالہ کا لام ہو، خواہ راء اور خواہ حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جیسے اَللّٰهُ، اَرْجَآئِهَا، اَخَّرْتَنِيْ، اَغْوَيْنَا، اَقْرَرْتُمْ، اَطَّلَعَ، اَصْحٰبُ، اَضْلَلْتُمْ اور اَظْلَمَ وغیرہ، تو ایسی صورت میں اس بات کا پوری طرح خیال رکھا جائے کہ ہمزہ مُرَقَّق ادا ہو اور بعد والے حرف کی تفخیم کا ہمزہ میں مطلقًا کوئی اثر نہ آنے پائے۔

تنبیہ: ۳ ہمزہ متحرک ہو خواہ ساکن، اس کو خوب صاف طور پر اور تحقیق سے صفتِ جہر اور شدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرنا چاہیئے۔ خیال نہ کرنے سے بعض دفعہ ہمزہ حرفِ مد سے بدل جاتا ہے، یا حذف ہو جاتا ہے، یا اس میں تسہیل ہو جاتی ہے، خصوصًا جہاں دو ہمزہ جمع ہوں جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ، ءَاَلِدُ اور ءَاُنْزِلَ وغیرہ، تو وہاں اس بات کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے کہ دونوں تحقیق کے ساتھ ادا ہوں۔ ہاں اگر اس کلمہ میں تسہیل، یا ابدال، یا حذف کا قاعدہ پایا جا رہا ہو تو اس صورت میں تحقیق سے پڑھنا جائز نہ ہوگا، بلکہ اسی قاعدہ کے موافق پڑھنا ضروری ہوگا، (تسہیل، ابدال اور حذف کا مفصل بیان اسی باب کی فصلِ پنجم، صفحہ: ۱۴۸ میں گزر چکا ہے)۔ ہاں! یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہمزہ میں گو شدت اور جہر کی وجہ سے کسی قدر سختی ہے، مگر اس قدر نہیں کہ اسکے اثر سے ناف ہل جائے، حروف کی ادا کا ناف سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر ہمزہ کسی حرفِ ساکن کے بعد ہو جیسے قَدْ اَفْلَحَ اور اِنَّ الْاِنْسَانَ وغیرہ، تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ساکن کا سکون تام اور ہمزہ خوب صاف ادا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہمزہ تو حذف ہو جائے اور اس کی حرکت سے ماقبل کا ساکن متحرک ہو جائے، چنانچہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے،

بلکہ کبھی وہ ساکن مشدد بھی ہو جاتا ہے۔

تنبیہ: ۴ صفتِ غنہ "نون و میم" کے حرفوں کیساتھ ہی خاص ہے۔ ان کی حرکات میں اور ایسے ہی اگر ان کے بعد حروفِ مدہ ہوں جیسا کہ مِنَ النَّاسِ، اِلَی النُّوْرِ اور اِنِّیْ وغیرہ میں ہیں تو ان میں غنہ کا اثر نہیں آنا چاہیئے۔ اس غلطی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ نون اور میم کی آواز ختم ہو کر جب حرکت یا حرفِ مد کی آواز شروع ہونے لگے تو آواز کو خیشوم سے فوراً بے تعلق کر لیا جائے۔ بس اس احتیاط کو تدبیر میں لانے سے ان شاء اللہ غلطی کی اصلاح ہو جائیگی۔

تنبیہ: ۵ نون مخفاۃ کے ادا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس سے پہلے والے حرف کی حرکت میں اِشباع ہو کر حرفِ مد پیدا نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ بعض لوگ اَنْفُسَکُمْ کو اَانْفُسَکُمْ اور اِنْ کُنْتُمْ کو اِیْنْ کُوْنْتُمْ پڑھ دیتے ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔

تنبیہ: ٦ جب نون و میم ساکن ہوں جیسے مِیْثَاقَکُمْ، اَلرَّحِیْمِ اور مِنْ نّٰصِرِیْنَ وغیرہ، تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان میں غنہ آنی ضرور ادا ہو۔ عام طور پر مُشاہَدہ میں آیا ہے کہ طلبہ سکون کی حالت میں غنہ آنی کا بھی خیال نہیں رکھتے اور آواز کو فوراً مُنْقَطَع کر دیتے ہیں۔ اس غلطی کی اصلاح ان دو باتوں کو ذہن میں رکھنے سے ہو سکتی ہے:۔

- ایک یہ کہ یہ دونوں حروف متوسطہ میں سے ہیں، شدیدہ میں سے نہیں ہیں۔
- دوسری یہ کہ سکون کی حالت میں بنسبت حرکت کے غنہ کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

تنبیہ: ۷ ایک یہ غلطی مُشاہَدہ میں آئی ہے کہ مِمَّنْ مَّنَعَ اور وَمَا هُمْ مِّنْکُمْ جیسے الفاظ میں غنہ کے بعد آنے والی میم کو طلبہ عموماً صاف طور سے ادا نہیں کرتے، بلکہ اس میں کچھ اس طرح گڈ مَڈ سی کر دیتے ہیں کہ میم غنہ کے اندر غائب ہو جاتی ہے اور صاف طور پر ادا نہیں ہوتی، اس سے بھی بچنے کا خیال رکھنا چاہیئے۔

تنبیہ: ۸ ایسے ہی ایک غلطی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب مَوقوف عَلیہ نون مشدد ہو جیسے اٰبَآءِهِنَّ، اَبْنَآءِهِنَّ اور وَلَا جَآنٌّ ○ وغیرہ، تو ایسے الفاظ پر وقف کرتے وقت بعض

لوگوں سے نون میں کچھ قلقلہ سا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ نون کا سکون کامل طور پر ادا ہو اور اس کی آواز ہلنے نہ پائے۔

تنبیہ: ۹ ایک غلطی عام طور پر یہ بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ یاء سے پہلے جب حرفِ مفتوح ہو جیسے شَيٰطِيۡنِهِمۡ اور وَلَيَالٍ وغیرہ، تو اکثر طلباء اس حرف کے فتحہ کو کچھ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ وہ کسی قدر کسرہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور یہی غلطی اُس طاء کے فتحہ میں بھی پائی جاتی ہے جس کے بعد ھاء ہو، جیسے فَاطَّهَّرُوۡا، مُطَّهِّرِيۡنَ اور فَطَهِّرۡ وغیرہ، لہٰذا ان دونوں موقعوں میں اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے کہ فتحہ کامل طور پر ادا ہو اور کسرہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔

تنبیہ: ۱۰ ادغام کی بحث میں پڑھ چکے ہو کہ دال کا ادغام صرف تاء میں، تاء کا صرف دال و طاء میں اور ذال کا صرف ظاء میں ہوتا ہے، مگر بعض لوگوں سے عُجلت یا غفلت کی وجہ سے ان حرفوں کا ادغام اور بھی بہت سے حرفوں میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ "تاء" کا ثاء، جیم، زاء، سین، صاد اور ظاء میں "دال" کا جیم، ذال، زاء، سین، شین، صاد، ضاد اور ظاء میں اور "ذال" کا تاء، جیم، دال، زاء، سین اور صاد میں بھی ادغام کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح پڑھ دیتے ہیں: كَذَّبَتۡ ثَّمُوۡدُ، نَضِجَتۡ جُّلُوۡدُهُمۡ، خَبَتۡ زِّدۡنٰهُمۡ، اَنۡبَتَتۡ سَّبۡعَ، حَصِرَتۡ صُّدُوۡرُهُمۡ، حُرِّمَتۡ ظُّهُوۡرُهَا، وَلَقَدۡ ذَّرَاۡنَا، وَلَقَدۡ زَّيَّنَّا، قَدۡ سَّاَلَهَا، قَدۡ شَّغَفَهَا، وَلَقَدۡ صَّرَّفۡنَا، قَدۡ ضَّلُّوۡا، لَقَدۡ ظَّلَمَكَ، اِذۡ تَّقُوۡلُ، وَاِذۡ جَّعَلۡنَا، اِذۡ دَّخَلُوۡا، اِذۡ زَّيَّنَ، اِذۡ سَّمِعۡتُمُوۡهُ اور وَاِذۡ صَّرَفۡنَا وغیرہ وغیرہ۔

خوب یاد رکھو! کہ روایتِ حفص رحمہ اللہ کی رو سے ان موقعوں میں ادغام صحیح نہیں۔ اس لیے ایسے موقعوں میں ان حرفوں کو اظہار سے پڑھنے کا پورا اہتمام کرنا چاہیئے، تاکہ ادغام ہو کر روایت کے خلاف لازم نہ آئے، فقط۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تتمہ

تنبیہاتِ لحن

یعنی لحن، اس کی قسمیں (جلی وخفی) اور ان کا حکم

201 سوال: لحن کیا چیز ہے۔ اور اس کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب: یہ تجوید کی ضد ہے۔ یعنی قرآن مجید کے صحیح طور پر پڑھنے اور اسکے حرفوں کو ان کے مخارجِ مُتقَرَّرَہ سے جمیع صفات کی رعایت کے ساتھ ادا کرنے کو تو تجوید کہتے ہیں، اور غلط یعنی تجوید کے خلاف پڑھنا اس طرح کہ یا تو حرفوں کو ان کے اصلی مخارج سے نہ نکالا جائے، یا ان کی صفاتِ لازمہ، یا صفاتِ عارضہ کو ادا نہ کیا جائے، یا حرکات وسکنات میں غلطی کی جائے، تو یہ لحن کہلاتا ہے۔ اور گو لحن کے دو معنیٰ آتے ہیں:۔

1. لب ولہجہ
2. غلطی

چنانچہ جب اس کو تجوید کے مقابلہ میں بولتے ہیں تو اس وقت اس سے "غلطی" والے معنیٰ ہی مراد اور متعیَّن ہوتے ہیں۔

202 سوال: لحن کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کیا کیا ہیں؟

جواب: دو قسمیں ہیں:۔ 1 لحنِ جلی 2 لحنِ خفی

203 سوال: لحنِ جلی کس قسم کی غلطی کو کہتے ہیں۔ اور لحنِ خفی کس قسم کی غلطی کو؟

جواب: پانچ قسم کی غلطیوں پر تو لحنِ جلی کا اِطلاق ہوتا ہے۔ اور ان کے ماسوا جو غلطی ہو، وہ لحنِ خفی کہلاتی ہے۔

لحنِ جلی اور اس کی قسمیں

204
سوال وہ پانچ قسم کی غلطیاں جو لحنِ جلی میں داخل ہیں، کیا کیا ہیں؟

جواب وہ پانچ قسم کی غلطیاں یہ ہیں:۔

۱ تبدیل حرف بالحرف: یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا۔ جیسا کہ اَلْحَمْدُ کے بجائے اَلْھَمْدُ، اَلْقَدْرِ کے بجائے اَلْکَدْرِ، عَلِیْمٌ کے بجائے اَلِیْمٌ، یَبْصُطُ کے بجائے یَبْصُتُ، مُصْلِحُوْنَ کے بجائے مُسْلِھُوْن پڑھ دیا جائے، کیونکہ اس طرح پڑھنے سے پہلی مثال میں "حاء" ھاء سے، دوسری میں "قاف" کاف سے، تیسری میں "عین" ہمزہ سے، چوتھی میں "طاء" تاء سے، پانچویں میں "صاد" سین اور "حاء" ھاء سے بدل جائیگا۔

اور ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدل جانا دو وجہ سے ہوتا ہے:۔

① تبدیل مخرج بالمخرج (یعنی ایک مخرج کا دوسرے مخرج سے بدل جانا)۔

② تبدیل صفت بالصّفت (یعنی ایک صفتِ لازمہ کا دوسری صفتِ لازمہ سے بدل جانا)۔

چنانچہ پہلی تین مثالوں میں تو حرف کی تبدیلی، تبدیل مخرج بالمخرج کی چوتھی میں تبدیل صفت بالصّفت کی اور پانچویں میں تبدیل مخرج بالمخرج اور تبدیل صفت بالصّفت دونوں ہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس لیے کہ حاء وھاء، قاف وکاف اور اسی طرح عین وہمزہ کا مخرج جدا جدا ہے۔ طاء وتاء اور صاد وسین کا مخرج تو ایک ہی ہے، صرف بعض صفاتِ لازِمہ مُمَیِّزہ کی وجہ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاد اور طاء میں تو استعلا اور اطباق ہیں، اور سین وتاء میں ان کی ضدیں یعنی استفال اور انفتاح ہیں۔

۲ کسی حرف کا کم یا زیادہ ہو جانا: جیسا کہ لَمْ یَلِدْ کے بجائے لَمْ یَالِدْ، لَمْ یُوْلَدْ کے بجائے لَمْ یُلَدْ، ضَرَبَ لَکُمْ کے بجائے ضَرَبَا لَکُمْ اور جَعَلَا لَهٗ کے بجائے جَعَلَ لَهٗ پڑھ دیا جائے۔ پس پہلی اور تیسری مثال زیادتی کی ہے، دوسری اور

چوتھی کمی کی۔

۳ ایک حرکت کا دوسری حرکت سے بدل جانا: یعنی بجائے زبر کے زیر یا پیش، بجائے زیر کے زبر یا پیش، اور بجائے پیش کے زبر یا زیر پڑھ دیا جائے، جیسا کہ بجائے اَنْعَمْتَ کے اَنْعَمْتُ، یا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں يَوْمِ الدِّيْنِ کے بجائے يَوْمُ الدِّيْنِ یا يَوْمَ الدِّيْنِ اور بجائے خَتَمَ اللّٰهُ کے خَتَمَ اللّٰهِ پڑھ دیا جائے۔

۴ بجائے حرکت کے سکون، یا اسکا اُلٹ یعنی سکون کے بجائے حرکت پڑھ دی جائے جیساکہ خَلَقْنَا کے بجائے خَلَقَنَا، اور اَنْشَاْهَا کے بجائے اَنَشَاَهَا پڑھ دیا جائے۔

۵ مشدد کو مخفف اور مخفف کو مشدد پڑھ دیا جائے: جیسا کہ مُسْتَمِرٌّ کے بجائے مُسْتَمِرٌ اور مُزْدَجَرٌ کے بجائے مُزْدَجَرٌّ پڑھ دیا جائے۔

لحنِ خفی کی تعریف اور اس کی صورتیں

205 سوال: لحنِ جلی کی پانچوں صورتیں تو مع اَمْثِلَہ کے معلوم ہوگئیں، اب لحنِ خفی کی تعریف اور اس کی صورتیں بھی بتا دیجئے؟

جواب: اگر ہر حرف مع اپنی حرکت وسکون کے اپنے مخرج سے صفاتِ لازمہ کی رعایت کے ساتھ ادا ہو اور کسی حرف کی کمی بیشی بھی نہ ہو، البتہ وہ صفات جن کا تعلق حروف کی تحسین وتزئین کے ساتھ ہے، جن کو صفاتِ عارِضہ مُحَسِّنَہ مُزَيِّنَہ کہا جاتا ہے، ادا نہ ہوں، مثلاً:۔

* رائے مفتوحہ اور مضمومہ کو پُر پڑھنے کی بجائے باریک پڑھا جائے۔
* یا نون ساکن وتنوین کے بعد اخفاء کے پندرہ حرفوں میں سے کسی حرف کے آنے کے باوجود اخفاء نہ کیا جائے۔
* یا حروفِ مدہ کے بعد ہمزہ، یا سکون، یا تشدید ہونے کے باوجود مدفرعی نہ کیا جائے۔

✵ یا غنہ زمانی کو ادا نہ کیا جائے۔

✵ یا حرکات کو مجہول ادا کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

تو اس قسم کی غلطیوں کو لحنِ خفی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق صفاتِ عارِضہ مُحَسِّنَہ سے ہے۔

لحنِ جلی وخفی کے معنیٰ اور وجہ تسمیہ

206 سوال لحنِ جلی کے کیا معنیٰ ہیں اور لحنِ خفی کے کیا۔ نیز یہ کہ ان کا یہ نام رکھنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لحنِ جلی کے معنیٰ ہیں: بھاری اور واضح غلَطی۔ اور لحنِ خفی کے معنیٰ ہیں: ہلکی اور باریک غلَطی۔

✵ لحنِ جلی کو لحنِ جلی اسلئے کہتے ہیں کہ یہ ایسی واضح اور کھلی غلَطی ہے کہ جس کا اِدراک ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کو عربی سے معمولی سا لگاؤ بھی ہو۔ اور

✵ لحنِ خفی کو لحنِ خفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے قَسِیْم (یعنی لحنِ جلی) کے مقابلہ میں ہلکی ہوتی ہے۔ اور اس کو صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو علم تجوید میں ماہر ہوں۔ (چنانچہ صرف عربی جاننے سے اس کا احساس نہیں ہوتا)۔

207 سوال ان دونوں قسموں کا حکم کیا ہے؟

جواب لحنِ جلی حرام ہے، اسلئے کہ اس سے کلامُ اللہ میں تحریف اور اسکے حرفوں میں تغیُّر وتبدُّل ہو جاتا ہے اور معنیٰ بھی بدل جاتے ہیں۔ اور بَسا اَوقات تو ایسے بدلتے ہیں کہ اس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

اور لحنِ خفی مکروہ ہے، اسلئے کہ اس سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ ہی معنیٰ بدلتے ہیں، صرف حرفوں کا حُسن اور ان کی خوبصورتی زائل ہو جاتی ہے، البتہ بچنا اس سے بھی ضروری ہے

اور اس پر بھی اللہ کی جانب سے مُؤاخذہ کا اندیشہ ہے۔

208 **سوال** تجوید کے ساتھ لحن کے ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ اور اسکا یہاں کیا موقع ہے؟

جواب ایک عام اصول اور ضابطہ ہے: **تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا** یعنی چیزیں اپنی ضدّوں کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شئ کے ساتھ اس کی ضد کو بھی بیان کر دیا جائے تو اس صورت میں اس شئ کی حقیقت پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے، پس اسی طرح اگر تجوید کے ساتھ اس کی ضد یعنی لحن کو بھی بیان کر دیا جائے تو اس سے تجوید کی حقیقت پوری طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اس لیے تجوید کے مسائل بیان کرنے کے بعد اب اس بحث کے آخر میں بطورِ تتمہ لحن سے متعلق کچھ بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

لحنِ جلی وخفی کی مثالیں

یہ تو تم اوپر پڑھ ہی چکے ہو کہ لحن کی دو قسمیں ہیں، لحنِ جلی اور لحنِ خفی، اور یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ مخارج وصفاتِ لازمہ، حرکت وسکون اور حرف کی کمی وبیشی کی غلطی پر تو لحنِ جلی کا اطلاق ہوتا ہے اور صفاتِ عارضہ کی غلطی پر لحنِ خفی کا۔ اب یہاں بطورِ مثال چند اغلاط ذکر کر کے یہ بات سمجھائی جاتی ہے کہ تجوید کے تَرک، یا بَالفاظِ دیگر لحن کے ارتکاب سے معنیٰ میں کس کس طرح کی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، تاکہ تمہارے ذہنوں میں قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنے اور لحن یعنی غلط پڑھنے سے بچنے کی اہمیت خوب جاگُزین ہو جائے:۔

1 ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدل جانا جیسے **عَلِيْمٌ** کی بجائے **اَلِيْمٌ**، یا **اَلِيْمٌ** کی بجائے **عَلِيْمٌ** پڑھ دیا جائے، تو اس سے اگرچہ لفظ کی رُو سے تو صرف اتنی ہی تبدیلی ہوئی کہ عین "ہمزہ" سے اور ہمزہ "عین" سے بدل جائے گا، لیکن معنیٰ میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، اس لیے کہ **عَلِيْمٌ** کے معنیٰ ہیں: "بڑا عالم اور خوب جاننے والا"۔ اور یہ حق تعالیٰ کی صفت ہے جیسے **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ**ﮦ۔ اور **اَلِيْمٌ** کے معنیٰ ہیں: "دردناک اور

تکلیف دہ"۔ اور یہ عذاب کی صفت ہے جیسے وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

۲ کسی حرف کا کم یا زیادہ ہو جانا: جیسے ضَرَبَ لَكُمْ کی بجائے ضَرَبَا لَكُمْ اور جَعَلَا لَهٗ کی بجائے جَعَلَهٗ پڑھ دیا جائے، تو اس سے پہلی صورت میں بجائے واحد کے تثنیہ کا، اور دوسری صورت میں بجائے تثنیہ کے واحد کا صیغہ ہو جائے گا۔

۳ حرکت کا سکون سے بدل جانا: جیسے اَنْشَاْهَا کی بجائے اَنْشَأْهَا پڑھ دیا جائے۔ اس سے اگرچہ بظاہر تو صرف اتنی ہی تبدیلی ہوگی کہ ہمزہ کا فتحہ سکون سے بدل جائے گا اور بس، لیکن لفظ اتنا زیادہ متأثر ہوگا کہ کلمہ سرے سے مُہمل بن جائے گا۔

۴ سکون کا حرکت سے بدل جانا۔ جیسے خَلَقْنَا کی بجائے خَلَقَنَا پڑھ دیا جائے، تو اس سے اگرچہ لفظ کی رو سے تو صرف یہی ہوگا کہ قاف کا سکون حرکت سے بدل جائے گا، اور بس، لیکن معنیٰ میں بہت بڑی تبدیلی آجائے گی، کیونکہ:۔

* خَلَقْنَا (بسکونِ قاف) میں "نَا" فاعل کی ضمیر ہے۔ اور معنیٰ یہ ہیں: "ہم نے (یعنی اللہ نے) پیدا کیا۔" اور

* خَلَقَنَا (بفتحہ قاف) میں "نَا" مفعول کی ضمیر ہے، اور فاعل ضمیر مُستتر ہے۔ اور معنیٰ یہ ہو جاتے ہیں کہ: "اس نے ہم کو (یعنی اللہ کو) پیدا کیا" (عیاذاً باللہ)۔

۵ ایک حرکت کا دوسری حرکت سے بدل جانا: جیسے اَنْعَمْتَ کی بجائے اَنْعَمْتُ پڑھ دیا جائے۔ اس میں لفظ کی رو سے تو صرف اتنا ہی ہوگا کہ تاء کا فتحہ ضمہ سے بدل جائے گا اور باقی سارا کلمہ اسی ہیئت پر رہے گا، لیکن حرکت کی اس تبدیلی سے معنیٰ میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو جائیگی، کہ اَنْعَمْتَ (بفتحہ تاء) کی صورت میں تو فاعل حق تعالیٰ ہیں، اور اَنْعَمْتُ (بضمہ تاء) کی صورت میں فاعل خود وُہ متکلم ہی ہو جائے گا جو راہِ مستقیم کیلئے دعا کر رہا ہے، اور اس معنیٰ کا قبیح ہونا ظاہر ہے۔ اور نیز جیسے سورۃ الصافات: ۷۳ میں ایک لفظ ہے: اَلْمُنْذَرِيْنَ (ذال کے فتحہ

۱ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ (سو دیکھ لو! جن کو ڈرایا گیا تھا، ان کا انجام کیسا ہوا)۔

کیساتھ) جس سے مراد وہ کفار ہیں جن کو انبیاء علیہم السلام نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ لیکن اگر اس کو ذال کے کسرہ سے یعنی اَلْمُنْذِرِیْنَ پڑھ دیا جائے تو معنیٰ بالکل ہی بگڑ جاتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں اسکے معنیٰ ہو جاتے ہیں: "ڈرانے والے"۔ اور مطلب یہ ہوا کہ دیکھو! ڈرانے والوں (یعنی انبیاء علیہم السلام) کا انجام کیا ہوا (عیاذاً باللہ)۔ حالانکہ مقصود یہاں کفار کے انجام کو بیان کرنا ہے۔ یہ تو مثالیں ہوئیں لحنِ جلی کی۔

رہی لحنِ خفی؟ سو جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے نہ تو معنیٰ بدلتے ہیں اور نہ لفظ ہی ایسا زیادہ متاثر ہوتا ہے، صرف حرفوں کا حُسن اور ان کی زینت ہی فوت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر راءِ مفتوحہ، یا مضمومہ کو باریک پڑھا جائے، یا اخفاء، غنہ زمانی اور مدفرعی وغیرہ کو ادا نہ کیا جائے، یا حرکات کو مجہول پڑھا جائے، تو ان صورتوں میں نہ تو معنیٰ ہی بدلتے ہیں اور نہ ہی لفظ ایسا زیادہ متاثر ہوتا ہے، لیکن چونکہ حرفوں کی زینت اور ان کا حُسن اس سے بھی فوت ہو جاتا ہے، اس لیے اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اور تجوید کا کامل درجہ یہی ہے کہ لحنِ جلی کی طرح لحنِ خفی سے بھی بچا جائے اور مخارج و صفاتِ لازمہ کی طرح صفاتِ عارضہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔

الحمد للہ کہ یہاں پہنچ کر ترتیل کے پہلے جز (یعنی تجوید) سے متعلق تمام ضروری مسائل بیان ہو چکے۔ اگر اللہ نے توفیق بخشی اور حالات نے مُساعدت کی تو ان مسائل کی پوری تشریح و توضیح اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم مسائل اور فن کے دَقائق "التبیان فی ترتیل القرآن" میں سپردِ قلم کیے جائیں گے۔

اب تیسرے باب میں اس کے دوسرے جز یعنی معرفۃ الوقوف سے متعلق احکام و مسائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَھُوَ خَیْرُ الرَّفِیْقِ۔

باب سوم

ترتیل کا دوسرا جزو (یا تجوید کا تتمہ): معرفۃُ الوقوف

اس باب میں ایک تمہید، تین فصلیں اور ایک تتمہ ہے۔ تمہید میں وقف کی اہمیت اور اس کی تعریف وغیرہ کا۔ فصلِ اوّل میں کیفیتِ وقف کا۔ فصلِ دوم میں محلِ وقف کا۔ فصلِ سوم میں ابتدا، اِعادہ، سکتہ اور قطع کا۔ اور تتمہ میں بقدرِ ضرورت رسم الخط کا بیان ہے۔

تمہید

وقف کی اہمیّت، اس کی تعریف اور معرفۃ الوقوف کا مطلب

209

سوال وقف کا مسائلِ تجوید سے کیا تعلق ہے؟

جواب بابِ اوّل کی پہلی فصل میں تم پڑھ چکے ہو کہ سورۂ مُزّمّل کی آیتِ کریمہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ترتیل کے دو جز ہیں: تجوید الحروف اور معرفۃ الوقوف۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ معرفۃ الوقوف کا حاصل کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح تجوید الحروف کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ معرفۃ الوقوف حاصل ہوئے بغیر ترتیل نامکمل رہتی ہے، کیونکہ اگر قاری حروف کو تو تجوید کے ساتھ ادا کرے لیکن وقف بے محل اور بے قاعدہ کرے، تو اس سے کلام اللہ کا حُسن اور اسکا ربط فوت ہو کر بے لطفی اور بے مزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جسکا اِدراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن کے معانی سے واقف ہیں۔ اسی لیے علماء قراءۃ نے تجوید کی طرح

وقف کے موضوع پر بھی بہت سے رَسائل تصنیف فرمائے ہیں، بلکہ خود رسائلِ تجوید میں بھی مسائلِ تجوید بیان کرنے کے بعد وقف سے متعلق احکام ومسائل بیان کرنے کا اہتمام فرماتے رہے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض دفعہ بے موقع وقف کرنے سے خلافِ مرادِ معنیٰ کا اِیہام ہو جاتا ہے، اسلیئے قرآن کی تلاوت کرنے والے کیلیئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ مسائلِ تجوید سیکھنے کی طرح وقف کے مسائل بھی سیکھے۔ پھر یہ کہ جس آیتِ کریمہ سے تجوید کا ضروری ہونا اور اس کا حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے، اسی آیت سے وقف کے احکام کا سیکھنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر علم تجوید کے ذریعہ قرآن کے حرفوں کی تصحیح ہوتی ہے تو معرفتِ وقف کے ذریعہ قرآن کے معانی کی تفہیم ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید کا وقف کے محل اور اس کی کیفیت کی رعایت سے پڑھنا تفہیمِ معنیٰ اور تحسینِ قراءۃ کا باعث ہوتا ہے۔ بس قاری کو چاہیئے کہ تلاوت کرتے وقت قواعد تجوید کی طرح وقف کے قواعد کی بھی پابندی کرے، تاکہ اس کی تلاوت کا حُسن دوبالا ہو۔ نیز بے موقع وقف کرنے سے خلافِ مرادِ معنیٰ کا جو اِیہام ہوتا ہے، وہ بھی نہ ہو۔

وقف کی تعریف

210 **سوال** وقف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب لغت میں وقف کے معنیٰ "کَف" یعنی "روکنے" کے ہیں۔ اور اصطلاح میں وقف کی تعریف یہ ہے:

قَطْعُ الصَّوْتِ مَعَ النَّفَسِ وَاِسْكَانُ الْمُتَحَرِّكِ اِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا۔

یعنی سانس اور آواز دونوں کا منقطع کر دینا، اور حرفِ موقوف علیہ اگر پہلے سے ساکن نہ ہو تو اس کو ساکن کر دینا۔

اور بعض نے وقف کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی ہے: تَرْكُ الْحَرَكَةِ مَعَ قَطْعِ النَّفَسِ زَمَانًا۔ یعنی کچھ دیر کیلیئے سانس کو منقطع کر کے حرکت کو ترک کر دینا۔

یہ دونوں تعریفیں ہم معنیٰ ہیں، اس لیے کہ ترکِ حرکت اور اسکانِ متحرک، دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ اور پہلی تعریف میں جو قَطْعُ الصَّوْتِ کی قید لگائی گئی ہے، وہ وضاحت کیلئے ہے، ضرورت کی بناء پر نہیں۔ اس لیے کہ قَطْعِ نَفَس (یعنی سانس کے توڑ دینے) کو اِنْقِطاعِ صَوت (یعنی آواز کا ٹوٹ جانا) لازم ہے۔ رہی دوسری تعریف میں زَمَانًا کی قید؟ سو وہ وقف کو قطع سے جدا کرنے کیلئے ہے، جس کی وضاحت آگے تیسری فصل میں آرہی ہے۔

معرفۃُ الوقوف کا مطلب

211 **سوال** احکامِ وقف کے سلسلہ میں کتنی اور کن چیزوں کا جاننا ضروری ہے؟

جواب دو چیزوں کا:- ① کیفیتِ وقف ② محلِ وقف

ان دونوں چیزوں کے جاننے کو اہلِ فن اور قراء کی اصطلاح میں معرفۃ الوقوف کہتے ہیں، اور معرفت کے معنیٰ "جاننے" کے آتے ہیں۔

212 **سوال** کیفیتِ وقف اور محلِ وقف سے کیا مراد ہے؟

جواب کیفیتِ وقف کا مطلب ہے: وقف کرنے کا قاعدہ اور اس کا طریقہ۔ اس کے جاننے سے مراد یہ ہے کہ قاری اس بات کو جانے کہ کون سے کلمہ پر وقف کس طرح کرنا چاہیئے اور کون سے پر کس طرح، جیساکہ ہم ابھی ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ اور محلِ وقف کا مطلب ہے: وقف کرنے کا موقع اور اس کی جگہ۔ یعنی قاری اس بات کو جانے کہ کس کلمہ پر وقف کرنا معنیٰ کی رو سے لازم ہے اور کس پر تام، کس پر کافی ہے اور کس پر حَسن، کس پر قبیح ہے اور کس پر اَقبح۔ اور یہ بھی جانے کہ کس کلمہ پر وقف کرنے کی صورت میں مابعد سے ابتدا کرنی چاہیئے اور کس صورت میں ماقبل سے اِعادہ، (اس کا بیان بھی ان شاء اللہ آئیگا)۔ اب ہم ان دونوں چیزوں کو رسالۂ ہٰذا کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے قدرے تفصیل کیساتھ بیان کرتے ہیں۔ (اور پوری تفصیل ان شاء اللہ العزیز التبیان فی ترتیل القرآن میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی)۔

فصل اوّل

کیفیتِ وقف کی بحث

213

سوال کسی کلمہ پر وقف کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب وقف کرنے کے کئی طریقے ہیں:۔

۱ وقف بِالْاِسْکان

یعنی آواز اور سانس دونوں کو مُنْقَطِع کرتے ہوئے حرفِ موقوف علیہ کو بالکل ساکن کردیا جائے اسطرح کہ نہ تو حرکت کا کوئی حصہ زبان سے ادا ہو اور نہ اس کی طرف ہونٹوں سے اشارہ ہی ہو۔ اس کو وقف بالاسکان کہتے ہیں۔ وقف کے باب میں اصل یہی ہے۔ اور یہی زیادہ مُرَوَّج بھی ہے اور یہ عام بھی ہے، اس لیے کہ یہ تینوں حرکتوں میں جائز ہے، چنانچہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اور نَسْتَعِيْنُ۝ تینوں کے نون میں جائز ہے۔

۲ وقف بِالرَّوم

یعنی حرفِ موقوف علیہ کو بالکل ساکن نہ کیا جائے، بلکہ اس کی حرکت کو بھی تھوڑا سا ظاہر کیا جائے، جس کی مقدار ثُلُثِ حرکت (یعنی حرکت کا تیسرا حصہ ہے)۔ اسطرح وقف کرنے کو وقف بالروم کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے وقف بالروم کی تعریف اس طرح کی ہے کہ حرفِ موقوف علیہ کی حرکت کو ایسی خفی (یعنی پست) آواز کے ساتھ ادا کیا جائے کہ قریب بیٹھنے والا ہی سُن سکے۔ اور یہ صرف کسرہ اور ضمہ ہی میں جائز ہے، خواہ یہ دونوں مُنَوَّن ہوں، خواہ غیرِ منون۔ اور فتحہ میں جائز نہیں۔ چنانچہ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اور نَسْتَعِيْنُ۝ کے نون میں، قَدِيْرٌ۝ اور مِنْ نَّارٍ۝ کی راء میں تو جائز ہے، مگر اَلْعٰلَمِيْنَ۝ کے نون میں جائز نہیں۔

۳ وَقف بِالاِشْمام

یعنی حرفِ موقوف علیہ کو ساکن تو بالکل اسی طرح کیا جائے جس طرح کہ وقف بالاسکان میں کیا جاتا ہے، مگر ساکن کرتے ہی ہونٹوں کو اس طرح گول کر دیا جائے جس طرح کہ ضمہ کے ادا کرتے وقت کیے جاتے ہیں، اس کو وقف بالاشمام کہتے ہیں۔ اور یہ صرف ضمہ میں ہی ہوتا ہے، خواہ منون ہو، خواہ غیر منون۔ اور یہ کسرہ اور فتحہ میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ **نَسْتَعِيْنُ**ؕ کے نون اور **عَلِيْمٌ**ؕ کے میم میں تو ہو سکتا ہے، مگر **اَلْعٰلَمِيْنَ**ؕ اور **يَوْمِ الدِّيْنِ**ؕ کے نون میں اور **مِنْ نَّارٍ**ؕ کی راء میں نہیں ہو سکتا۔

۴ وقف بِالاِبْدال

یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا جائے۔ اور اسکے دو موقعے ہیں:۔

- ایک یہ کہ کسی کلمہ کے آخری حرف پر دو زبر کا تنوین ہو۔
- دوسرا یہ کہ کسی کلمہ کا آخری حرف تاء مُدَوَّرہ ہو (یعنی وہ تاء جو ہ کی شکل میں لکھی جاتی ہے)۔

پس پہلی صورت میں یعنی جب کلمہ کے آخری حرف پر نصب کا تنوین ہو جیسے **بَصِيْرًا**، **خَبِيْرًا**، **مَشْكُوْرًا** اور **مَدْحُوْرًا** وغیرہ، تو اس تنوین کو الف سے بدل کر اس طرح پڑھتے ہیں: **بَصِيْرَا**، **خَبِيْرَا**، **مَشْكُوْرَا**، **مَدْحُوْرَا**۔ اور ایسے موقعوں میں تنوین والے حرف کے بعد الف لکھا ہوا بھی ہوتا ہے۔

اور اگر کسی کلمہ کا آخری حرف تائے مدوّرہ ہو، خواہ اس پر دو زبر، یا دو زیر، یا دو پیش ہوں، یا ایک زبر، ایک زیر، ایک پیش ہو۔ جیسے **مُطَهَّرَةً**، **طَيِّبَةٍ**، **وَرَحْمَةٌ**، **اَلْبَيِّنَةُ**، **اِنَّ الصَّلٰوةَ**، **وَالْمُؤَلَّفَةِ**، تو اس تاء کو ہائے ساکنہ سے بدلکر اس طرح پڑھتے ہیں: **مُطَهَّرَهْ**، **طَيِّبَهْ**، **وَرَحْمَهْ**، **اَلْبَيِّنَهْ**، **اِنَّ الصَّلٰوهْ**، **وَالْمُؤَلَّفَهْ**۔

اور ان دونوں موقعوں کے وقف کو وقف بالابدال کہتے ہیں۔

۵ وقف بِالسُّکون

یعنی صرف سانس اور آواز ہی کو منقطع کر دیا جائے اور حرف موقوف علیہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے، بلکہ جس طرح وصل میں پڑھا جاتا ہے، وقف میں بھی بعینہٖ اسی طرح پڑھا جائے۔ اور یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب موقوف علیہ پہلے ہی سے ساکن ہو، جیسے فَحَدِّثْ، وَانْحَرْ اور عَلَيْهِمْ وغیرہ، تو اس کو وقف بالسکون کہتے ہیں۔

وقف کا مسئلہ ایک نئے اور مختصر انداز سے

اور اب اسی وقف کے مسئلہ کو ایک نئے انداز اور مختصر طریقہ سے سمجھایا جاتا ہے۔

214 **سوال** آخر کے اعتبار سے کلمہ کی کتنی حالتیں ہیں۔ اور ہر حالت میں وقف کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب آٹھ حالتیں ہیں:۔

١ کلمہ کے آخری حرف پر ایک زبر ہو۔ جیسے اَلْعٰلَمِيْنَ ۝

٢ ایک زیر ہو۔ جیسے يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

٣ ایک پیش ہو۔ جیسے نَسْتَعِيْنُ ۝

٤ دو زیر ہوں۔ جیسے مِنْ نَّذِيْرٍ ۝

٥ دو پیش ہوں۔ جیسے قَدِيْرٌ ۝

٦ دو زبر ہوں۔ جیسے بَصِيْرًا ۝

٧ آخری حرف تائے مُدَوَّرہ ہو۔ جیسے اَلْبَيِّنَةُ ۝

٨ آخری حرف ساکن ہو۔ جیسے اَنْتُمْ، عَلَيْهِمْ، جَعَلَا، قَالُوْا، اَلْقَوْا، اَخِيْ، ذَوَاتَيْ۔ پس:۔

❊ ایک زبر کی صورت میں صرف بالاسکان ہوگا۔

❊ ایک زیر اور دو زیر کی صورت میں بالاسکان اور بالروم ہوں گے۔

❊ ایک پیش اور دو پیش کی صورت میں بالاسکان، بالروم اور بالاشمام (تینوں جائز ہیں)۔

❊ دو زبر اور تائے مدوّرہ کی صورت میں بالابدال ہوگا۔

❊ اور ساکن ہونے کی صورت میں بالسکون کہلائے گا۔

رَوم واشمام ہر حرف اور ہر حرکت میں جائز نہیں

215 **سوال** کیا رَوم اور اشمام ہر حرف اور ہر حرکت میں جائز ہیں؟

جواب نہیں! فتحہ میں، حرکتِ عارِضی میں، میم جمع میں اور ہائے تانیث میں یہ دونوں وقف منع ہیں۔ اور فتحہ میں ان دونوں کا ناجائز ہونا اوپر بھی بیان ہو چکا ہے۔ پس یَعۡلَمُوۡنَ کے نون میں، اَنۡذِرِ النَّاسَ کی راء میں، عَلَیۡهِمُ الۡقِتَالُ کے میم میں اور رَحۡمَةٌ کی تاء میں رَوم اور اشمام جائز نہ ہوں گے۔

اور ہائے ضمیر میں تفصیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:-

❊ اگر تو ہائے ضمیر کے ماقبل فتحہ، یا الف، یا کوئی حرف صحیح ساکن ہو، جیسا کہ اَخَاهُ، مِنۡهُ اور لَهٗ وغیرہ میں ہے، تو ان تین صورتوں میں ہائے ضمیر میں بھی رَوم واشمام کے ساتھ وقف کرنا جائز ہے۔

❊ اور اگر ہائے ضمیر کے ماقبل ضمہ، یا کسرہ، یا واؤ، یا یاء ہو، جیسا کہ رَسُوۡلُهٗ، بِرَبِّهٖ، رَاَيۡتُمُوۡهُ، فِيۡهِ وغیرہ میں ہے، تو ان صورتوں میں ہائے ضمیر پر رَوم واشمام کے ساتھ وقف کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات جائز بتاتے ہیں اور بعض ناجائز۔ اور دونوں ہی مذہب صحیح ہیں۔ (از شاطبیہ)

وقف کے باب میں ضروری تنبیہات

216 سوال ان تنبیہاتِ وقف کے تحت کونسا مسئلہ بیان کیا گیا ہے؟

جواب ان تنبیہات کے ضمن میں کیفیتِ وقف سے متعلق چند خاص اور بہت ہی اہم ہدایات درج کی گئی ہیں۔ خوب غور سے پڑھو اور یاد بھی رکھو:۔

۱ اِنقِطاعِ نَفَس اور اسکانِ متحرک

وقف کی تعریف میں غور کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ وقف میں حرفِ موقوف علیہ کو ساکن کرنا، اور سانس اور آواز کا توڑ دینا، یہ دونوں باتیں ضروری اور لازم ہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جانے سے رہ گئی، مثلاً:۔

* متحرک کو ساکن تو کر دیا، لیکن سانس کو منقطع نہ کیا۔
* یا سانس تو توڑ دیا، لیکن متحرک کو ساکن نہ کیا۔

تو ان دونوں صورتوں میں وقف "کیفیّت" کے لحاظ سے غلط سمجھا جائے گا۔

لٰہذا حرکت پر وقف کرنا، یا وقف میں سانس نہ لینا جیسا کہ بعض ناواقفوں کی عادت ہے کہ وہ يَعْلَمُوْنَ، تَفْعَلُوْنَ، يُؤْمِنُوْنَ، اِلَيْكَ، مِنْ قَبْلِكَ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور بِرَسُوْلٍ وغیرہ پر وقف کرتے ہوئے سانس اور آواز کو تو منقطع کر دیتے ہیں، مگر حرفِ موقوف علیہ کو ساکن نہیں کرتے۔ اور ایسے ہی بعض لوگ موقوف علیہ کو ساکن تو کرتے جاتے ہیں لیکن سانس نہیں لیتے۔

سو خوب یاد رکھو! کہ وقف کے یہ دونوں طریقے بالکل خلافِ اصل اور قطعاً غلط ہیں۔

وقف صحیح وہی ہوگا جس میں قَطعِ نَفَس اور اسکانِ متحرک، دونوں ہی باتیں پائی جائیں گی۔

رہا آواز کا انقطاع؟ سو وہ اِنقِطاعِ نَفَس کے تابع ہے، البتہ اگر موقوف علیہ پہلے ہی سے ساکن ہو تو اس صورت میں قاری کو ایک ہی عمل کرنا ہوگا، یعنی صرف سانس ہی کو مُنقَطِع کرنا پڑے گا، اور بس۔ (جیسا کہ اوپر وقف نمبر ۵ کے تحت گزرا)۔

❋ ہاں اگر زیر اور پیش میں وقف بالروم کیا جائے گا، تو اب حرفِ موقوف علیہ کو کلیتہً ساکن نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کی حرکت کا تھوڑا سا حصہ بھی ظاہر کرنا ہوگا۔ (جیسا کہ اوپر وقف نمبر۲ کے ذیل میں گزرا)۔

۲ وقف بالرَّوم میں تنوین کا حذف

یاد رکھو! کہ جس طرح وقف بالاسکان میں دو پیش اور دو زیر کا، اور بالاشمام میں دو پیش کا تنوین حذف ہو جاتا ہے، اسی طرح وقف بالروم میں بھی حذف ہو جاتا ہے۔ پس اَلرَّحِیۡمِ اور مِنۡ نَّذِیۡرٍ، ایسے ہی نَسۡتَعِیۡنُ اور بَرۡقٌ وقف بالروم میں یکساں ادا ہوں گے۔ کہ میم و نون کی طرح قاف و راء کی صرف حرکت ہی خفی آواز کے ساتھ ادا ہوگی، اور بس، (یعنی تنوین کا کوئی حصہ ظاہر نہیں ہوگا)۔

۳ وقف میں تشدید کا اِثبات

اور یہ بھی یاد رکھو! کہ اگر موقوف علیہ حرف مشدد ہو جیسے مُسۡتَمِرٌّ اور مُسۡتَقِرٌّ وغیرہ، تو تینوں قسم کے وقف میں تشدید کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔ ورنہ مشدد کو مخفف ادا کرنے کی صورت میں ایک حرف کی کمی لازم آئے گی، جو لحنِ جلی ہے، خوب سمجھ لو!

خلاصہ یہ کہ وقف میں تنوین تو حذف ہو جاتا ہے، لیکن تشدید حذف نہیں ہوتی۔

۴ وقف میں ہائے ضمیر کا صِلہ

اگر کسی کلمہ کے آخر میں ہائے ضمیر ہو، جیسا کہ رَبُّهٗ اور بِرَبِّهٖ وغیرہ میں ہے، تو اس کا صلہ تینوں قسم کے وقف میں حذف ہو جائیگا۔ اور اس طرح پڑھیں گے: رَبُّهْ ۝ بِرَبِّهْ ۝۔

ان کلموں کو قَالُوْا اور اَخِيْ وغیرہ پر قیاس کر کے وقف واوٗ اور یاء پر یعنی صلہ کیساتھ نہیں کریں گے، کیونکہ صلہ کا واوٗ اور یاء ایک زائد حرف ہے جو لکھنے میں نہیں آتا، محض حرکت کے کھینچنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔

مشورہ: حرفِ موقوف علیہ کے ماقبل صحیح ساکن (یعنی حرفِ مد اور لین) کے علاوہ کوئی اور حرف ہو جیسے سَبِّحْهُ اور وَاسْتَغْفِرْهُ وغیرہ، تو ایسی صورت میں بجائے وقف بالاسکان کے وقف بالروم بہتر رہتا ہے۔ تاکہ ماقبل کے ساکن کا سکون "تام" ادا ہو۔

اور اگر وقف بالاسکان ہی کیا جائے، تو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے کہ سکونِ وقفی کی وجہ سے ماقبل کا ساکن متحرک نہ ہونے پائے، مثلاً وَاسْتَغْفِرْهُ کے بجائے وَاسْتَغْفِرُهْ نہ ہو جائے۔

۵ وقف میں رسم کی اِتّباع

قاری کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقف میں کلمہ کی رسم (یعنی لکھائی کی خاص بناوٹ) کو ملحوظ رکھے۔ گویا وقف کرتے وقت اس بات کو بھی دیکھے کہ وہ کلمہ جس پر وقف کر رہا ہے، کس طرح لکھا ہوا ہے۔ اس لیے کہ ضابطہ یہ ہے کہ جو کلمہ جس طرح لکھا ہوا ہو، وقف میں اسی طرح پڑھا جاتا ہے، خواہ وصل میں اسکے خلاف ہی کیوں نہ پڑھا جاتا ہو۔

غور کرو کہ تنوین خواہ زیر و پیش کا ہو، یا زبر کا، وصل میں تو دونوں بالکل ایک ہی طرح ادا ہوتے ہیں، اور دونوں کا تلفظ ایک ہی جیسا ہوتا ہے، لیکن وقف میں زیر و پیش کا تنوین تو حذف ہو جاتا ہے، اور زبر کا حذف نہیں بلکہ الف سے بدل جاتا ہے، تو اس فرق کی وجہ یہی ہے کہ

وقف رسم کے تابع ہے۔ پس :-

❋ زیر و پیش کا تنوین چونکہ رسم سے محذوف ہوتا ہے، اسلئے وہ وقف میں بھی حذف ہی ہو جاتا ہے۔ اور زبر کا چونکہ الف کی صورت میں مرسوم ہوتا ہے، اسلئے وہ الف سے بدل جاتا ہے۔

❋ ایسے ہی تانیث کی تاء خواہ تاء [ت] کی صورت میں لکھی ہوئی ہو، اور خواہ ھاء [ة] کی صورت میں، وصل میں تو دونوں صورتوں میں تاء ہی پڑھی جاتی ہے، لیکن وقف میں یہ فرق ہو جاتا ہے کہ جن موقعوں میں تاء [ت] کی صورت میں مرسوم ہے، ان میں تو تاء سے پڑھی جاتی ہے۔ اور جن موقعوں میں ھاء [ة] کی صورت میں مرسوم ہے ان میں ھاء سے بدل جاتی ہے۔

❋ اور یہی وجہ ہے کہ لفظ ① اَلظُّنُوْنَاْ○ احزاب:۱۰ میں، ②③ اَلرَّسُوْلَاْ○ اَلسَّبِيْلَاْ○ احزاب:۶۶، ۶۷ میں، ④ لٰكِنَّاْ کہف:۳۸ میں، ⑤ سَلٰسِلَاْ دہر:۴ میں، ⑥ پہلا قَوَارِيْـرَاْ دہر:۱۵ میں، ⑦ اَنَاْ (جو واحد متکلم کی ضمیر ہے) قرآن میں جہاں بھی آئے، باوجودیکہ وصل میں ان کا الف نہیں پڑھا جاتا، مگر چونکہ لکھا ہوا ہے اس لیے وقف میں پڑھا جاتا ہے۔ اور وقف میں الف کو حذف کرنا جائز نہیں۔

البتہ صرف لفظ سَلٰسِلَاْ میں دونوں طرح وقف کرنا صحیح ہے :- الف کے ساتھ بھی اور الف کے بغیر بھی، (جس کی وجہ فوائد مکیہ [صفحہ:۱۴۹] کے حاشیہ میں درج ہے)۔ اور حذف کی صورت میں وقف لام پر ہوگا اور وہ ساکن پڑھا جائے گا۔

نونِ خفیفہ

اور پھر غور کرو! ...... کہ ہائے ضمیر میں وصلاً تو صلہ ہوتا ہے، لیکن وقف میں یہ صلہ حذف ہو جاتا ہے ...... تو یہ کیوں؟ یہ بھی اسی لیے کہ وقف رسم کے تابع ہے۔ پس چونکہ صلہ کا واؤ اور یاء مرسوم نہیں ہوتے، اس لیے وہ وقف میں حذف ہو جاتے ہیں۔

❋ یہی وجہ ہے کہ لَنَسْفَعًا (سورہ علق:۱۵) اور وَلَيَكُوْنًا (یوسف:۳۲)، ان دونوں

میں وقف الف پر کرتے ہیں، حالانکہ اصل کی رو سے ان میں نون خفیفہ ہے، مگر چونکہ ان دونوں لفظوں میں نون خفیفہ دوزبر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کیساتھ کیا جاتا ہے، اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون پر نہیں کیا جاتا۔

❋ ایسے ہی لفظ كَاَيِّنْ جہاں بھی آئے، اصل کے اعتبار سے تو یہ كَاَيٍّ ہے، مگر چونکہ اس میں جر کا تنوین نون کی صورت میں مرسوم ہے، اس لیے اس پر وقف بھی نون کے ساتھ ہی کرتے ہیں، اور جر کے تنوین کے عام قاعدہ کی رو سے اس تنوین کو حذف کر کے یاء پر وقف نہیں کرتے۔

❋ اور یہی وجہ ہے کہ جن لفظوں کے آخر سے حروفِ مدہ رَسْماً محذوف ہیں، وہ باوجود اصل میں ثابت ہونے کے بھی وقف میں حذف ہوجاتے ہیں۔

حروفِ مدّہ (ثابت ہونے کے باوجود رسم سے محذوف)

ایسے حروفِ مدہ کی مثالیں جو اصل میں ثابت ہونے کے باوجود رسم سے محذوف ہیں، وہ یہ ہیں:۔

شمار	کلمات	مواقع
۱	وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ	نساء:۱۴۶
۲	نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ	یونس:۱۰۳
۳	وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ	اسرائیل:۱۱
۴	وَيَمْحُ اللّٰهُ	شوریٰ:۲۴
۵	يَدْعُ الدَّاعِ	قمر:۶
۶	سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ	علق:۱۸
۷	فَارْهَبُوْنِ	بقرہ:۴۰
۸	فَاتَّقُوْنِ	بقرہ:۴۱
۹	مَتَابِ	رعد:۳۰
۱۰	عِقَابِ	رعد:۳۲
۱۱	وَعِيْدِ (تین جگہ)	ابراہیم:۱۴، قٓ:۱۴ و ۴۵
۱۲	اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ	نور:۳۱
۱۳	يٰۤاَيُّهَ السَّاحِرُ	زخرف:۴۹
۱۴	اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ	الرحمٰن:۳۱

یہ اصل کی رو سے:۔ وَسَوۡفَ يُؤۡتِ، نُنۡجِ، وَيَدۡعُ، وَيَمۡحُ، يَوۡمَ يَدۡعُ، سَنَدۡعُ، فَارۡهَبُوۡنِ، فَاتَّقُوۡنِ، مَتَابِ، عِقَابِ، وَعِيۡدِ اور اَيُّهَ ہیں، لیکن ان کے آخر سے الف، واؤ اور یاء چونکہ رسماً محذوف ہیں، اسلئے ان کلمات پر وقف بھی ان حرفوں کے حذف کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے، اور ثابت رکھنا جائز نہیں۔

البتہ فَمَآ اٰتٰنِ ۦَ اللّٰهُ (نمل:۳۶) کی یاء کو وقف میں ثابت رکھنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی، یعنی فَمَآ اٰتٰنِۦۚ اور فَمَآ اٰتٰنۡ دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔

خلافِ رسم وقوف

ہاں یہ بھی یاد رکھو! کہ چند کلمے ایسے بھی ہیں جن میں وقف رسم کے موافق نہیں ہوتا۔ اور وہ یہ ہیں:۔

شمار	کلمات	مواقع
۱	اَوۡيَعۡفُوَاۡ	بقرہ:۲۳۷
۲	اَنۡ تَبُوۡٓءَاۡ	مائدہ:۲۹
۳	لِتَتۡلُوَاۡ	رعد:۳۰
۴	لَنۡ نَّدۡعُوَاۡ	کہف:۱۴
۵	لِيَرۡبُوَاۡ	روم:۳۹
۶	لِيَبۡلُوَاۡ	سورۂ محمد ﷺ:۴
۷	وَنَبۡلُوَاۡ	سورۂ محمد ﷺ:۳۱
۸	دوسرا قَوَارِيۡرَاۡ	دہر:۱۶
۹	ثَمُوۡدَاۡ (چار جگہ)	فرقان:۳۸، عنکبوت:۳۸، نجم:۵۱، اور ھود:۶۸ وہ جو لفظ اِنَّ کے بعد ہے یعنی اِلٰی اور لام جارہ کے بعد والا نہیں

ان سب کلمات کے آخر میں گو الف مرسوم تو ہے مگر پڑھا نہیں جاتا، نہ وقفاً نہ وصلاً۔

اَلْمَدُّ وَالْوُقُوْف

217 **سوال** اس عنوان کا کیا مطلب ہے، اور اسکے ضمن میں کونسا مسئلہ بیان کیا گیا ہے؟

جواب عنوان کا مطلب تو ظاہر ہی ہے کہ مد اور وقف کا ہے، اور اسکے ضمن میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حرفِ موقوف علیہ سے قبل اگر حرفِ مد یا حرفِ لین ہو جیسے اَلْعٰلَمِیْنَ۝، لَاضَیْرَ، یَوْمِ الدِّیْنِ۝، مِنْ خَوْفٍ۝، نَسْتَعِیْنُ۝، مِنْهُمْ شَیْءٌ وغیرہ تو اس میں مد اور وقف دونوں کی ضربی وجوہ عقلاً کتنی نکلتی ہیں، ان میں سے جائز کتنی ہیں اور ناجائز کتنی۔

218 **سوال** مد اور وقف کی ضربی وجوہ سے کس قسم کی وجوہ مراد ہیں؟

جواب تم دوسرے باب میں مد کی بحث کے ضمن میں پڑھ چکے ہو کہ حرفِ مد اور حرفِ لین میں مد کی تین تین وجوہ ہیں:۔ طول، توسط، قصر۔ اور پھر اوپر اس بحث میں یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ اگر موقوف علیہ مفتوح ہو، تب تو اس میں وقف صرف بالاسکان ہوتا ہے۔ لیکن اگر مکسور ہو تو بالاسکان اور بالروم دو طرح سے۔ اور اگر مضموم ہو تو بالاسکان، بالروم اور بالاشمام تین طرح سے وقف کرنا جائز ہے۔ اب اس عنوان کے تحت یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اگر حرفِ مد و لین کی وجوہ کو وقف کی وجوہ کیساتھ ملا کر اسطرح پڑھا جائے کہ پہلے مد و لین کی تینوں وجوہ کیساتھ وقف کی ایک وجہ، پھر دوبارہ مد کی تینوں وجوہ کے ساتھ وقف کی دوسری وجہ، اور پھر اسی طرح مد کی تینوں وجوہ کیساتھ وقف کی تیسری وجہ پڑھی جائے، تو اس کلمہ میں کل کتنی وجوہ بن جاتی ہیں۔ بس مد و وقف کی ضربی وجوہ سے مراد اِن دونوں کی ملی جلی وجوہ ہیں۔ اور تفصیل اس کی ابھی آتی ہے۔

219 **سوال** اگر حرفِ مد یا حرفِ لین کے بعد حرفِ موقوف علیہ مفتوح ہو جیسا کہ اَلْعٰلَمِیْنَ۝ اور لَاضَیْرَ وغیرہ میں ہے، تو اس صورت میں ضربی وجوہ کتنی نکلتی ہیں۔ ان میں سے جائز کتنی

ہیں اور ناجائز کتنی؟

جواب چونکہ ایسے کلموں پر وقف صرف بالاسکان ہی ہوسکتا ہے، اسلئے یہاں وجہیں صرف تین ہی نکلتی ہیں:۔

۱ طول مع الاسکان

۲ توسُّط مع الاسکان

۳ قصر مع الاسکان (اور یہ تینوں ہی وجوہ جائز ہیں)۔

220 سوال اگر حرفِ مد یا لین کے بعد موقوف علیہ مکسور ہو، جیساکہ اَلرَّحِیۡمِ۝، یَوۡمِ الدِّیۡنِ۝، مِنۡ خَوۡفٍ۝ اور وَالصَّیۡفِ۝ وغیرہ میں ہے، تواس میں عقلی ضربی وجہیں کتنی نکلتی ہیں۔ ان میں سے جائز کتنی ہیں اور ناجائز کتنی؟

جواب یہاں چونکہ وقف دو طرح سے ہوسکتا ہے:۔ بالاسکان اور بالروم، اس لیے اس صورت میں عقلاً چھ وجہیں نکلتی ہیں:۔ تین تو وہی اسکان والی جو اوپر بیان ہوئیں، اور تین رُوم کے ساتھ۔ اور وہ (رُوم والی تین قسمیں) یہ ہیں:۔

۴ قصر مع الروم

۵ توسُّط مع الروم

۶ طول مع الروم

مگر ان چھ میں سے جائز صرف پہلی چار وجوہ ہیں۔ اور نمبر پانچ وچھ یعنی طول وتوسط مع الروم ناجائز ہیں، اس لیے کہ رُوم میں حرفِ موقوف علیہ متحرک ادا ہوتا ہے، گو وہ حرکت خفی سی ہی ہوتی ہے۔ اور طول وتوسط کیلئے حرفِ مد کے بعد سکون کا ہونا ضروری ہے۔

221 سوال اگر حرفِ مد یا حرفِ لین کے بعد موقوف علیہ مضموم ہو جیساکہ نَسۡتَعِیۡنُ۝ اور مِنۡهُمۡ شَیۡءٌ وغیرہ میں ہے، توایسی صورت میں ضربی عقلی وجہیں کتنی نکلتی ہیں۔ اور جائز

ونا جائز کی کیا تفصیل ہے؟

جواب اس صورت میں چونکہ وقف تین طرح سے ہوسکتا ہے، اسلئے عقلاً نو وجہیں بنتی ہیں، چھ تو وہی (اسکان اور رَوم والی) جو اوپر بیان ہوئیں، اور تین اشمام کے ساتھ۔ یعنی :۔

۷ طول مع الاشمام

۸ توسُّط مع الاشمام

۹ قصر مع الاشمام

ان نو وجوہ میں سے سات جائز ہیں اور دو ناجائز۔ پس طول، توسط، قصر مع الاسکان۔ طول، توسط، قصر مع الاشمام۔ اور قصر مع الروم، یہ سات تو جائز ہیں۔ اور طول وتوسط مع الروم ناجائز۔ اور ان دو کے ناجائز ہونے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔ (مگر یہ تفصیل اُس وقت ہے جب حرفِ مد کے بعد موقوف علیہ ہمزہ نہ ہو)۔ اور اگر موقوف علیہ ہمزہ ہو، اور ہو بھی حرفِ مد کے بعد، تو اُس صورت میں وجوہ کچھ کم نکلیں گی۔ اُس لیے کہ حرفِ مد کے بعد ہمزہ کے موقوف علیہ ہونے کی صورت میں بعض وجوہ ناجائز ہیں۔

سوال اگر کسی کلمہ میں حرفِ مد کے بعد موقوف علیہ ہمزہ ہو، جیسے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ، مِنْ مَّآءٍ اور مَنْ يَّشَآءُ وغیرہ میں ہے، تو ایسی صورت میں کون کونسی وجوہ ناجائز ہیں؟

جواب اس صورت میں اسکان واشمام کے ساتھ قصر، اور رَوم کیساتھ قصر وطول ناجائز ہیں۔ پس فتحہ کی صورت میں صرف دو وجہیں جائز ہوں گی :۔

۱ طول مع الاسکان ۲ توسط مع الاسکان

اور کسرہ کی صورت میں تین جائز ہوں گی :۔

۱ ۲ طول وتوسط مع الاسکان

۳ توسط مع الروم

اور ضمہ کی صورت میں پانچ وجہیں جائز ہوں گی :۔

۱ ۲ طول وتوسط مع الاسکان

۳ ۴ طول وتوسط مع الاشمام

۵ توسط مع الروم

فائدہ: باقی وجوہ کے ناجائز ہونے کی وجہ چونکہ کچھ مشکل ہے، اسلئے یہاں ان کو بیان کرنا مناسب نہیں، البتہ فوائد مکیّہ کے حاشیہ (صفحہ: ۱۲۴) میں یہ مسئلہ پوری تفصیل کیساتھ بیان کردیا گیا ہے۔

تنبیہ: موقوف علیہ کے ہمزہ ہونے کی وجہ سے وجوہ اسی صورت میں کم ہوں گی کہ ہمزہ حرفِ مد کے بعد ہو۔ اور اگر حرفِ لین کے بعد ہوگا تو اس صورت میں ہمزہ اور غیر ہمزہ میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ پس مِنْ خَوْفٍ اور مِنْ شَيْءٍ میں، اور ایسے ہی يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ اور مِنْهُمْ شَيْءٌ وغیرہ میں وجوہ کی تعداد ایک ہی جیسی ہوگی۔

تنبیہ: یاد رکھو! کہ مد کی وجوہ یعنی طول توسط اور قصر کے بارے میں تو مُساوات اور برابری کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ مد کی بحث میں کافی وضاحت کے ساتھ یہ چیز لکھی جاچکی ہے کہ ان میں سے جو وجہ پہلے موقع میں اختیار کی جائے آخر تک اسی کو معمول بنایا جائے، لیکن کیفیاتِ وقف کے بارے میں یہ احتیاط اور مُطابقت مطلوب نہیں۔ یعنی اس میں یہ ضروری نہیں کہ اگر پہلی جگہ وقف بالاسکان کیا ہے تو اب دوسری اور تیسری جگہ بھی بالاسکان ہی کیا جائے۔ بلکہ کہیں اسکان، کہیں رَوم اور کہیں اشمام بھی جائز ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں اَلْعٰلَمِيْنَ○ کے قصر مع الاسکان کے ساتھ اَلرَّحِيْمِ○ اور اَلدِّيْنِ○ میں قصر مع الروم اور نَسْتَعِيْنُ○ میں قصر مع الاشمام جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں صرف وقف کی کیفیت ہی بدلتی ہے، مد کی وجہ نہیں بدلتی ۔ خوب سمجھ لو۔

فصل دوم

محلِّ وقف کے بیان میں

سوال وقف کرنے کا موقع اور محل کیا ہے؟

جواب اگر تلاوت کرنے والا قرآن مجید کے معانی اور عربی سے واقف نہیں ہے تو اس کیلئے یہی مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وہ وقف انہی موقعوں پر کرے جہاں قرآن مجید میں وقف کی علامات (یعنی نشانیاں) لگی ہوئی ہیں، اسلئے کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے یہ علامتیں قرآن مجید کے معنوں میں غور وخوض کر کے اسی غرض سے لگائی ہیں کہ معنیٰ نہ جاننے والوں کو محلِ وقف کے بارے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ اور وہ دورانِ تلاوت مناسب موقعوں پر خود بخود ہی وقف کرتے چلے جائیں۔ اور ناواقفیت کی وجہ سے کسی ایسی جگہ وقف نہ کرنے پائیں جہاں معنیٰ کی رُو سے کلام پورا نہ ہوتا ہو، یا اس جگہ وقف کرنے سے خلافِ مرادِ معنیٰ کا توہُّم ہوتا ہو، نیز وہ دِقّت بھی پیش نہ آئے جس کا بیان آگے آنے والا ہے۔

اور وقف کی علامتیں درج ذیل ہیں:۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
○	م	ط	ج	ز	ص	ق

۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
ك	قف	صل	صلى	لا	قِلا	∴ ...... ∴

۱۵
نیچے گول دائرہ، اوپر کوئی علامت۔ مثلاً: ○ۖ ○ۗ ○ۚ وغیرہ وغیرہ[۱]

[۱] ان کے علاوہ بعض وقف قرآن شریف کے حاشیہ پر بھی لکھے رہتے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) وقفُ النبی ﷺ (۲) وقفِ مُنزّل (۳) وقف جبرائیل علیہ السلام (۴) وقفِ غُفران۔

ان میں سے پہلی چار[1] علامتیں تو بڑی اور مُعتبَر شمار ہوتی ہیں اور باقی ضعیف۔ بلکہ بعض علامتیں تو ایسی ہیں جن سے وقف نہ کرنے کی طرف اشارہ[2] کیا گیا ہے۔ لہٰذا قاری کو چاہیئے کہ پڑھنے کا انداز کچھ اس طرح رکھے کہ جب وقف کرے تو پہلی چار علامتوں کے موقعوں پر ہی کرے۔ بلا ضرورت ضعیف عَلامت پر، یا یوں ہی کہیں درمیان میں ٹھہرنے سے حَتَّی الامکان اجتناب کرے، اس لیے کہ ضعیف علامت پر، یا درمیان میں ٹھہرنے سے پھر وہی دِقَّت پیش آئے گی جس سے بچانے کیلئے علماء رحمہم اللہ نے یہ محنت کی ہے، یعنی یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اب کہاں سے لَوٹائے۔ آیا اسی کلمہ سے کہ جس پر وقف کیا ہے، یا اس سے کچھ اوپر سے۔ نیز درمیان میں ٹھہرنے کی صورت میں کلام بھی پورا نہیں ہوتا، جس کی خرابی وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو کلامُ اللہ کے معنیٰ سمجھتے ہیں۔

وقف کے بارے میں بہترین ضابطہ یہ ہے کہ قاری دورانِ تلاوت آیت[3]، میم اور طاء، ان تینوں موقعوں پر التزاماً وقف کرتا جائے۔ اس لیے کہ وقف کرنے کی ضرورت تو بہر حال پیش آتی ہی ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں، تو پھر کیوں نہ ایسے ہی موقعوں پر کیا جائے جہاں کلام پورا ہوتا ہو۔ اور ایسے موقعے صرف یہی تین ہیں۔ نیز یہ کہ ان موقعوں پر وقف کرنے کی صورت میں ماقبل سے لَوٹانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، بلکہ مابعد سے ابتداء کی جاتی ہے۔

اور اگر ان تین موقعوں کے علاوہ بھی ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئے، تو پھر چوتھا موقعہ جیم ہے۔ اسلئے کہ گو اس کی حیثیت ان تین جیسی تو نہیں لیکن وقف کرنا جائز اس پر بھی ہے۔ اس ضابطہ پر عمل کرنے سے ضعیف علامت پر، یا درمیان میں وقف کرنے کی ضرورت بہت کم پیش

---

[1] البتہ آخری علامت (یعنی نیچے گول دائرہ اور اوپر علامت)، اور ایسے ہی حاشیہ نمبر ایک (صفحہ گزشتہ) کے چار وقف، سو وہ چونکہ انہی چار میں داخل ہیں، اس لیے وہ بھی انہی (یعنی معتبر) کے حکم میں ہیں۔

[2] البتہ ان میں سے نمبر ۸ یعنی کاف اور نمبر ۱۴ یعنی تین نقطوں کے متعلق تھوڑی سی وضاحت ہے، جس کو آئندہ فصل (صفحہ: ۲۱۶، ۲۱۷) میں بیان کیا جائے گا۔

[3] یعنی وہ آیت (۝) جس پر لا نہ ہو۔

آئیگی، ان شاء اللہ۔ ہاں اگر دو یا تین آیتیں یا علامتیں قریب قریب ہوں تو ایسی صورت میں ہر آیت اور ہر علامت پر ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کو ایک سانس میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اسلئے کہ علامتیں ضرورت کے وقت ٹھہرنے کیلئے لگائی گئی ہیں، اسلئے نہیں کہ ہر علامت پر ٹھہرنا ضروری بھی ہے، بلکہ وقف جتنے کم موقعوں پر کیا جائے گا اتنی ہی زیادہ تلاوت ہو سکے گی۔

224 **سوال** جب سب علامتوں پر وقف کرنا جائز نہیں تو پھر علماء نے یہ علامتیں لگائی کیوں ہیں؟

جواب علامتوں کی تین قسمیں ہیں :۔

۱ بعض علامتیں تو وہ ہیں جن پر وقف کرنا، اور وقف کرنے کے بعد آگے سے پڑھنا، دونوں باتیں جائز ہیں۔

۲ بعض وہ ہیں کہ ان پر وقف کرنا تو جائز ہے، لیکن مابعد سے ابتدا جائز نہیں، بلکہ ماقبل سے اِعادہ کرنا پڑتا ہے۔

۳ بعض وہ ہیں جن پر سرے سے وقف کرنا جائز ہی نہیں، بلکہ ان موقعوں میں وقف کی بنسبت وصل بہتر ہے۔ پس وہ وقف نہ کرنے کی علامتیں ہیں اور ان سے وقف نہ کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وضاحت ان تینوں قسموں کی آگے آرہی ہے۔

225 **سوال** محلِ وقف کی یہ وضاحت تو ان لوگوں کیلئے ہوئی جو قرآن کے معنیٰ نہیں جانتے، لیکن جو قرآن کے معنیٰ سمجھتے ہیں اور عربی ترکیب سے واقف ہیں، ان لوگوں کیلئے اس بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب بہتر تو ایسے لوگوں کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ وقف، علاماتِ وقف پر ہی کریں، اسلئے کہ گو وہ معنیٰ سمجھتے ہیں اور عربی ترکیب سے واقف ہیں، مگر وہ غور وفکر جو اُن علماء کو حاصل تھا جنہوں نے یہ محنت کی ہے، ہر شخص کو کہاں حاصل! ...... پھر دورانِ تلاوت معنیٰ کی اُن گہرائیوں تک پہنچنا جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے علماء رحمہم اللہ نے یہ علامتیں لگائی ہیں اور ان میں درجے قائم کیے ہیں، ایک مشکل کام ہے، مگر تاہم چونکہ وہ معنیٰ سمجھتے ہیں اس لیے وقف کا محل خود بھی متعین کر سکتے ہیں،

کیونکہ وہ غور کرنے سے سمجھ سکتے ہیں کہ کس کلمہ پر کلام تام ہے اور کس پر غیر تام، اور کس کلمہ کو مابعد سے تعلق لفظی ومعنوی دونوں طرح کا ہے، اور کہاں اس کے برعکس ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی لوگوں کی رہنمائی کی خاطر علمائے کرام نے کلام کے تمام اور ناتمام ہونے اور کلمہ موقوف علیہ کے مابعد سے تعلق ہونے اور نہ ہونے کی بناء پر وقف کی مُتعَدَّد قسمیں کی ہیں۔ جن کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

226 **سوال** کلام کے تمام و ناتمام ہونے اور کلمہ موقوف علیہ کے مابعد سے تعلق ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے وقف کی کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں؟

جواب چار قسمیں تو محلِ وقف کے اعتبار سے ہیں:۔ ① تام ② کافی ③ حَسَن ④ قبیح اور دو قسمیں "واقف" (یعنی قاری) کی حالت کے اعتبار سے ہیں:۔ ① اختیاری ② اضطراری۔ تفصیل اس اِجمال کی یہ ہے کہ قاری وقف کرتے وقت دو حال سے خالی نہیں ہوتا:۔

❋ یا تو وہ وقف اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی عارِضہ کے بغیر صرف اِستِراحت (یعنی تازہ دم ہونے) کی غرض سے کرتا ہے اور اس کو کوئی مجبوری پیش نہیں آتی۔

❋ اور یا وہ وقف کرنے پر بوجہ بھول جانے، یا سانس کے تنگ ہو جانے، یا کھانسی وغیرہ کے عارضہ سے مجبور ہو جاتا ہے اور تلاوت کو جاری نہیں رکھ سکتا۔

پہلی صورت میں چونکہ وہ وقف اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتا ہے، اس لیے اس کو وقفِ اختیاری کہتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں چونکہ وہ وقف کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اس لیے یہ وقفِ اِضطِراری کہلاتا ہے۔

پھر یہ سمجھو کہ وقفِ اختیاری میں تو چونکہ قاری مجبور نہیں ہوتا، اس لیے اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ وقف ایسے ہی موقع پر کرے جہاں کلام پورا ہو چکا ہو، اور نحوی اصطلاح کے موافق جملہ کے دونوں جز یعنی مُسنَد اور مُسنَد اِلَیہ آگئے ہوں۔ اور وقفِ اضطراری میں چونکہ وہ مجبور ہوتا ہے اور کلام کے پورا ہونے تک نہیں پہنچ سکتا، اس لیے اس کو اجازت دی گئی ہے کہ جس کلمہ پر

مجبوری پیش آجائے وہیں ٹھہر جائے۔

پھر یہ سمجھو کہ کلمہ موقوف علیہ پر کلام کا پورا ہونا کبھی تو اس معنیٰ کر کے ہوتا ہے کہ اسکا مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا، نہ لفظی نہ معنوی۔ اور کبھی یہ پورا ہونا ایسا ہوتا ہے کہ باوجود پورا ہونے کے بھی موقوف علیہ کو مابعد سے تعلق رہتا ہے، پھر اس تعلق کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں، اسلئے کہ :۔

- کبھی تو یہ تعلق صرف معنوی ہوتا ہے
- اور کبھی لفظی بھی ہوتا ہے، اور معنوی بھی

بس اس تعلق وعَدَمِ تعلق ہی کی بناء پر وقف اختیاری کی یہ تین قسمیں کی گئی ہیں :۔ تام، کافی اور حَسَن۔ لیکن ہیں یہ تینوں کلامِ تام ہی کی قسمیں، اس لیے کہ ان تینوں میں جملہ کے دونوں جزو آگئے ہوتے ہیں۔

رہا کلام غیر تام، یعنی وہ جس میں جملہ کے دونوں جز نہ آگئے ہوں؟ سو اس پر وقف کرنا قبیح ہے۔ جو صرف اِضطراراً ہی جائز ہے، کسی مجبوری کے بغیر اختیاراً وہاں وقف کرنا جائز نہیں۔ اور اب ہم ان چاروں وقفوں کی الگ الگ وضاحت کرتے ہیں۔

227 سوال تام، کافی حَسَن اور قبیح، ان چاروں کی الگ الگ تعریف مع ان کی اَمْثِلَہ کے بیان کیجیے؟

جواب :۔

وقفِ تام

جس کلمہ پر وقف کیا ہے، اگر اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو۔ نہ لفظی نہ معنوی، یعنی جملہ بھی ختم ہوگیا ہو اور مضمون بھی، تو یہ وقف تام کہلاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں اَلْمُفْلِحُوْنَ ○ کہ اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے، نہ لفظی نہ معنوی، اس لیے کہ یہاں پر مؤمنین کا بیان ختم ہوجاتا ہے اور اسکے بعد اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے کفار کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اور یہ وقف عام طور پر سورتوں اور قصّوں کے خاتمہ پر ہی ہوتا ہے۔

وقفِ کافی

اگر کلمہ موقوف علیہ کو مابعد سے لفظی تعلق تو نہ ہو، البتہ معنوی ہو (یعنی جملہ تو ختم ہو چکا ہو لیکن مضمون ختم نہ ہوا ہو)، تو اس وقف کو وقفِ کافی کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ ہی کے شروع میں يُنْفِقُوْنَ۝ اور لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ کہ ان دونوں کا مابعد سے تعلق لفظی تو نہیں، البتہ معنوی ہے۔ اور وہ یہ کہ يُنْفِقُوْنَ۝ کے بعد بھی ماقبل کی طرح مؤمنین ہی کا بیان ہے۔ اور ایسے ہی لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ کے بعد بھی ماقبل کی طرح کفار ہی کا بیان ہے۔

وقفِ حَسَن

اگر کلمہ موقوف علیہ پر جملہ تو پورا ہو چکا ہو، لیکن مابعد سے تعلقِ لفظی اب بھی باقی ہو، تو یہ وقف، وقفِ حَسَن کہلاتا ہے، جیسا کہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر۔ کیونکہ اگرچہ لِلّٰهِ پر مُبتدا اور خبر مل کر جملہ پورا تو ہو گیا ہے، لیکن اس کو مابعد سے یعنی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے تعلق باقی ہے، اسلئے کہ اَللّٰهُ موصوف ہے اور رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کی صفت۔ ایسے ہی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر بھی وقفِ حَسَن ہی ہے، کیونکہ صفاتِ باری (عَزَّ اِسْمُهٗ) کا سلسلہ ان دونوں کے بعد بھی جاری ہے۔

وقفِ قبیح

اور اگر کلمہ موقوف علیہ پر سرے سے جملہ ہی پورا نہ ہوا ہو، تو یہ وقف' وقفِ قبیح کہلائے گا، جیسا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں اَلْحَمْدُ پر، اور وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ میں وَاِذْ قَالَ پر۔ کیونکہ اس صورت میں مبتدا پر بغیر خبر کے، اور فعل پر بغیر فاعل کے وقف ہوگا۔ مگر یاد رکھو! کہ ایسے موقعوں پر وقف صرف اضطراراً ہی جائز ہے، ارادہ اور اختیار سے جائز نہیں، اس لیے کہ یہاں کلام پورا نہیں ہوتا اور اس سے کوئی مفید مطلب نہیں نکل سکتا۔

وقفِ لازم اور وقفِ اَقْبَح

228 **سوال** کیا محلِ وقف کے اعتبار سے وقف کی کوئی اور قسمیں بھی ہے ؟

جواب اصل کی رو سے تو وہی چار قسمیں (یعنی تام، کافی حَسَن اور قبیح) ہیں، لیکن ان کے علاوہ دو قسمیں اور بھی بیان کی جاسکتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :۔ ۱ لازم۔ اور ۲ اقبح۔

※ وقفِ لازم تو ایسا لازم اور ضروری وقف ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے، یعنی اس کے موقعہ پر بجائے وقف کے وَصل کیا جائے، تو اس سے نہایت نامناسب اور خلافِ مقصود معنیٰ مُتَوَہَّم ہوتے ہیں۔

※ اور اس کے مقابلہ میں وقفِ اقبح ایسا قبیح اور نامناسب وقف ہے کہ جس کے کرنے سے خلافِ مراد اور غلط معنیٰ کا توَہُّم ہوتا ہے۔

پس وقفِ لازم کے موقع پر تو وقف نہ کرنا، اور وقفِ اَقبح کے موقع پر وقف کرنا، قبیح اور فاسد معنیٰ کے ایہام کا سبب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص سورۂ آلِ عمران:۶۲ میں اِلَّا اللّٰهُ ؕ کو ملائے بغیر وَمَا مِنْ اِلٰهٍ پر۔ یا سورۂ نساء:۴۳ میں وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى کو ملائے بغیر لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ پر وقف کرے تو یہ وقف اَقبح کہلائیگا، کیونکہ اس سے پہلے موقعہ میں تو ایک فاسد عقیدہ کا، اور دوسرے موقعہ میں ایک اہم اور فرض عبادت سے روکنے کا توَہُّم ہوتا ہے اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ، پس قاری کو چاہیئے کہ ایسے موقعوں پر وقف کرنے سے قطعاً اجتناب کرے۔

ایسے ہی سورۂ آلِ عمران:۱۸۱ میں وَنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ پر اگر وقف نہ کیا جائے بلکہ اسکا سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا سے وَصل کیا جائے۔ یا سورہ توبہ:۱۹ میں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ اس کو (اگلی آیت) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے ملاکر پڑھا جائے تو ایسی صورت میں نہایت قبیح معنیٰ مُتَوَہَّم ہوتے ہیں، اسلیئے علماء نے ایسے موقعوں پر وقف کرنے کو نہایت ضروری اور لازم قرار دیا ہے، اسی لیے اس کو وقفِ لازم کہتے ہیں۔ ایسے ہی موقعوں

پر قرآن میں میم کی علامت بنی رہتی ہے جس سے لازم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ گو ایسے موقعوں پر ٹھہرنا شرعاً تو ضروری نہیں اور نہ ہی نہ ٹھہرنے والا کافر یا گنہگار ہوتا ہے، جب تک کہ اس فاسد معنیٰ کا قصد نہ کرے۔ مگر وصل سے غلط معنیٰ کا جو توہم ہو جاتا ہے، اس سے بچنے کیلئے ٹھہرنا عرفاً ضروری ہے۔ بس ان دو سمیت وقف کی محل کے اعتبار سے یہ چھ قسمیں ہو جاتی ہیں:۔ لازم، تام، کافی، حَسَن، قبیح اور اقبح۔

229 **سوال** جو لوگ معنیٰ نہیں سمجھتے، وہ تام، کافی، حَسَن اور قبیح وغیرہ کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟

جواب ایسے لوگوں کو ان وقوف کو پہچاننے کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ ان کو تو انہی موقعوں پر وقف کرنا چاہیئے، جہاں وہ علامتیں بنی ہوئی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اور یہ علامتیں ایسے ہی لوگوں کی سہولت کی خاطر لگائی گئی ہیں جو معنیٰ نہ جاننے کی وجہ سے کلام کے تمام اور ناتمام ہونے، اور موقوف علیہ کے مابعد سے تعلق وعدمِ تعلق کو نہیں معلوم کر سکتے۔ بس ان کیلئے یہ علامتیں ہی تام، کافی اور حَسَن کے قائم مقام ہیں، کیونکہ علماء نے جس مقصد کیلئے وقف کی یہ قسمیں تجویز کی ہیں، اسی مقصد کیلئے وقف کی یہ علامتیں وضع کی ہیں۔

وقفِ اِضطِراری

230 **سوال** کیا وقفِ اضطراری کیلئے بھی وقفِ اختیاری کی طرح کوئی محل متعین ہے؟

جواب جس وقف کا کرنا اور جائز ہونا ہی اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے ہے، اسکے لیے محل اور موقع کی تعیین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ ہر کلمہ پر ہو سکتا ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا اس میں بھی ضروری ہوتا ہے کہ وقف کلمہ مَقطُوعَہ کے آخر پر ہی کیا جائے۔ نہ تو کلمہ کے درمیان جائز ہے اور نہ کلمہ مَوصولہ کے آخر پر ہی۔ چنانچہ وَالَّيْلِ میں یاء پر، وَالشَّمْسِ میں میم پر، تَقْدِيْرُ میں قاف یا یاء پر۔ اسی طرح سورۂ ہود: ۲۰ کے اَلَّا میں اَنْ پر، یونس: ۳۱ کے اَمَّنْ میں اَمْ پر وقفِ اضطراری بھی جائز نہیں، اسلئے کہ وَالَّيْلِ میں یاء، وَالشَّمْسِ میں میم،

تَقۡدِیۡرٌ میں قاف اور یاء تو کلمہ کے درمیانی حروف ہیں، اور اَلَّا میں نون اور اَمَّنۡ میں اَمۡ کا میم گو ہیں تو کلمہ کے آخر میں، مگر چونکہ وہ لَا اور مَنۡ سے موصول ہیں اسلئے ان پر بھی وقف کرنا جائز نہیں۔ پس کلمہ کے درمیان اور کلمہ موصولہ کے آخر پر وقف کرنا، گو وہ اضطراراً (یعنی مجبوری کی بناء پر) ہی کیوں نہ ہو، وقف میں لحن ہے اور انتہائی قبیح بھی۔ (مقطوع وموصول کی وضاحت اور اس کی پوری بحث نصاب کی چوتھی کتاب "مقدمۃ الجزریۃ" میں آئے گی)۔

وقفِ اِختباری

231 **سوال** کیا وقفِ اختیاری اور اضطراری کے علاوہ وقف کی کوئی اور قسم بھی ہے؟

جواب اصل کے اعتبار سے تو یہی دو قسمیں ہیں، کیونکہ وقف یا تو اختیار اور ارادہ سے ہوگا اور یا مجبوری سے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لیکن ان کے علاوہ وقف کی ایک تیسری قسم اور بھی بیان کی گئی ہے، اور وہ ہے وقفِ اختباری۔ اِختبار کے معنیٰ آزمانے اور تحقیق کرنے کے ہیں۔ پس اگر استاذ شاگرد سے کسی کلمہ پر وقف کرنے کیلئے اس غرض سے کہے کہ وہ دیکھے کہ آیا وہ اس کلمہ پر وقف قاعدہ کے موافق کرسکتا ہے یا نہیں، یا شاگرد خود استاذ سے کسی کلمہ پر وقف کرنے سے متعلق دریافت کرے یعنی یہ پوچھے کہ فلاں کلمہ پر وقف کس طرح کرنا چاہیئے، مثلاً استاذ شاگرد کو اَلظُّنُوۡنَاۡ، اَلرَّسُوۡلَاۡ یا لِیَرۡبُوۡاۡ اور لِتَتۡلُوَاۡ وغیرہ پر، یا کسی کلمہ پر رَوم یا اشمام کیساتھ وقف کرنے کیلئے اس غرض سے کہے کہ آیا یہ ان کلموں پر وقف کرنے کا قاعدہ سمجھتا ہے یا نہیں، یا رَوم واشمام کا طریقہ جانتا ہے یا نہیں، یا شاگرد اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اور اَیُّہَ الثَّقَلٰنِ○ وغیرہ پر، یا اسی قسم کے کسی اور کلمہ پر وقف کرنے سے متعلق دریافت کرے کہ جس پر وقف کرنے کا کوئی خاص قاعدہ ہو، تو یہ وقف اختباری کہلاتا ہے۔ یہ کلام تام پر بھی ہوسکتا ہے اور غیر تام پر بھی۔

نوٹ: گو وقف کی ایک قسم اور بھی ہے، یعنی وقفِ اِنتظاری، مگر چونکہ اسکی ضرورت صرف ایک روایت کے پڑھنے میں پیش نہیں آتی، اسلئے یہاں اسکی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں۔

فصل سوم

اِبتداء، اِعادہ، سکتہ اور قطع کے بیان میں

اِبتِداء و اِعادہ

232 سوال ابتداء اور اعادہ کے کیا کیا معنیٰ ہیں۔ اور یہ دونوں کیا ہیں؟

جواب ابتداء کے معنیٰ ”آگے سے پڑھنا“۔ اور اِعادہ کے معنیٰ ہیں ”اوپر سے لَوٹانا“۔ اور یہ دونوں وقف کے مُتعَلِّقات میں سے ہیں۔ کیونکہ وقف کرنے کے بعد بعض حالتوں میں تو قاری کو آگے سے پڑھنا ہوتا ہے اور بعض حالتوں میں اوپر سے لَوٹانا پڑتا ہے (جیسے کہ آگے آرہا ہے)، اس لیے معرفتِ وقف کی طرح ابتداء واعادہ کی معرفت بھی ضروری ہے، کیونکہ جو قباحت اور خرابی بے موقع اور قاعدہ کے خلاف وقف کرنے سے پیدا ہوتی ہے، وہی قباحت اور خرابی قاعدہ کے خلاف اور بے جا ابتداء اور اعادہ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی معرفت کے بغیر وقف ہی کی معرفت کامل نہیں ہوتی۔ اور وقف کی طرح ابتدا واعادہ میں بھی دو چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے:۔

1. کیفیتِ ابتداء واعادہ
2. محلِ ابتداء واعادہ

لہٰذا مختصر طور پر ان کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔

233 سوال ابتداء اور اعادہ کیسے کرنے چاہئیں؟

جواب کیفیت میں ابتداء اور اعادہ دونوں یکساں ہیں، اور وہ یہ ہے کہ یہ دونوں حرکت سے کیے جاتے ہیں۔ بس اگر کلمہ کا پہلا حرف ساکن ہو، تو چونکہ ابتداء بِالسکون مُحال ہے اسلئے

ایسی صورت میں ہمزہ وصلی شروع میں لاتے ہیں تاکہ ابتداء ہو سکے۔ اور اعادہ کو بھی ایسا ہی سمجھو۔
(اور ہمزۂ وصلی کی حرکت کے متعلق ہمزہ کی بحث [صفحہ:۱۵۱] میں تفصیل کیساتھ بیان ہو چکا ہے)۔

محلِّ ابتداء واعادہ

234 **سوال** ابتداء و اعادہ کہاں سے کرنے چاہئیں؟

جواب معنیٰ نہ سمجھنے والوں کیلئے اس بارہ میں یہ ضابطہ ہے، کہ:۔

❋ آیت، میم اور طاء (ان تین علامتوں کے)۔ اور ایسے ہی وَقْفُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وقفِ جبرئیل علیہ السلام اور وقفِ غُفران کے موقع پر وقف کرنے کی صورت میں تو مابعد سے ابتداء کریں۔ اور

❋ جیم کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سانس میں اس سے بڑی علامت تک پہنچنے کی گنجائش ہو تب تو اس پر وقف نہ کیا جائے، اور اگر گنجائش نہ ہو تو جائز ہے، لیکن وقف کرنے کے بعد اس سے پہلے کی کسی بڑی علامت کے موقع سے اعادہ کر لینا بہتر ہے، بشرطیکہ وہاں سے اعادہ کرنے کی صورت میں اس سے کسی بڑی علامت تک پہنچنا ممکن ہو، ورنہ مابعد سے ابتدا کی جائے۔

❋ باقی علامتوں کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے صَل، لَا، قِلَا اور صَلَا ان چار علامتوں کے موقعوں پر تو وقف کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ اور ز، ص، ق، قَف کے موقع پر گو عِندَ الضَّرورت وقف کیا تو جا سکتا ہے، لیکن وقف کرنے کے بعد پھر ماقبل سے اعادہ ضروری ہے۔ اور مابعد سے ابتداء درست نہیں[1]

❋ رہا کاف؟ سو اس کی کوئی اپنی الگ حیثیت نہیں بلکہ یہ کَذٰلِکَ کا مخفف ہے۔ جس

[1] ایسے ہی اگر یوں ہی کہیں درمیان میں وقف کرنا پڑ جائے تو اسکا حکم بھی یہی ہے کہ ماقبل سے اعادہ کیا جائے۔

کا مطلب یہ ہے کہ اسکا حکم بھی وہی ہے جو اس سے پہلی علامت کا ہے۔ پس اس سے پہلے اگر کوئی قوی علامت ہو تو یہ بھی قوی کے حکم میں ہوگی۔ اور اگر ضعیف ہو تو یہ بھی ضعیف!

❁ رہا وہ گول دائرہ جس پر کوئی علامت ہو؟ سو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں آیت بھی ہے اور اس علامت کا مرموز یعنی وقف بھی۔ حکم اس کا یہ ہے کہ اس پر وقف کرنے کی صورت میں مابعد سے ابتداء جائز ہے، خواہ اس پر لا (ۤلا) ہی کیوں نہ ہو۔

❁ باقی رہے تین تین نقطے (∴......∴)؟ سو ان کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسطرح کی علامت جہاں بھی ہوتی ہے، قریب قریب دو جگہ ہوتی ہے۔ اور ایسے موقعہ میں قرآن مجید کے حاشیہ پر لفظ مع، یا لفظ مُعانَقہ لکھا رہتا ہے۔ حکم اس کا یہ ہے کہ نہ دونوں جگہ وقف کرنا چاہیئے اور نہ دونوں جگہ وصل۔ پس اگر پہلی جگہ وقف کرلیا ہو، تو دوسری جگہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر پہلی جگہ وقف نہ کیا ہو تو دوسری جگہ کرنا چاہیئے۔ فقط

یہ وضاحت تو ہوئی اُن لوگوں کے لیے جو معنیٰ نہیں سمجھتے۔ اور جو لوگ معنیٰ سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ ضابطہ ہے، کہ:-

❁ وقفِ تام، لازم اور کافی میں تو مابعد سے ابتدا کریں۔

❁ وقفِ حَسن میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تو یہ آیت کے آخر پر واقع ہو، تب تو اس میں بھی مابعد ابتداء سے جائز ہے۔ اور اگر آیت کے درمیان ہو تو ماقبل سے اعادہ کیا جائے۔

❁ وقفِ قبیح میں اعادہ ہی ضروری ہے، ابتداء جائز نہیں۔ اور

❁ وقفِ اقبح میں اوّلاً تو وقف سے اِجتناب ہی کیا جائے، اور اگر بامرِ مجبوری وہاں وقف ہو ہی جائے تو پھر اس میں بھی اعادہ ہی ضروری ہوگا۔

235 فائدہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ معنیٰ نہ سمجھنے والوں کو کسی ضعیف علامت پر، یا درمیان میں وقف کرنے کی صورت میں۔ اور معنیٰ سمجھنے والوں کو وقفِ حَسن اور وقفِ قبیح میں ماقبل سے اعادہ کرنا

چاہیئے، لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ ماقبل سے اعادہ کہاں سے کیا جائے ؟

جواب ابتداء کی طرح اعادہ بھی وقف کی ان ہی تین علامتوں کے، یا وقفِ تام اور وقفِ کافی کے موقع ہی سے کرنا چاہیئے۔ مثلاً سورۂ آلِ عمران: ۱۸۱ میں کوئی شخص مَا قَالُوْا پر، یا اَلْاَنْۢبِيَآءَ پر وقف کرے، تو چونکہ یہاں وقف کی کوئی علامت نہیں اسلیئے اب سَنَكْتُبُ سے اعادہ کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ اس سے پہلے اَغْنِيَآءُ پر وقف کی علامتوں میں سے ایک قوی علامت یعنی میم ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص سورۂ بقرہ کے شروع میں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ پر وقف کرے تو اب وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ سے اعادہ کرنا ہوگا، کیونکہ اس سے پہلے يُنْفِقُوْنَ پر وقفِ کافی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابتداء ہو خواہ اعادہ، وقف کی کسی معتبر علامت، یا وقفِ تام اور وقفِ کافی کے بعد سے ہی کیا جائیگا۔ ضعیف علامت کے بعد سے، یا یوں ہی کہیں درمیان سے، یا وقفِ حَسَن اور وقفِ قبیح کے بعد سے ابتداء کی طرح اِعادہ بھی درست نہیں۔ البتہ اُس وقفِ حَسَن کے بعد سے بھی ابتدا جائز ہے جو آیت کے آخر پر ہو۔

سوال جس طرح علماء نے کلام کی تمامی اور ناتمامی وغیرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے وقف کی مُتَعَدَّد قسمیں بیان کی ہیں، تو کیا اس طرح انہوں نے ابتدا اور اعادہ کی بھی کچھ قسمیں بیان کی ہیں ؟ 236

جواب ہاں! ... اس اعتبار سے ابتداء واعادہ کی بھی مُتَعَدَّد قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔ حَسَن، اَحْسَن، قبیح اور اَقبح۔ چنانچہ:۔

- جو ابتداء وقفِ لازم اور وقفِ تام کے بعد سے کی جائے، وہ اَحْسَن
- جو کافی یا اس حَسَن کے بعد سے کی جائے جو رَاسِ آیت پر ہو، وہ حَسَن
- جو قبیح یا اس حَسَن کے بعد سے کی جائے جو آیت کے درمیان ہو، وہ قبیح کہلاتی ہے

✵ اور اگر ابتدا کفار و منافقین اور مشرکین کے مقولہ سے، یا کسی اور ایسی جگہ سے کی جائے جہاں سے ابتدا کرنے کی صورت میں بہت ہی نامناسب معنیٰ مُتَوَہَّم ہوتے ہیں، تو یہ ابتداء اقبح کہلاتی ہے اور اس سے بہت احتیاط کرنی چاہیئے، مثلاً کوئی شخص سورۂ مائدہ: ۱۷ و ۷۲ میں قَالُوْا پر وقف کر کے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ سے، یا سورۂ توبہ: ۳۰ میں وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ پر وقف کر کے عُزَيْرُ ابْنُ سے، یا صافّات: ۱۵۱ میں لَيَقُوْلُوْنَ○ پر وقف کر کے وَلَدَ اللّٰهُ سے ابتدا کرے، تو ایسے موقعوں سے ابتدا کرنے کی صورت میں چونکہ بہت ہی نامناسب اور قبیح معنیٰ مُتَوَہَّم ہوتے ہیں، اسلئے یہ ابتداء اقبح کہلائے گی۔ اور اعادہ کو بھی ایسے ہی سمجھو۔

تنبیہ: جس طرح وقف گو وہ اضطراری ہی کیوں نہ ہو، کلمہ غیر موصولہ کے آخر پر ہی ہوسکتا ہے، کلمہ کے درمیان اور کلمہ مَوصولہ کے آخر پر جائز نہیں (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے)، اسی طرح ابتدا اور اعادہ بھی کلمہ غیر موصولہ ہی کے شروع سے ہو سکتے ہیں۔ نہ تو کلمہ کے درمیان سے جائز ہیں اور نہ ہی کلمہ موصولہ (یعنی وہ کلمہ جو پہلے کلمہ سے ملا کر لکھا ہو) کے شروع سے۔ مثلاً کوئی شخص سورہ یوسف: ۸ میں مُبِيْنٍ○ پر وقف کر کے ○ اِقْتُلُوْا سے ابتدا کرے تو درست نہ ہوگا، اسلئے کہ اِقْتُلُوْا کے شروع میں جو نون ہے وہ مُبِيْنٍ کا جزو ہے، نہ کہ اُقْتُلُوْا کا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سورہ ہود: ۲ میں اَنْ کو ملائے بغیر لَا تَعْبُدُوْا سے ابتدا یا اعادہ کرے تو یہ بھی جائز نہیں، اس لیے کہ لَا یہاں رسماً اَنْ سے موصول ہے۔ بس قاری کیلئے ضروری ہے کہ یہ بھی جانے کہ کون سا کلمہ مابعد سے مقطوع ہے اور کون سا موصول۔ تاکہ وہ وقف اور ابتداء کے بارہ میں کسی غلطی اور لحن کا مُرتکب نہ ہونے پائے۔ (مقطوع و موصول کی پوری بحث نصاب کی چوتھی کتاب یعنی مقدمۃ الجزریہ میں آئے گی، ان شاء اللّٰہ)۔

سکتہ کا بیان

237 سوال: سکتہ کے کیا معنیٰ ہیں۔ اور یہ کیا ہے؟

جواب سکتہ کے معنیٰ خاموشی اور خاموش ہونے کے ہیں۔ اور یہ بھی ابتداء اور اعادہ کی طرح وقف کے مُتعلّقات میں سے ہے، کیونکہ اگر ٹھہرنے میں آواز کیساتھ سانس کو بھی منقطع کر دیا جائے، تب تو یہ وقف کہلاتا ہے، جیساکہ وقف کی تعریف کے ضمن میں گزرا۔ اور اگر آواز کو تو مُنْقَطِع کر دیا جائے لیکن سانس نہ لیا جائے، تو یہ سکتہ ہے۔ وقف اور سکتہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سکتہ میں تَوَقُّف (یعنی ٹھہرنا) بہت ہی تھوڑی دیر[1] کیلئے ہوتا ہے بخلاف وقف کے، کہ اس میں توقف بنسبت سکتہ کے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے وقف کی دوسری تعریف میں "زَمَانًا" کی قید لگائی گئی ہے (دیکھو وقف کی تعریفص: ۱۹۰)۔ البتہ وقف کی طرح سکتہ ہر جگہ جائز نہیں، بلکہ اسکے خاص مَواقع ہیں جو ذیل میں بیان کیے جا رہے ہیں۔

238 **سوال** سکتہ کن موقعوں میں ہوتا ہے۔ اور کل سکتے قرآن مجید میں کتنے ہیں؟

جواب سکتے سارے قرآن مجید میں کل چار ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

١ سورۂ کہف کے شروع میں عِوَجَا ۜ کے الف پر

٢ سورۂ یٰسین: ۵۲ میں مِنۢ مَّرْقَدِنَا ۜ کے الف پر

٣ سورۂ قیامہ: ۲۷ میں وَقِيلَ مَنْ ۜ کے نون پر

٤ سورۂ مطففین میں بَلْ ۜ رَانَ کے لام پر

یہ چار سکتے تو وہ ہیں جو صاحبِ روایت یعنی خود حضرت حفص رحمہ اللہ سے ثابت ہیں۔ یہ ضروری اور واجب ہیں۔ ان کے ترک سے روایت کا خلاف لازم آتا ہے۔

ہاں! ان کے علاوہ چار سکتے اور بھی ہیں، مگر وہ صاحبِ رِوایت سے مَروی نہیں، بلکہ علماء اَوقاف کے مقرر کیے ہوئے ہیں اسلئے وہ واجب بھی نہیں ہیں، البتہ جائز ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

١ سورۂ اعراف: ۲۳ میں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا ۜ کے الف پر

[1] لیکن یہ تَوَقُّف اتنا مختصر بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ سامع کو سکتہ کا علم ہی نہ ہو۔

۲ سورۂ اعراف ہی کی آیت: ۱۸۴ میں اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا سکتہ کے واؤ پر

۳ سورۂ یوسف: ۲۹ میں اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتہ کے الف پر

۴ سورۂ قصص: ۲۳ میں يُصْدِرَ الرِّعَآءُ سکتہ کے ہمزہ پر۔

پس پہلے چار تو واجب ہیں اور بعد والے چار جائز۔[1] اور چونکہ سکتہ میں قَطْعِ نفَس کے بغیر تمام احکام وقف کے جاری ہوتے ہیں، اس لیے عِوَجًا میں سکتہ تنوین پر نہیں ہوگا، بلکہ تنوین کو الف سے بدلکر اس پر ہوگا، کیونکہ وقف میں بھی دو زبر کا تنوین الف سے بدل جاتا ہے، اسی وجہ سے مَنْ رَاقٍ اور بَلْ رَانَ میں ادغام نہ ہوگا، اس لیے کہ ادغام وصل میں ہوتا ہے، اور سکتہ حکم میں وقف[2] کے ہے۔ ایسے ہی اگر يُصْدِرَ الرِّعَآءُ پر سکتہ کیا جائے گا تو وقف کی طرح اس حالت میں بھی ہمزہ ساکن پڑھا جائے گا۔

239 **سوال** آپ نے اوپر بتایا ہے کہ کل سکتے چار یا آٹھ ہیں، حالانکہ نو جگہ تو صرف ہائے سکتہ ہی ہے، جیساکہ ہم ہائے ضمیر کی بحث میں پڑھ چکے ہیں؟

جواب ہائے سکتہ کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر سکتہ کیا جاتا ہے، یا کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ ہاء وقف و وصل دونوں حالتوں میں ساکن پڑھی جاتی ہے اور اس پر وصل میں بھی حرکت نہیں آتی، یعنی سکتہ کے حرف کی طرح اس پر وصل میں بھی وقف ہی کا حکم جاری ہوتا ہے اور بس۔ البتہ ان میں سے صرف مَالِيَهْ کی ہاء پر سکتہ جائز ہے۔ (دیکھو ادغام کی تفصیلی بحث، صفحہ: ۱۳۹)۔

240 **سوال** بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے مندرجہ ذیل موقعوں میں سات سکتے ہیں:۔

---

[1] اور وہ بھی اس شرط سے کہ بلالحاظِ روایت کیے جائیں۔ ورنہ بلحاظِ روایت ان کا کرنا جائز نہیں۔ مگر چونکہ قرآن مجید کے حاشیہ پر ان موقعوں میں بھی لفظ سکتہ لکھا رہتا ہے، اس لیے یہاں ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا، ورنہ بات نامکمل رہتی۔

[2] اور یوں بھی ادغام بلا اِتِّصالِ حَرفَین ممکن نہیں، اور سکتہ سے حرفین میں اِنفصال ہو جاتا ہے۔

① اَلْحَمْدُ کے دال پر ② لِلّٰہِ کی ھاء پر ③④⑤ مٰلِكِ، اِيَّاكَ اور اِيَّاكَ کے کاف پر ⑥ اَنْعَمْتَ کی تاء پر ⑦ اَلْمَغْضُوْبِ کی باء پر۔ اس پر وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر ان موقعوں پر سکتہ نہ کیا جائے تو یہ حروف بعد والے کلموں سے مل کر دُلِلْ، ھِرَبْ، كِيَوْ، كَنَعْ، كَنَسْ، تَعَلْ، بِعَلْ ہو جائیں گے، اور یہ شیطان کے نام ہیں۔ سو اس بارہ میں علماء فن کی کیا تحقیق ہے؟

جواب ان کا یہ قول سَراسَر باطل اور قطعاً بے اصل ہے۔ سکتہ کے مواقع بس وہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ فن کے علماء نے ایسے لوگوں کو جو سورۂ فاتحہ میں سکتے بتاتے ہیں، جاہل کہا ہے۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر ان موقعوں پر سکتہ نہ کیا جائے تو یہ حروف بعد والے کلموں سے مل کر شیطان کے نام ہو جاتے ہیں، اس سے ان کی اور بھی جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک کلمہ کا آخر اور دوسرے کلمہ کا شروع ملا کر ایک نیا کلمہ گھڑ لیا گیا ہے، جس کی کوئی بھی اصل نہیں۔ اگر اسی طرح ایک کلمہ کا آخر اور دوسرے کلمہ کا شروع ملا کر کوئی کلمہ بنا لیا جائے اور پھر اس کو شیطان کا نام قرار دے دیا جائے، تو اس طرح تو پھر اور بھی بہت سے کلمے شیطان کے نام بن جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے یہ خود ساختہ (یعنی اپنے بنائے ہوئے) سکتے اور اس پر یہ مُخْتَرَعْ (یعنی گھڑی ہوئی) دلیل، دونوں غلط، مُضحکہ خیز اور مُہمَل ہیں۔ روایتِ حفص رحمہ اللہ تو کیا... کسی اور روایت میں بھی ان سکتوں کا وُجود نہیں۔

قَطَع کا بیان

سوال قطع کیا چیز ہے۔ اور اس کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب قطع کے لغوی معنیٰ کاٹنے اور توڑنے کے ہیں۔ اور اصطلاحِ قراء میں قطع کہتے ہیں "قراءۃ کے ختم کر دینے کو"۔ اور یہ بھی وقف کے مُتعلّقات میں سے ہے، اسلئے کہ اگر ٹھہرنے کے بعد تلاوت کو جاری رکھنے کا ارادہ ہو، تب تو یہ ٹھہرنا وقف کہلاتا ہے۔ اور اگر ٹھہرنے کے بعد آگے

پڑھنے کا ارادہ نہ ہو، تو یہ قطع کہلاتا ہے۔ مثلاً :۔

تم نے کسی سورۃ، یا کسی پارہ، یا کسی دوسری مقدار کی تلاوت کرنے کا ارادہ کیا، تو دَورانِ تلاوت تم جہاں جہاں ٹھہرو گے، اسے تو وقف کہیں گے۔

اور جب تم اس سورۃ، یا پارہ، یا کسی دوسری مقدار کی آخری آیت پر ٹھہرو گے کہ جسکے بعد تمہارا پڑھنے کا ارادہ نہ ہوگا، تو اس آخری آیت پر ٹھہرنے کو قطع کہیں گے۔ پس :۔

- درمیانِ تلاوت میں ٹھہرنے کو وقف
- اورختم تلاوت پر ٹھہرنے کو قطع کہتے ہیں۔

242 **سوال** قطع کا موقع اور محل کیا ہے؟

جواب قطع کا محل بنسبت وقف کے خاص ہے۔ کیونکہ وقف تو ہر پکی آیت اور بڑی علامت پر ہوسکتا ہے، بلکہ عند الضرورت کچّی آیت اور ضعیف علامت پر بھی، بلکہ آیت کے درمیان میں بھی کیا جاسکتا ہے، جیساکہ اوپر فصلِ دوم میں گزرا۔ لیکن قطع کا یہ حال نہیں، یہ صرف پکی آیت پر ہی جائز ہے۔ چنانچہ نہ تو وقف کی کسی علامت پر جائز ہے[1]، اور نہ اُس آیت پر ہی درست ہے جس کو مابعد سے لفظی تعلق ہو (جس کو عُرفِ عام میں کچی آیت کہتے ہیں)۔ لہٰذا قاری کو چاہیئے کہ قراءۃ کسی پکی آیت پر ہی ختم کرے۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ قطع کسی رکوع، یا کسی مضمون، یا کسی قصہ پر، بلکہ کسی سورۃ کے ختم پر کیا جائے۔ خوب سمجھ لو!

[1] خواہ وہ علامت قوی اور معتبر ہی کیوں نہ ہو۔

تتمہ

قرآن کے رسمُ الخط یعنی رسمِ عثمانی کے بیان میں

243 سوال قرآن کا رسم الخط، یا رسمِ عثمانی کیا چیز ہے؟

جواب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے قرآن مجید کے جو مُتعَدَّد نسخے لکھوا کر بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھیجے تھے، جن کا ذکر کتاب کے مقدمہ میں آچکا ہے، وہ قرآن جس طریقہ پر لکھے گئے تھے، اس کو علماء اور قراء کی اصطلاح میں قرآن کا رسم الخط، یا رسم عثمانی کہتے ہیں۔ اور قاری کیلئے اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔

244 سوال تجوید کی کتاب میں رسم الخط کے ذکر کا کیا موقع ہے۔ اور قاری کے لیے اس کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

جواب اس رسم کا جاننا قاری کیلئے دو وجہ سے ضروری ہے:۔

✵ ایک تو اسلئے کہ وقف رسم کے تابع ہے (جیسا کہ کیفیتِ وقف کی بحث میں تنبیہ نمبر: ۵ [صفی: ۱۹۸] کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے)، پس صحتِ وقف کا مدار "رسم" کے جاننے پر ہے۔

✵ اور دوسرے اس لیے کہ بعض کلمات کی رسم تلفظ کے خلاف ہے، تو اگر ایسے موقعوں میں ان کلمات کا تلفظ رسم کے مطابق کیا جائے گا، تو کہیں تو مُثبَت، مَنفی ہو کر معنیٰ بالکل بدل جائیں گے۔ اور کہیں کلمہ سرے سے مُہمَل ہی ہو جائے گا۔

لہٰذا قاری کیلئے ضروری ہے کہ ان کلمات کو جن کی رسم تلفظ کے خلاف ہے، محفوظ کر لے۔ تاکہ تلاوت کرتے وقت اس فاش غلطی کا مُرتکِب نہ ہونے پائے، اور بجائے ثواب کے عذاب کا مستحق نہ ہو۔ اِسی مقصد کے پیشِ نظر تجوید کی کتابوں میں بقدرِ ضرورت رسم الخط کا بیان ہوتا ہے۔ اور پوری تفصیل اس علم کی رسم ہی کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہے۔

245 سوال وہ کون کون سے کلمات ہیں جن کی رسم تلفظ کے خلاف ہے؟

جواب ان میں سے بعض کلمات کا ذکر تو اوپر کیفیتِ وقف کی بحث میں آچکا ہے۔ چنانچہ تم پڑھ چکے ہو کہ لفظِ اَنَاْ (جہاں بھی آئے)، لٰكِنَّاْ (سورۂ کہف میں)، اَلظُّنُوْنَاْ، اَلرَّسُوْلَاْ، اَلسَّبِيْلَاْ (تینوں سورۂ احزاب میں)، سَلٰسِلَاْ اور پہلا قَوَارِيْرَاْ (دونوں سورۂ دہر میں)، ان سات کلمات کا الف باوجودیکہ مرسوم ہے، لیکن اس پر بھی وصلاً نہیں پڑھا جاتا، صرف وقفاً ہی پڑھا جاتا ہے۔

اور اَوْ يَعْفُوَاْ (سورۂ بقرہ:۲۳۷ میں)، اَنْ تَبُوْٓءَاْ (سورۂ مائدہ:۲۹ میں)، لِتَتْلُوَاْ (سورۂ رعد:۳۰ میں)، لَنْ نَّدْعُوَاْ (سورۂ کہف:۱۴ میں)، لِيَرْبُوَاْ (سورۂ روم:۳۹ میں)، لِيَبْلُوَاْ اور وَنَبْلُوَاْ (دونوں سورۂ محمد ﷺ آیت:۴، اور ۳۱ میں)، دوسرا قَوَارِيْرَاْ (سورۂ دہر:۱۶ میں)، اور ثَمُوْدَاْ (چار جگہ فرقان:۳۸، عنکبوت:۳۸، نجم:۵۱، اور هود:۶۸ میں)۔ ان نو کلمات کا الف مرسوم ہونے کے باوجود نہ تو وقفاً ہی پڑھا جاتا ہے اور نہ وصلاً۔

اب یہاں چند کلمات ایسے اور درج کیے جاتے ہیں جن کی رسم تلفظ کے خلاف ہے۔ ان کو بھی اچھی طرح یاد کرلو اور تلاوت کے وقت ان کا خیال رکھو۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱ يَبْصُۜطُ (سورۂ بقرہ:۲۴۵) ۲ بَصْۜطَةً (اعراف:۶۹) یہ دونوں لکھے ہوئے تو صاد کے ساتھ ہیں مگر پڑھے سین کے ساتھ جاتے ہیں۔

۳ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ (طور:۳۷) میں خُلف ہے، یعنی اس میں صاد اور سین دونوں پڑھنے جائز ہیں۔ اور ان تینوں میں صاد کے اوپر چھوٹا سا سین بھی لکھا رہتا ہے۔

۴ اور گو بِمُصَيْطِرٍ (سورۂ غاشیہ:۲۲) میں بھی صاد کے اوپر چھوٹا سا سین لکھا رہتا ہے، مگر خوب یاد رکھو! کہ روایتِ حفص رحمہ اللہ میں اس کو صاد ہی سے پڑھنا ضروری ہے۔

اور پانچ کلمے ایسے ہیں جن میں لکھا ہوا تو لَاْ ہے (یعنی لام کے بعد الف ہے)، مگر پڑھنے

میں الف نہیں آتا، صرف لام ہی پڑھا جاتا ہے۔ اور وہ کلمات یہ ہیں:۔

١ لَاْ اِلَی اللّٰہِ (آل عمران:۱۵۸)

۲ لَاْ اَوْضَعُوْا (توبہ:۴۷)

۳ اَوْلَاْ اَذْبَحَنَّہٗ (نمل:۲۱)

۴ لَاْ اِلَی الْجَحِیْمِ (صافات:۶۸)

۵ اور لَاْ اَنْتُمْ (حشر:۱۳)

پس ان کلمات میں اگر الف پڑھا جائے تو کلمہ بجائے مُثبت کے مَنفی ہو جائے گا۔ اور معنیٰ بالکل بدل جائیں گے۔ اسی طرح:۔

١ اَفَاْ ئِنْ دو جگہ (آل عمران:۱۴۴، اور سورۂ انبیاء:۳۴)

۲ مَلَاْ ئِہٖ (جہاں بھی آئے)

۳ لِشَاْیْءٍ (سورۂ کہف:۲۳)

۴ وَجِاْیْءَ دو جگہ (زمر:۶۹، فجر:۲۳)

ان میں فاء، لام، شین اور جیم کے بعد الف لکھا ہوا تو ہے، لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ اور اگر ان کلموں میں الف پڑھا جائے گا تو کلمہ مہمل ہو جائے گا۔

ان کے علاوہ بعض حروف ایسے اور بھی ہیں، جو لکھے ہوئے تو ہیں، مگر پڑھنے میں نہیں آتے، ان کا قاعدہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔

245 **سوال** کون سا حرف پڑھا جاتا ہے۔ اور کون سا حرف نہیں پڑھا جاتا؟

جواب جس حرف پر زبر، زیر، پیش یا جزم ہو، وہ تو پڑھا جاتا ہے۔ اور جو حرف خالی ہو یعنی اس پر جزم وحرکت میں سے کچھ نہ ہو، وہ پڑھنے میں نہیں آتا۔ جیسے:۔

❊ قَالُوا الْـئٰنَ میں لام کے بعد واؤ، الف اور ہمزہ۔

❊ فِی الْاَرْضِ میں فاء کے بعد یاء اور ہمزہ۔

❊ وَقَالَا الْحَمْـدُ میں لام کے بعد الف اور ہمزہ۔

البتہ الف ایک ایسا حرف ہے جس پر باوجودیکہ حرکت و جزم وغیرہ میں سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن اس پر بھی وہ اکثر موقعوں میں پڑھا جاتا ہے۔ جیسے اَلصِّرَاطَ میں راء کے بعد اور اَلتَّابُوْتُ میں تاء کے بعد والا الف۔

247 **سوال** آپ نے ابھی اوپر بتایا ہے کہ الف پر باوجودیکہ نہ حرکت ہوتی ہے اور نہ جزم، مگر پھر بھی وہ اکثر موقعوں میں پڑھا جاتا ہے، تو اب ہمیں کیسے معلوم ہو کہ کون سے موقع میں پڑھا جاتا ہے، اور کون سے موقع میں نہیں پڑھا جاتا؟

جواب :-

❊ جو الف کلمہ کے درمیان ہو، یا ہو تو آخر میں مگر اس کے بعد دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزۂ وصلی نہ ہو، وہ تو پڑھا جاتا ہے۔

❊ اور جو ہو بھی کلمہ کے آخر میں، اور اس کے بعد دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزۂ وصلی بھی ہو، وہ نہیں پڑھا جاتا۔

پہلی قسم کے الف کی مثالیں: اَلصِّرَاطَ، اَلتَّابُوْتُ، فَلَمَّآ اَلْقَوْا اور وَاِذَا قِيْلَ ہوسکتی ہیں، کیونکہ اَلصِّرَاطَ اور اَلتَّابُوْتُ میں تو الف کلمہ کے درمیان ہے، اور فَلَمَّآ اَلْقَوْا وغیرہ میں گو ہے تو کلمہ کے آخر میں لیکن اسکے بعد ہمزۂ وصلی نہیں۔

اور دوسرے قسم کے الف کی مثالیں: قَالَا الْحَمْـدُ اور تَحْتَهَا الْاَنْهٰـرُ وغیرہ ہوسکتی ہیں، کیونکہ ان میں لام اور ھاء کے بعد والا الف کلمہ کے آخر میں بھی ہے اور اس کے بعد دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزۂ وصلی بھی ہے۔

❁ ایسے ہی وہ الف بھی پڑھنے میں نہیں آتا جو جَمع کے واوٌ کے بعد لکھا رہتا ہے۔ جیسے اٰمَنُوْا، کَفَرُوْا، لَا تُفْسِدُوْا اور خَلَوْا وغیرہ کے آخر میں ہے۔ ایسے الف کے بعد اگر ہمزہ پر حرکت ہو تب بھی پڑھنے میں نہیں آتا۔ جیسے قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور خَلَوْا اِلٰی میں واوٌ کے بعد والا الف، خوب سمجھ لو۔

248 سوال بعض موقعوں میں اوپر نیچے دو حرف لکھے رہتے ہیں۔ مثلاً یَبْدَؤُا میں دال کے بعد اوپر ہمزہ نیچے واوٌ۔ بِئْسَ اور نَبِیٍّٔ میں بار کے بعد اوپر ہمزہ نیچے یار۔ یُؤْمِنُوْنَ میں یار کے بعد اوپر ہمزہ نیچے واوٌ۔ یَسْتَھْزِئُ میں زار کے بعد اوپر ہمزہ نیچے یار۔ اور سَآئِلٌ میں الف کے بعد اوپر یار کا شوشہ نیچے ہمزہ۔ تو اس کی کیا وجہ ہے۔ نیز یہ کہ ان کا حکم کیا ہے۔ آیا یہ دونوں حرف پڑھے جاتے ہیں۔ یا کیا؟

جواب دونوں حرف تو نہیں پڑھے جاتے، صرف وہی حرف پڑھنے میں آتا ہے جس پر جزم یا کوئی حرکت ہوتی ہے۔ اور دوسرا حرف پڑھنے میں نہیں آتا۔

اب رہا یہ سوال کہ ایسے موقعوں میں دو حرف لکھے ہوئے کیوں ہوتے ہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے، کہ حروفِ ہجار میں سے ہمزہ ایک ایسا حرف ہے جس کی اپنی کوئی مستقل شکل نہیں ہے۔ کہیں تو وہ بشکل الف لکھا جاتا ہے، کہیں بشکل یار، کہیں بشکل واوٌ اور کہیں مَحْذُوْفُ الشَّکل (یعنی بے صورت) ہوتا ہے۔

اور عین کا سرا جس کو کہ تم ہمزہ سمجھتے ہو، یہ اس کی شکل نہیں بلکہ (محذوفُ الشکل ہونے کی) علامت ہے۔ پس جہاں تم دیکھو کہ واوٌ کے اوپر عین کا سرا بنا ہوا ہے، سمجھو کہ یہاں ہمزہ بشکلِ واوٌ مرسوم ہے۔ جہاں عین کا سرا یار پر بنا ہوا ہو، سمجھو کہ یہاں ہمزہ بشکلِ یار ہے، اور عین کا سرا بطور علامت ہے۔ تاکہ پڑھنے والے یہاں واوٌ اور یار نہ پڑھیں بلکہ ہمزہ پڑھیں۔

ہاں! جہاں ہمزہ (یعنی سرا عین) اور اس سے نیچے والے حرف دونوں پر جزم و حرکت میں سے کچھ ہو، وہاں دونوں ہی پڑھے جائیں گے جیسے دِفْءٌ میں فار پر تو جزم ہے اور ہمزہ پر پیش

تو اب یہاں فاء اور ہمزہ دونوں ہی پڑھے جائیں گے، کیونکہ یہاں فاء ہمزہ کی صورت نہیں بلکہ ہمزہ کی صورت محذوف ہے، اور عین کا سرا اس کی علامت ہے، خوب سمجھ لو۔

249 **سوال** جس طرح یُؤْمِنُوْنَ میں واوَ کے اوپر اور نَبِیِّئَ میں یاء کے اوپر ہمزہ کی علامت بنی ہوئی ہوتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہمزہ بصورتِ واوَ، یا بصورتِ یاء ہے، تو اس طرح اِقْرَاْ اور مَاْكُوْلٍ وغیرہ میں الف پر ہمزہ کی علامت (أ) کیوں نہیں بنائی جاتی جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں ہمزہ بصورتِ الف ہے؟

جواب واوَ اور یاء یہ دونوں چونکہ حرکت کو بھی قبول کرتے ہیں اور جزم کو بھی (یعنی یہ دونوں متحرک بھی ہوتے ہیں اور ساکن بھی)، اسلئے ان پر تو ہمزہ کی علامت بنانے کی ضرورت تھی، ورنہ یُؤْمِنُوْنَ کو یُوْمِنُوْنَ اور نَبِیِّئَ کو نَبِیِّ پڑھتے، بخلاف الف کے۔ کہ یہ چونکہ نہ حرکت کو قبول کرتا ہے اور نہ جزم کو، بلکہ ان دونوں سے ہمیشہ خالی ہوتا ہے، اسلئے اس پر کسی حرکت یا جزم کا ہونا خود یہی بتاتا ہے کہ یہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے۔ اور اسی لیے مَاْكُوْلٍ اور اِقْرَاْ وغیرہ میں جو الف ہے وہ حقیقت میں الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے۔ (دیکھو سوال نمبر ۶۹، صفحہ: ۶۷)

250 **سوال** بعض حفاظ سورۂ روم: ۵۴[1] میں ضُعْفٍ اور ضُعْفًا کو بفتحِ ضاد یعنی ضَعْفٍ اور ضَعْفًا پڑھتے ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب ہاں ضمہ کی طرح ضاد کا فتحہ بھی صحیح اور درست ہے۔ اس لیے کہ جس طرح حضرت حفص رحمہ اللہ سے ان الفاظ میں ضاد کا ضمہ مروی ہے، اسی طرح ان سے ضاد کا فتحہ بھی مروی ہے۔ چنانچہ بعض قرآنوں کے حاشیہ پر بِفَتْحِ الضَّاد لکھا بھی رہتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی صاحب تراویح یا کسی اور مجلس میں ضاد پر زبر پڑھیں تو ان سے جھگڑنا نہیں چاہیے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ تینوں لفظوں میں ایک ہی حرکت پڑھی جائے۔ یہ جائز نہیں کہ ایک جگہ تو پیش پڑھی جائے اور دوسری

---

[1] اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۝

جگہ زبر پڑھی جائے، خوب سمجھ لو۔

251 سوال: حروفِ مُقطّعات کا تلفظ کس طرح ہوتا ہے اور ان کو مُقطّعات کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ حروف چونکہ پورے پورے اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں، اور مُقطّعات کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ کٹے کٹے (یعنی الگ الگ پڑھے جانے والے حروف)، اور اسی وجہ سے ان کو حروفِ مُقطّعات کہتے ہیں۔ پس:-

* سورۂ اعراف کے شروع میں الٓمٓصٓ کا تلفظ اسطرح ہوگا: اَلِفْ لَآمْ مِّيْمْ صَآدْ
* سورۂ مریم کے شروع میں كٓهٰيٰعٓصٓ کا تلفظ اسطرح ہوگا: كَآفْ هَا يَا عَيْنْ صَآدْ
* سورۂ شوریٰ کے شروع میں حٰمٓ عٓسٓقٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا: حَا مِيْمْ عَيْنْ سِيْنْ قَآفْ۔ اور باقی حروفِ مُقطّعات کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔

خلاصہ یہ کہ ان حرفوں کا تلفظ بالکل اسی طرح کرنا چاہیئے جس طرح کہ قاعدہ میں حروفِ تہجی کا تلفظ کیا جاتا ہے۔ پھر ان میں سے جن میں بیچ کا حرف مدہ، یا لین ہے، تو ان میں تین یا پانچ الفی طول بھی ہوتا ہے (جیسا کہ اس کا ذکر مد کی بحث میں بھی آچکا ہے)۔ اور ایسے ہی ان حروف میں جہاں جہاں ادغام یا اخفاء کا قاعدہ پایا جاتا ہے، وہاں ان قاعدوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے، مثلاً الٓمّٓ میں ادغام کا اور حٰمٓ عٓسٓقٓ میں اخفاء کا قاعدہ پایا جاتا ہے۔

الحمد للہ کہ یہاں پہنچ کر تیسرا باب بھی ختم ہوا۔ اب خاتمہ میں چند ضروری مسائل درج کیے جاتے ہیں، ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

خاتمہ

اس میں تین فصلیں اور ایک تتمہ ہے۔ فصلِ اوّل میں تلاوتِ قرآن کے آداب فصلِ دوم میں استعاذہ اور بسملہ کے احکام فصلِ سوم میں عربی لہجے کی اہمیت اور بعض اُن چیزوں کا ذکر ہے جو تلاوت میں معیوب ہیں، اور تتمہ میں تلاوتِ قرآن کے انداز اور ختمِ قرآن کے طریقہ کا بیان ہے۔

فصل اوّل

تلاوتِ قرآن کے آداب میں

252 سوال آداب سے کیا مراد ہے؟

جواب آداب "ادب" کی جمع ہے۔ ادب اُس اچھی حالت، یا اچھی عادت کو کہتے ہیں جس کو کسی کام کے کرتے وقت اختیار کر لینے سے اس کام کا نتیجہ اچھا نکل آتا ہے۔ اور اس کام کو جس غرض کیلئے کیا گیا ہو وہ پوری خوبی اور عمدگی کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے، جیسا کہ دورانِ علاج پرہیز کا اہتمام۔ چنانچہ علاج پورے طور پر اسی صورت میں کارگر ہو سکتا ہے کہ جب مریض علاج کے ساتھ ساتھ پرہیز کو بھی اپنا وظیفہ بنائے، ورنہ ظاہر ہے کہ بد پرہیزی سے صرف یہی نہیں کہ مریض شفاء ہی سے محروم رہتا ہے بلکہ بعض دفعہ اسکا مرض اور بھی بگڑ جاتا ہے۔

پس یہی حال قرآن مجید کی تلاوت کا بھی ہے۔ کہ اگر قاری دورانِ تلاوت آدابِ تلاوت کو ملحوظ رکھے گا تو ان شاء اللہ العزیز اُن تمام نعمتوں اور فضیلتوں کا مستحق قرار پائیگا جن کا ذکر مقدمہ کی دوسری فصل میں فضائلِ تلاوت کے عنوان کے تحت آچکا ہے۔ اور اگر وہ آداب کی رعایت نہیں رکھے گا تو پوری فضیلت اور سعادت کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اندیشہ ہے کہ کہیں بے ادبی کی وجہ سے بجائے ثواب کے اس کو اُلٹا گناہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آدابِ تلاوت کی

پوری پوری رعایت رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ تاکہ یہ تلاوت ہمارے لیے قُربِ حق اور رِضائے اِلٰہی کا ذریعہ ثابت ہو۔ آمین یاربَّ العٰلمین

253 **سوال** تلاوتِ قرآن کے آداب کیا ہیں؟

جواب تلاوتِ قرآن کے آداب بہت ہیں۔ علماء نے اس موضوع پر بھی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس مختصر سے رسالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ یہاں صرف چند موٹے موٹے اور مشہور آداب کے ذکر پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔ حق تعالیٰ کی رحمت سے قوی اُمّید ہے کہ وہ ان کا اہتمام کر لینے سے بھی تلاوت کا نورِ مَرحمت فرمادیں گے، اور تلاوتِ قرآن کی جو فضیلتیں احادیث میں آئی ہیں وہ حاصل ہو جائیں گی۔ ان شاء اللّٰہ

254 **سوال** وہ مشہور اور موٹے موٹے آداب کیا ہیں؟

جواب وہ آداب یہ ہیں:۔

١ قاری مسواک اور وضو کے بعد یکسوئی کی جگہ میں نہایت وَقار اور تواضع کیساتھ قبلہ رُخ ہوکر بیٹھے، اور اللّٰہ تعالیٰ سے اُس ثواب کی اُمّید رکھتے ہوئے جسکا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے (کہ ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں) تلاوت کرے۔ پورے خشوع اور حضورِ قلب کیساتھ اسطرح پڑھے کہ گویا خود حق سُبحانہٗ وعَزَّ اِسْمُہٗ کو کلام پاک سنا رہا ہے۔ اور اگر یہ تصوّر پیدا نہ ہو سکے تو کم ازکم اتنا خیال تو ضرور ہی کر لے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کی تلاوت کو سن رہے ہیں۔

٢ قرآن شریف کی تلاوت بہتر تو یہی ہے کہ وضو کر کے کی جائے۔ کیونکہ وضو کر کے پڑھنے سے ایک حرف کا ثواب پچیس نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ ہاں بے وضو بھی جائز ہے، لیکن بے وضو قرآن شریف کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ البتہ ناپاکی اور جنابت کی حالت میں ہاتھ لگانا اور زبان سے پڑھنا دونوں ہی منع ہیں۔ ہاں! دعاء کی آیتوں کو صرف دعاء کی نیت سے اس حالت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۳ تلاوت کے وقت خوشبو استعمال کرے اگر مُیَسَّر ہو، ورنہ مسواک اور وضو ہی کافی ہے۔ اور حسبِ توفیق لباس صاف پہن کر سکون و وقار کے ساتھ بیٹھے، جس طرح کہ مشائخ اور بزرگوں کی خدمت میں بیٹھتے ہیں۔

۴ تلاوتِ قرآن کے وقت نہ ہنسے، نہ کھیلے۔ کیونکہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے۔ درمیان میں کسی سے بات چیت بھی نہ کرے، اگرچہ سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو قرآن مجید کو بند کر کے بات کرے۔ اور پھر اَعُوْذُ پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔ تلاوت کرنے والے کو سلام نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر کسی نے سلام کیا تو اس پر جواب دینا واجب نہیں۔

۵ تلاوت آہستہ اور اونچی آواز سے دونوں طرح جائز ہے، مگر جہاں جو صورت بہتر ہو وہاں اسی طرح مستحب ہے۔ مثلاً اگر زور سے پڑھنے میں ریا کا اندیشہ ہو، یا اس سے کسی مریض کو تکلیف ہوتی ہو، تو اس صورت میں آہستہ پڑھنا مستحب ہوگا۔ اور اگر زور سے پڑھنے سے دوسرے کے دل میں تلاوت کا شوق پیدا ہونے کی اُمید ہو، یا کوئی قراءۃ سننے کا خواہشمند ہو، تو اس صورت میں زور سے پڑھنا مستحب ہوگا۔

۶ تلاوت کے آخر میں یہ کلمات پڑھے: صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ خصوصاً جب سامعین موجود ہوں تو ان کلمات کے، یا فقط صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ کے پڑھنے کا اہتمام ضرور کرے، تاکہ ان کو قراءۃ کے ختم ہونے کا علم ہو جائے۔

۷ تلاوت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اس کا قُرب ہونا چاہیئے۔ ریا (یعنی کسی کو دِکھانے) کی غرض سے نہیں ہونی چاہیئے۔ کسی نیک کام کو ریا کے طور پر کرنے کی شریعت میں بہت مذمّت آئی ہے۔ حتیٰ کہ حدیث شریف میں اس کو شرکِ اصغر (یعنی چھوٹا شرک) فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیئے۔

فصل دوم

اِسْتِعَاذَہ اور بَسْمَلَہ کے احکام

255 سوال استعاذہ اور بسملہ کے کیا کیا معنیٰ ہیں؟

جواب لغت میں استعاذہ کے معنیٰ پناہ مانگنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں استعاذہ کہتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یا اسی قسم کی کوئی اور عبارت پڑھنے کو جس سے استعاذہ والے معنیٰ نکل سکتے ہوں۔ اور بسملہ کے معنیٰ ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا۔

اِسْتِعَاذَہ

256 سوال استعاذہ کہاں اور کس موقع پر کرنا چاہیے؟

جواب جب بھی قرآن مجید پڑھنا شروع کیا جائے، عام اس سے کہ یہ شروع کرنا کسی سورۃ کے شروع سے ہو، یا کسی پارہ کے شروع سے، یا کسی اور جگہ سے، استعاذہ بہرحال ضروری ہے۔ پس استعاذہ کا محل ابتدائے قراءۃ ہے۔ اور بلا استعاذہ کیے قراءۃ شروع کرنا آدابِ قرآن کے خلاف ہے، حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کو واجب کہا ہے۔

257 سوال ابتدائے قراءۃ میں استعاذہ کیوں ضروری ہے؟

جواب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (النحل:۹۸)

ترجمہ: جب آپ قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کریں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ تعالیٰ

کی پناہ مانگ لیا کریں۔

258 **سوال** استعاذہ کن الفاظ سے کرنا چاہیے؟

جواب استعاذہ کے بہتر اور مختار الفاظ تو وہی ہیں جو اوپر درج کیے گئے، یعنی:
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ لیکن جائز ان کے علاوہ اور الفاظ سے بھی ہے۔ مثلاً:۔

❋ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ یا

❋ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وغیرہ۔

259 **سوال** اَعُوْذُ کا آیت سے وصل کر کے پڑھنا چاہیے، یا فصل کر کے؟

جواب بہتر تو فصل ہی ہے۔ ہاں وصل بھی جائز ہے، بشرطیکہ آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے کوئی نام نہ ہو۔ جیسا کہ آیۃ الکرسی، سورۃ الرحمٰن اور سورۃ حشر کی آخری تین آیتوں کے شروع میں ہے۔ ایسے موقعوں میں فصل ہی ضروری ہے۔ اور وصل یعنی ملا کر پڑھنا قطعاً جائز نہیں۔

260 **سوال** بعض قرآنوں کے حاشیہ پر شروع سورۃ برارۃ کے موقعہ پر ایک نئی قسم کا استعاذہ لکھا رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر شروع سورۃ توبہ درمیان قراءۃ میں واقع ہو (یعنی پڑھتے پڑھتے درمیان میں شروع ہو جائے)، تب تو نہ وہ خاص قسم کا استعاذہ ہی کیا جائے گا، اور نہ وہ جو اوپر درج کیا گیا ہے، کوئی بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ درمیانِ قراءۃ استعاذہ کا محل نہیں۔

❋ ہاں! اگر سورۃ توبہ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے، تو اس صورت میں اگرچہ بعض کتابوں میں اس خاص قسم کے استعاذہ کو بھی جائز بتایا گیا ہے، مگر چونکہ قرآن کے حاشیہ پر

لکھا ہوا ہونے کی وجہ سے اس موقع پر اسکے مختار ہونے کا وہم ہوتا ہے، اس لیے علماء محققین نے اس کو بِدعت کہا ہے۔ لہٰذا احتیاط اُس کے ترک ہی میں ہے۔ اور اس کا نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ اور یہاں بھی وہی استعاذہ مختار ہے جو اوپر درج ہو چکا ہے۔

261 **سوال** اگر دورانِ تلاوت کوئی ایسا کلام ہو جائے، جس کا تعلق قرآن مجید سے نہ ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسی صورت میں دوبارہ استعاذہ کر کے قراءۃ شروع کرنی چاہیئے، گو یہ کلام کسی کے سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو، البتہ قرآن مجید پڑھنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے سلام کر دیا اور اس نے جواب دے دیا تو حکم وہی ہو گا جو بیان ہوا، یعنی استعاذہ لَوٹانا پڑے گا۔ ہاں! اگر اس کلام کا تعلق قراءۃ سے ہو، مثلاً استاذ شاگرد کا قراءۃ سے متعلق کسی مسئلہ میں امتحان لے، یا شاگرد استاذ سے کوئی مسئلہ پوچھے، تو ایسی صورت میں استعاذہ کے لَوٹانے کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ اُس کے بعد پڑھنے کا ارادہ ہو۔ اور اگر ارادہ مُنقَطِع ہو گیا تو شروع کرتے وقت دوبارہ استعاذہ کرنا چاہیئے۔

262 **سوال** اِستعاذہ آہستہ کرنا چاہیئے، یا بُلند آواز سے؟

جواب اُس بارہ میں اِستعاذہ "قراءۃ" کے تابع ہے۔ پس قراءۃِ سِرّیّہ میں بِالسِّر اور قراءۃِ جَہرِیّہ میں بالجہر ہو گا۔ ہاں! قراءۃِ جَہرِیّہ میں اِستعاذہ بِالسِّر بھی جائز ہے۔ مگر نماز میں استعاذہ آہستہ ہی کیا جائے گا، خواہ نماز جہری ہو، یا سِرّی۔

بَسمَله

263 سوال: بسم اللہ کہاں اور کس موقع پر پڑھنی چاہیئے؟

جواب: سورۂ توبہ کے سوا باقی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ عام اس سے کہ وہ سورۃ پڑھتے پڑھتے درمیان میں شروع ہو جائے، یا قراءۃ کی ابتداء ہی اس سورۃ کے شروع سے ہو، بسم اللہ کا پڑھنا ہر حال میں ضروری ہے۔ پس جس طرح استعاذہ کا محل ابتدائے قراءۃ ہے، اسی طرح بسم اللہ کا محل ابتدائے سورۃ ہے۔ اور جس طرح ابتدائے قراءۃ میں یہ تفصیل ہے کہ شروع سورۃ سے ہو، خواہ درمیان سورۃ سے، اسی طرح ابتدائے سورۃ میں بھی یہ تفصیل ہے کہ اس سے قراءۃ کی ابتداء ہو، یا درمیان قراءۃ میں واقع ہو۔ (قراءۃ اور سورۃ دونوں کی ابتداء اور درمیان کے اعتبار سے جتنی اور جو جو صورتیں نکلتی ہیں، اس کا بیان آگے آرہا ہے)۔

264 سوال: شروع سورۂ توبہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر سورۂ توبہ پڑھتے پڑھتے درمیان قراءۃ میں شروع ہو جائے، تب تو اس پر بسم اللہ کا پڑھنا بِالْاِتِّفاق ممنوع ہے۔ ہاں! اگر قراءۃ کی ابتداء بھی سورۂ توبہ کے شروع ہی سے ہو، تو اس صورت میں بعض علماء نے بسم اللہ کے پڑھنے کو بھی جائز کہا ہے[1]۔

265 سوال: اگر کسی سورۃ کے درمیان سے پڑھنا شروع کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں قاری کو اختیار ہے، چاہے بسم اللہ پڑھے، چاہے نہ پڑھے، مگر پڑھ لینا بہتر اور اَولیٰ ہے، اگرچہ جائز نہ پڑھنا بھی ہے۔ اور سورۂ براءۃ کے وسط کا بھی یہی حکم ہے کہ اس سے شروع کرتے وقت بھی بسم اللہ کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں باتیں جائز ہیں۔

[1] لیکن اَولیٰ یہاں بھی نہ پڑھنا ہی ہے۔ تفصیل توضیحاتِ مرضیہ شرح فوائدِ مکیہ (صفحہ: ۱۶) میں درج ہے۔

266 **سوال** سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

جواب اس لیے کہ باقی سورتوں کی طرح اسکے شروع میں لکھی ہوئی نہیں ہے۔

267 **سوال** اسکی کیا وجہ ہے کہ ابتدائے سورۃ میں تو بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے اور درمیانِ سورۃ سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں ضروری نہیں، بلکہ پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں جائز ہیں؟

جواب ابتدائے سورۃ چونکہ بسم اللہ کا محل ہے اور درمیان سورۃ محل نہیں، اسلئے وہاں تو ضروری ہے، اور یہاں ضروری نہیں۔

268 **سوال** محل سے کیا مراد ہے؟

جواب محل کے معنٰی موقع کے ہیں۔ اور بسم اللہ کے محل سے مراد یہ ہے کہ وہ موقع جہاں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہو، اور نہ پڑھنے کی صورت میں قرآن مجید کی سورۃ مکمل نہ ہوتی ہو۔ اور اس قسم کا موقع ابتدائے سورۃ ہی ہے، درمیان سورۃ یہ بات نہیں ہوتی، وہاں تو بسم اللہ کا پڑھنا تبرّکًا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر وہ مُہتَم بِالشَّان کام جس کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے، اس میں برکت نہیں ہوتی (بیضاوی)۔ پس اس حدیث پر عمل کرنے کی غرض سے درمیانِ سورۃ سے تلاوت شروع کرتے وقت بھی بسم اللہ کا پڑھ لینا بہتر ہے، گو محل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ضروری نہیں۔

269 **سوال** بسم اللہ بُلند آواز سے پڑھنی چاہیئے، یا آہستہ آواز سے؟

جواب غیر نماز کی حالت میں تو بسم اللہ بھی اعوذ کی طرح قراءۃ کے تابع ہی ہوگی۔ اور فرض و واجب نمازوں میں بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھی جائیگی، خواہ نماز سِرّی ہو یا جَہری۔

البتہ تراویح میں علماء کے درمیان کچھ اختلاف ہے:۔

❋ اکثر حضرات تو اس میں بھی بِالسِّر ہی پڑھتے ہیں۔ اور سارے قرآن میں کسی ایک سورۃ کے شروع میں بآوازِ بلند پڑھ لیتے ہیں۔

❁ اور بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ تراویح میں بسم اللہ ہر سورۃ کے شروع میں باآوازِ بلند پڑھنی چاہیئے۔ اس بناء پر کہ حضرت حفص رحمہ اللہ کی روایت کے موافق بسم اللہ کا ہر سورۃ کے شروع میں پڑھنا ضروری ہے۔ کہ اگر کسی سورۃ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وہ سورۃ کامل طور پر ختم نہ ہوگی، بلکہ ایک آیت اس میں سے کم ہو جائے گی۔

یہ دونوں باتیں صحیح ہیں، جس پر چاہو عمل کرو۔ مگر علماء کے اس اختلاف کو باہمی نزاع اور تفرُّقہ کا باعث نہیں بنانا چاہیئے۔ کہ اگر کہیں قاری روایت کی کامل اتباع کے پیشِ نظر ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ باآوازِ بلند پڑھنے کا اِلتزام کرے، تو مقتدی اپنی کم علمی کی وجہ سے اس کو خواہ مخواہ مَطعُون کرنے لگ جائیں۔ اور ایسے ہی اگر مقتدی کسی وجہ سے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کو کسی تفرقہ کا باعث سمجھیں تو امام کو بھی اس پر اصرار نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسی صورت میں اس کو یہی چاہیئے کہ وہ سارے قرآن میں کسی ایک سورۃ کے شروع میں تو باآوازِ بلند پڑھ لے، اور باقی سورتوں کے شروع میں آہستہ پڑھتا رہے۔ خلاصہ یہ کہ اس معمولی سے اختلاف کو تفریق بین المؤمنین کا باعث ہرگز نہیں بنانا چاہیئے۔ جبکہ دونوں باتیں جائز بھی ہیں اور دونوں پر بڑے بڑے علماء کا عمل بھی ہے۔

اعوذ اور بسم اللہ کا وصل و فصل

270 **سوال** قراءۃ اور سورۃ کی ابتدا اور وسط کے اعتبار سے کتنی اور کیا کیا صورتیں بنتی ہیں۔ اور ہر صورت کا حکم کیا ہے؟

جواب تین صورتیں بنتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

1 ابتدائے قراءۃ ابتدائے سورۃ: یعنی کسی سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے۔ مثلاً تم سورۂ بقرہ، یا سورۂ آلِ عمران، یا سورۂ انبیاء، یا سورۂ ملک، یا کسی اور سورۃ کے شروع سے

پڑھنا شروع کرو۔

۲ ابتدائے قراءۃ درمیانِ سورۃ: یعنی کسی سورۃ کے درمیان سے پڑھنا شروع کیا جائے۔ مثلاً تم چوتھے، یا پانچویں، یا چھٹے پارے کے شروع سے، یا کسی اور ایسی جگہ سے پڑھنا شروع کرو، جہاں سے کوئی سورۃ شروع نہ ہو رہی ہو۔

۳ ابتدائے سورۃ درمیانِ قراءۃ: یعنی پڑھتے پڑھتے کوئی سورۃ درمیان میں شروع ہو جائے۔ مثلاً آج تم اپنی مَنزِل کا آٹھواں، یا نواں، یا گیارھواں پارہ پڑھ رہے ہو، تو ظاہر ہے کہ درمیانِ تلاوت میں سورۂ اَعراف، یا سورۂ اَنفال، یا سورۂ یونُس علیہ السّلام شروع ہوگی۔

اور حکم ان تینوں صورتوں کا ابھی بیان ہوگا، ان شاء اللہ۔

ابتدائے قراءۃ از ابتدائے سورۃ

271 **سوال** جب کسی سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے، تو اس وقت کیا کرنا چاہیئے؟

جواب اعوذ اور بسم اللہ دونوں ہی پڑھنے چاہئیں۔ اعوذ تو اس لیے کہ قراءۃ کی ابتداء ہے، اور بسم اللہ اس لیے کہ سورۃ کی ابتداء ہے۔

272 **سوال** ایسی صورت میں اعوذ اور بسم اللہ کو مابعد سے ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ یا ان پر وقف کر کے؟

جواب ایسی صورت میں فصل اور وصل کے اعتبار سے عقلاً چار صورتیں نکلتی ہیں:۔

۱ اعوذ کو بسم اللہ سے، اور بسم اللہ کو آیت سے ملا کر پڑھیں۔ اسکو وصلِ کل کہتے ہیں۔

۲ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ دونوں پر وقف کیا جائے۔ اسکو فصلِ کل کہتے ہیں۔

۳ اعوذ کا بسم اللہ سے وصل، اور اَلرَّحِیْمِ پر وقف کیا جائے۔ اسکا نام وصلِ اوّل فصلِ ثانی ہے۔

۴ اسکے برعکس یعنی اَلرَّحِیْمِ پر تو وقف کیا جائے، اور اَلرَّحِیْمِ کو مابعد سے ملا کر پڑھا جائے۔ اس کو فصلِ اوّل وَصلِ ثانی کہتے ہیں۔

اور یہاں یہ چاروں ہی صورتیں جائز ہیں۔ البتہ ان میں سب سے بہتر فصلِ اوّل وَصلِ ثانی ہے، اسلیئے کہ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "تعَوُّذ" سورۃ میں سے نہیں، اور بسم اللہ سورۃ کا جزو ہے۔

ابتدائے سورۃ درمیانِ قراءۃ

273 سوال اگر پڑھتے پڑھتے درمیان میں کوئی سورۃ شروع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ظاہر ہے کہ اس صورت میں اَعُوْذُ تو پڑھی نہیں جائے گی، اس لیے کہ اس کا محل نہیں پایا جارہا، مگر وَصل فصل کے لحاظ سے یہاں بھی وہی چار صورتیں ہوں گی جو اوپر بیان ہوئیں، لیکن یہاں جائز صرف تین ہیں۔ اور ایک ناجائز ہے۔

274 سوال ابتدائے سورۃ درمیانِ قراءۃ میں جو ایک صورت ناجائز ہے وہ کونسی ہے، اور اسکے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ نیز یہ کہ تین جائز صورتوں میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟

جواب ناجائز صورت وَصلِ اوّل فصلِ ثانی والی ہے۔ یعنی ختم ہونے والی سورۃ کو بسم اللہ سے ملا کر اَلرَّحِیْمِ پر وقف کر دیا جائے، اور دوسری سورۃ کو نئے سانس سے شروع کیا جائے۔ اسکے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بسم اللہ کا تعلق ختم ہونے والی سورۃ کے ساتھ ہے، حالانکہ بسم اللہ سورۃ کی ابتداء کیلئے ہے۔ باقی جو تین صورتیں جائز ہیں، ان میں سب سے بہتر فصلِ اوّل وَصلِ ثانی ہے، اس لیے کہ اس سے مقصود خوب واضح ہو جاتا ہے، یعنی یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ بسم اللہ ابتدائے سورۃ کے لیے ہے۔ اور سورۃ کے آخر کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔

275 سوال جب درمیانِ قراءۃ میں سورۃ براءۃ شروع ہو جائے، تو اس میں کتنی اور کیا کیا

صورتیں ہیں؟

جواب اس خاص موقع کے لیے صورتیں تو تین ہیں، مگر وہ نہیں جو باقی سورتوں کے "درمیان قراءۃ" میں شروع ہونے کی صورت میں بیان ہوئیں، بلکہ ان سے مختلف ہیں، اس لیے کہ تم پڑھ چکے ہو کہ سورۂ براءۃ کے شروع میں جبکہ وہ درمیان قراءۃ واقع ہو، بسملہ بالاتفاق ممنوع ہے، لہٰذا ان تین صورتوں کی تفصیل یوں ہے:۔

۱ انفال کے آخر پر وقف کردیا جائے اور سورۂ براءۃ کو نئے سانس سے شروع کیا جائے

۲ عَلِيْمٌ کا بَرَآءَةٌ سے وصل کر کے عَلِيْمٌ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ پڑھا جائے۔

۳ سکتہ کیا جائے۔ یعنی عَلِيْمٌ پر تھوڑی دیر کے لیے بغیر سانس لیے سکوت کر کے، پھر اسی سانس میں سورۂ براءۃ کو شروع کر دیا جائے۔ پس اس موقع پر یہ تین صورتیں ہوئیں:۔ ۱ وقف ۲ وصل ۳ سکتہ۔ اور یہ تینوں ہی صورتیں جائز ہیں۔

ابتدائے قراءۃ درمیانِ سورۃ

276 **سوال** اگر تلاوت کسی سورۃ کے درمیان سے شروع کی جائے تو اسکا کیا حکم ہے؟

جواب اس صورت میں اَعُوْذُ کا پڑھنا تو ضروری ہے، اس لیے کہ اس کا محل (یعنی ابتدائے قراءۃ) پایا جا رہا ہے۔ اور بسم اللہ کے بارے میں اختیار ہے، مگر پڑھ لینا بہتر اور مُسْتَحْسَن ہے، جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے۔

پھر اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اَعُوْذُ کو آیت سے ملا کر، یا اَلرَّجِيْمِ پر وقف کر کے، دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

۞ ہاں! اگر آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اس صورت میں اَلرَّجِيْمِ کا آیت سے وصل جائز نہیں، جیسا کہ فصل کے شروع میں بھی معلوم ہو چکا ہے۔

اور اگر بسم اللہ بھی پڑھی جائے، تو پھر یہاں بھی وہی چار عقلی صورتیں نکلیں گی جو "ابتدائے قراءۃ از ابتدائے سورۃ" کے زیرِعنوان بیان ہوئیں، مگر جائز یہاں صرف دو ہی ہیں۔ اور دو صورتیں ناجائز ہیں۔

277 **سوال** جائز دو کون سی ہیں۔ اور ناجائز دو کون سی؟

جواب فصلِ کل اور وصلِ اوّل فصلِ ثانی، یہ دو تو جائز ہیں۔ اور باقی دو یعنی وصلِ کل اور فصلِ اوّل وصلِ ثانی ناجائز۔

سوال نمبر 278
ان دو صورتوں کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟

278 **سوال** جائز دو صورتیں کونسی ہیں۔ اور ناجائز دو کونسی؟

جواب ان دو صورتوں میں چونکہ بسم اللہ کا آیت سے وصل ہو جاتا ہے، اور یہ جائز نہیں، اس لیے یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

279 **سوال** اوپر ابتدائے قراءۃ از ابتدائے سورۃ کے ضمن میں فصل و وصل کے اعتبار سے جو چار صورتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں بھی تو دو صورتیں ایسی ہیں جن میں بسم اللہ کا آیت سے وصل ہو جاتا ہے، اور وہاں ان کو جائز بھی بتایا گیا ہے، پھر اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ وہاں تو جائز ہیں اور یہاں ناجائز؟

جواب ابتدائے سورۃ چونکہ بسم اللہ کا محل ہے اور درمیان سورۃ محل نہیں، جیساکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، اسلئے وہاں تو بسم اللہ کو آیت سے ملا کر پڑھنا جائز ہے، اور یہاں ناجائز۔

فصل سوم

خوش آوازی

قرآن مجید کو عربی لَہجہ میں پڑھنے کی اہمیت اور اس کی تاکید

280 سوال قرآن مجید کو کس لَہجہ میں پڑھنا چاہیئے؟

جواب مِنْ جُملہ اور آداب کے، تلاوتِ قرآن مجید کا ایک بہت بڑا ادب یہ بھی ہے کہ تلاوت عربی لہجہ میں کی جائے۔ قرآن مجید جبکہ نازل بھی عربی میں ہوا اور جس پیغمبر اعظم ﷺ پر اترا وہ بھی عربی ہیں۔ جس سرزمین میں نازل ہوا وہ بھی سرزمین عرب ہے۔ اور اس کا تلفظ بھی وہی معتبر ہے جو اُن خالص عربوں کے تلفظ کے موافق ہو جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا، تو پھر اس کی تلاوت بھی عربی لہجہ ہی میں ہونی چاہیئے! اور اگر حق تعالیٰ کی توفیق کسی کے شاملِ حال ہو جائے اور وہ قرآن پاک کو تجوید کے ساتھ پڑھنا سیکھ لے، تو بے شک یہ ایک بہت بڑی نعمت اور نور ہے۔ اور اگر تحصیلِ تجوید کے ساتھ ساتھ وہ عربی لہجہ کو بھی سیکھ لے اور اس میں تلاوت کرنے پر قادر ہو جائے تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔

ہر زبان کا ایک لب ولہجہ ہوا کرتا ہے، کہ اگر اس لب ولہجہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے لہجہ میں اس زبان کے الفاظ کو ادا کیا جائے، تو یہ بات اس زبان کے جاننے والوں کے نزدیک مُضحکہ خیز اور انتہائی معیوب سمجھی جاتی ہے۔ اس صورت میں اس زبان کی وہ آن اور وہ شان بھی باقی نہیں رہتی جسے اہلِ زبان ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کیلئے بھی وہی لب ولہجہ مُعتَبَر ہوگا جس میں قراءِ عرب تلاوت کرتے ہیں۔ اس لہجہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نیا لہجہ ایجاد کر لینا اور اس میں تلاوت کرنے کو ضروری سمجھنا، اور عربی لہجہ کو جس سے کہ قرآن کی عَظَمَت دوبالا ہوتی ہے اور وہ لوگوں کے قرآن کی طرف مائل ہونے کا سبب بنتا ہے، اس کو گانے سے تعبیر کرنا، جیسا

کہ بعض لوگوں کا وہم ہے، یہ سراسر غلط اور خود پسندی ہے۔ علاوہ ازیں عربی لہجہ میں تلاوت کرنے کی حدیث میں بھی بہت تاکید آئی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے چند حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:۔

۱ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا۔ (الاتقان للسیوطیؒ)

یعنی قرآن شریف کو عربوں کے لہجوں اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔

۲ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ۔ (رواہ احمد وابوداؤد: ۱۴۶۸ وابن ماجہ والدارمی)

یعنی زینت دو تم قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ۔

۳ حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ (رواہ الدارمی: ۳۳۶۵)

یعنی زینت دو تم قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ، اس لیے کہ اچھی آواز قرآن شریف کے حُسن کو دو بالا کر دیتی ہے۔

ان احادیث سے قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی تاکید اور اسکا مامور بہ ہونا (یعنی جس کا حکم کیا گیا ہو) خوب ثابت ہو جاتا ہے، لہٰذا جو لوگ تَغَنِّیْ بِالقرآن (یعنی قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے) کی مخالفت کرتے ہیں، وہ سنّت کے خلاف پر ہیں۔

ہاں! خوش آوازی اور عربی لہجہ کے اہتمام کے ساتھ ساتھ قواعد تجوید کی رعایت اور ان کی پابندی کرنا بھی ازبس ضروری ہے، کیونکہ اصل مقصود یہی ہے۔ لہٰذا اگر قاری لہجہ کے بنانے میں ایسا مُنہمِک ہوا کہ قواعد تجوید کی پابندی نہ کی اور لہجہ ہی کو مقصود سمجھ لیا، تو یہ بے شک درست نہیں، پھر اس کی دو صورتیں ہیں:۔

❊ ایک یہ کہ حرفوں کے مخارج اور ان کی صفاتِ لازمہ کا خیال نہ رکھا، یا حرکت وسکون میں غلطی کی (یعنی لحنِ جلی لازم آگئی) تو ایسا پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔

❋ اور دوسرا یہ کہ صفاتِ عارضہ میں کوتاہی کی (یعنی لحنِ خفی لازم آئی) تو مکروہ ہے، پڑھنا اور سننا، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

خلاصہ یہ کہ خوش آوازی اور لہجہ اسی صورت میں مُسْتَحْسَن اور مستحب ہے جبکہ قواعد تجوید کی رعایت اور ان کی پابندی بھی کی جائے، ورنہ حرام یا مکروہ ہے! لہٰذا طلباء کو چاہیئے کہ پہلے تصحیحِ حروف کی مشق کریں اور پھر لہجہ کو سیکھیں۔ بعض لوگ حروف کو صحیح ادا کرنے کی کوشش تو کرتے نہیں اور شروع ہی سے لہجہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، بلکہ اسی کو مقصود سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی خلافِ قاعدہ اور نادرست ہے۔

تنبیہ: بعض لوگوں نے اپنی خوش آوازی اور لہجہ کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کی توجہ کو اپنی طرف مُنْعَطِف کرانے کی غرض سے خواہ مخواہ تکلّف کر کے لہجہ میں طرح طرح کی چیزیں ایجاد کر لی ہیں، جو بہت ہی نامناسب اور معیوب ہیں۔ علماء فن نے ایسی ہی بہت سی چیزیں بیان فرمائی ہیں، لیکن ہم اختصار کے پیشِ نظر یہاں ان میں سے چند موٹی موٹی اور بہت ہی مشہور چیزیں بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔ ۱ تطریب ۲ ترقیص ۳ ترعید ۴ تحزین۔ پس:۔

تَطْرِیْب

تطریب تو یہ ہے کہ قراءۃ اس طرح کی جائے، جس طرح گانے والا اپنی آواز کو گھما گھما کر گاتا ہے۔ سو یاد رکھو! کہ یہ ممنوع ہے، اس لیے کہ اس طرح پڑھنے سے تلاوت اپنی اصلی شکل سے نکل جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام مَعاذَ اللہ گانے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

تَرْقِیْص

ترقیص یہ ہے کہ قاری دورانِ تلاوت اپنی آواز کو اس طرح نچائے کہ اس سے حروفِ مدہ میں

حرکات پیدا ہو جائیں۔ اور بعض نے کہا ہے ترقیص یہ ہے کہ قاری حرفِ ساکن پر سکتہ سا کرے، اور پھر اسکے بعد حرفِ متحرک کو اس طرح ادا کرے، گویا کہ وہ دوڑ رہا ہے۔

تَرْعِیْد

ترعید یہ ہے کہ قاری تلاوت کے وقت اپنی آواز کو اس طرح کپکپائے، کہ گویا وہ سردی کی شدت، یا کسی تکلیف کی وجہ سے کانپ رہا ہے۔

تَحْزِیْن

اور تحزین یہ ہے کہ قاری اپنی طبیعت اور عادت کے خلاف اس نَہج پر تلاوت کرے گویا کہ وہ غم میں ڈوبا ہوا ہے، اور سننے والا یوں محسوس کرے کہ وہ ابھی رو پڑے گا۔ سو اس سے بھی منع کیا گیا ہے، اسلئے کہ اس میں ریا پائی جاتی ہے۔ ہاں اگر قاری کا رونا کسی ایسی آیت کے معنیٰ سے متاثر ہونے کی بناء پر ہو جس میں اللہ کے عذاب کا ذکر ہو تو اس صورت میں رونا یا رونے کی شکل بنا لینے میں کوئی مُضایَقہ نہیں، بلکہ مستحسن اور آدابِ قرآن میں سے ہے۔ لیکن دل میں تو یہ کیفیت ہو نہیں، محض تَصَنُّع اور بناوٹ سے ایسی شکل بنائی جائے تو یہ معیوب اور ناجائز ہے۔

خوب یاد رکھو! یہ سب باتیں ناجائز ہیں اور ان کا اختیار کرنا منع ہے۔ ان کے اختیار کرنے والے کی تردید کرنا اور اس کا انکار کرنا ضروری اور واجب ہے۔ (ملخصاً از نہایۃ القول المفید مع بعض الزیادات)

تتمہ

تلاوتِ قرآن کے انداز اور ختمِ قرآن کے طریقہ میں

تلاوتِ قرآن کے انداز

281 **سوال** تلاوتِ قرآن کے کتنے انداز ہیں؟

جواب تلاوتِ قرآن کے تین انداز ہیں:۔

۱	۲	۳
تَرْتِيل	حَدْر	تَدْوِير

282 **سوال** ان تینوں کا کیا کیا مطلب ہے؟

جواب اطمینان سے اور خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا (جس طرح کہ جلسوں اور اجتماعات میں پڑھا جاتا ہے)، اس کو ترتیل کہتے ہیں۔ تیزی اور روانی کے ساتھ پڑھنا (جس طرح کہ تراویح میں پڑھتے ہیں)، اس کو حدر کہتے ہیں۔ اور ان دونوں کی درمیانی رفتار پر پڑھنا (جس طرح امام فرض نمازوں میں پڑھتا ہے)، اس کو تدویر کہتے ہیں۔

تنبیہ: مگر تیز اس حد تک ہی پڑھنا جائز ہے کہ قواعدِ تجوید کی رعایت برقرار رہے۔ اور اگر اتنا تیز پڑھا کہ حرف صاف صاف سنائی نہ دیے اور خَلَط مَلَط ہوتا گیا، یا حرفِ مد کی مقدار پوری نہ ہوئی، یا حرکات سِمٹی ہوئی ادا ہوئیں تو ایسا تیز پڑھنا جائز نہیں۔

پھر یہ سمجھو کہ:۔ تدویر میں پڑھنا تو کوئی ایسا زیادہ مشکل نہیں، کیونکہ اس میں نہ تو بہت تیز پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی بہت ٹھہر ٹھہر کر۔ البتہ حدر اور ترتیل میں پڑھنا، ان کی خوب مشق کیے بغیر مشکل ہے، کیونکہ بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا بھی مشکل ہے اور تیز پڑھنا بھی۔ لہٰذا تلاوت کے ان ہر دو انداز کی مشق بھی زیادہ کرنی چاہیئے۔

ختمِ قرآن کا طریقہ

283 **سوال** قرآن مجید کے ختم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب جب قاری قرآن مجید ختم کرے تو اِسے چاہیئے کہ دو باتوں کا خیال رکھے :-

۱ ایک یہ کہ جب سورۂ والضحیٰ پر پہنچے تو اس سے سورۂ والناس تک کی ہر سورۃ کے آخر میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے، اس کو تکبیر کہتے ہیں۔ یہ اگرچہ ضروری تو نہیں مگر ایک پسندیدہ اور اچھا عمل ہے۔ پھر خواہ ختم ہونے والی سورۃ کے آخری لفظ کو تکبیر سے، تکبیر کو بسم اللّٰہ سے اور بسم اللّٰہ کو اگلی سورۃ سے ملا کر پڑھے، یا ان سب پر وقف کر کے پڑھے، یا کسی پر وقف کر کے اور کسی کو ملا کر پڑھے، سب صورتیں جائز ہیں، جس طرح چاہے پڑھے۔

✗ البتہ یہ ایک صورت جائز نہیں کہ سورۃ کے آخری لفظ کو تکبیر سے اور تکبیر کو بسم اللّٰہ سے تو ملا کر پڑھا جائے اور اَلرَّحِیْمِ پر وقف کر دیا جائے، کیونکہ اگر پہلی دو چیزوں کو ملا دیا ہے تو اب اَلرَّحِیْمِ پر وقف کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کو اگلی سورۃ سے ملا کر پڑھنا ہی ضروری ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

۱ مگر چونکہ ان سورتوں کے آخری حرف کی مختلف حالتیں ہیں، اور ہر حالت میں تکبیر کو ساتھ ملانے کا قاعدہ الگ الگ ہے، اس لیے وہ قاعدے یہاں حاشیہ میں درج کیے جاتے ہیں۔ انہیں پوری توجہ سے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ جن بائیس سورتوں کے آخر میں تکبیر پڑھی جاتی ہے، آخری حرف کی حالت کے لحاظ سے ان کی چار صورتیں ہیں :-

① بعض سورتوں کے آخری حرف پر جزم ہے، جیسے فَحَدِّثْ، فَارْغَبْ اور وَاقْتَرِبْ۔

② بعض کے آخری حرف پر تنوین ہے، جیسے لَخَبِیْرٌ، حَامِیَۃٌ، مُمَدَّدَۃٍ، مَاْکُوْلٍ، مِنْ خَوْفٍ، تَوَّابًا، مِنْ مَّسَدٍ اور اَحَدٌ۔

③ بعض کا آخری حرف ہائے ضمیر ہے، جیسے رَبَّہٗ، شَرًّا یَّرَہٗ۔

④ اور بعض کے آخری حرف پر تینوں حرکتوں میں سے کوئی حرکت ہے، جیسے اَلْحٰکِمِیْنَ،

اور بعض حضرات اَللّٰہُ اَکْبَرُ کیساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اور بعض ان دونوں کیساتھ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ بھی پڑھتے ہیں۔ یہ اضافہ بھی جائز ہے، مگر اس کا خیال رہے کہ اگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا ہے تب تو وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھنا بھی جائز ہے۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو پڑھا نہ جائے اور وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف:۔

☑ ① اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

☑ ② لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔

☑ ③ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

یہ تین صورتیں تو جائز ہیں۔

اَلْفَجْرِ اور اَلْاَبْتَرُ وغیرہ۔

❁ پس اگر سورۃ کے آخری حرف پر جزم یا تنوین ہو تو ان دو صورتوں میں اگر اس لفظ کو تکبیر سے ملائیں گے تو لفظ اَللّٰہُ کے ہمزہ کو گرا دیں گے، اور جزم والے حرف اور تنوین کو زیر دے کر اس طرح پڑھیں گے: فَحَدِّثِ اللّٰہُ اَکْبَرُ اور لَخَبِیْرُ نِ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اور ماقبل کے زیر کی وجہ سے لفظ اَللّٰہُ کے لام کو باریک پڑھیں گے۔

❁ اگر آخری حرف ہائے ضمیر ہو تو اس میں صلہ نہیں کریں گے، بلکہ ہمزہ کو گرا کر ہاء کو لام سے ملا دیں گے، اور اسطرح پڑھیں گے: رَبَّہُ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اور ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے لام کو پُر پڑھیں گے۔

❁ اگر سورۃ کے آخری حرف پر حرکت ہو تو اس صورت میں حرکت کو باقی رکھ کر حرف کو لام سے ملا دیں گے، اور اس طرح پڑھیں گے: بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ اللّٰہُ اَکْبَرُ، مَطْلَعِ الْفَجْرِ اللّٰہُ اَکْبَرُ اور اَلْاَبْتَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔

❁ اور اگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی پڑھا ہے، تو اس صورت میں تنوین کا تو (یَرْمَلُوْنَ کے قاعدہ کی رُو سے) لام میں ادغام کریں گے، اور اس طرح پڑھیں گے: اَحَدُ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اور باقی تین صورتوں میں حرکت، سکون اور صلہ کو اصلی حالت پر رکھ کر ملا دیں گے، جیسے: فَحَدِّثْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، مَطْلَعِ الْفَجْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور رَبَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

نوٹ: معلّمین کو چاہیئے کہ طلباء کو یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھا دیں اور اجراء بھی کرا دیں، کیونکہ یہ قدرے مشکل ہے۔

❌ لیکن صرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ جائز نہیں۔

۲ دوسری بات یہ کہ سورۂ والناس کے آخر پر تلاوت ختم نہیں کردینی چاہیے، بلکہ اُسی وقت اور اُسی مجلس میں دوسرا قرآن مجید شروع کر دینا چاہیے۔ اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی چند ابتدائی آیات یعنی اَلْمُفْلِحُوْنَ ○ تک پڑھ کر قراءۃ ختم کرنی چاہیے۔ اس عمل کو اَلْحَآلُّ الْمُرْتَحِلُ کہتے ہیں۔ جس کے معنیٰ ہیں: "ایسا اترنے والا، جو اترتے ہی پھر سفر شروع کردے"۔ یعنی یہ شخص قرآن مجید کا ایسا ختم کرنے والا ہے، کہ اس نے ختم کرتے ہی دوسرے قرآن کا آغاز کر دیا ہے، اور تلاوتِ قرآن سے اکتایا نہیں۔

اَلْحَآلُّ الْمُرْتَحِلُ والے عمل کو حدیث (ترمذی:۳۵۱۹) میں افضل الاعمال بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور تلاوتِ قرآن کو ہمارے لیے ذریعۂ نجات اور اپنے قُرب کا سبب بنائے۔ آمین

پھر ختمِ قرآن کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اور اپنی دِینی و دُنیوی حاجتیں اس سے مانگو۔ قرآن شریف کی تلاوت میں جو قصور اور کوتاہیاں ہوئی ہیں، خواہ وہ تم کو معلوم ہوئی ہوں، یا نہ ہوئی ہوں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے اِستغفار کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ وہ بڑا غفور الرحیم اور بے حد مہربان ہے۔ ختمِ قرآن کی دعاؤں میں یہ دعا بہت مشہور ہے، ہو سکے تو زبانی یاد کرلو:

اَللّٰھُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ، وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً، اَللّٰھُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ، وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ. وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ. وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ.

ترجمہ: اے اللہ! قبر میں میری گھبراہٹ کی غم خواری کیجیے۔ اے اللہ! قرآن کی

بدولت مجھ پر رحم فرمائیے۔ اور اِس کو میرے لیے امام، نور، ہدایت اور رحمت بنا دیجیے۔ اے اللہ! مجھے اس میں سے جو کچھ بھول گیا ہے، وہ یاد کرادیجیے۔ اور جو کچھ میں نہیں جانتا ہوں، وہ سکھا دیجیے۔ اور مجھے شب و روز اِس کی تلاوت کرنے کی توفیق عطاء فرمائیے۔ اور اے ربُّ العالمین! اِس قرآن کو میرے حق میں حُجّت یعنی سفارش بنا دیجیے۔ آمین یاربَّ العٰلمین

الحمدللہ اوّلاً و آخراً یہاں پہنچ کر رسالہ مُعَلِّمُ التَّجْوِیْدِ لِلْمُتَعَلِّمِ الْمُسْتَفِیْدِ تمام ہوا۔ حق تعالیٰ شانہٗ سے دعاء ہے کہ وہ محض اپنے فضل و کرم اور اپنی عِنایت سے اِس حقیر سی خدمت کو قبول فرما کر طالبینِ فن کے لیے نافع اور مؤلّف کے لیے ذریعۂ نجات اور دینی ترقی کا باعث بنائیں۔ اور مؤلف کے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے اِس کو شرفِ قبول سے محروم نہ فرمائیں، کیونکہ ہر قسم کی خوبی اور بھلائی اُنہی کے ہاتھ میں ہے، اور کسی چیز کی نفع رسانی اُنہی کے حکم سے ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیّٰتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ اَجْمَعِیْنَ. وَارْحَمْنَا مَعَهُمْ بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ.

۲۳ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ / مطابق ۴ مارچ ۱۹۵۹ء
بروز چہار شنبہ، دن کے ۱۲ بجکر ۲۸ منٹ

اِستدعاء: جملہ ناظرین سے بالعموم، علوم دینیّہ کے مُعلّمین اور متعلّمین سے بالخصوص استدعاء ہے کہ وہ مؤلف (و مدوّن) کیلئے حُسنِ خاتمہ اور رضائے مولیٰ کی دعاء فرمائیں، مؤلف پر ان کا یہ احسانِ عظیم ہوگا۔

اللفظ والمفہوم

لفظ	مفہوم
آشکارا	ظاہر، نمایاں، واضح
آمیزِش	ملاوٹ
اِجتناب	پرہیز، بچانا
اِفادِیّت	فائدہ مندی، نفع مندی
اُچک	چستی، چھیننا، جھپٹنا
اِحصاء	شمار کرنا، ضبط کرنا
اِدراک	فہم، سمجھ، عقل
اِشباع	حرکت کو کھینچنا
اِفتراء	تہمت، بہتان، جھوٹا الزام
اِفتراق	جدائی، اختلاف
اِفراطُ وتفریط	غیر معتدل، غیر متوازن
اِلتباس	یکسانیت کے سبب شبہ میں پڑنا
اِنشائیہ	ایسا جملہ جس میں سچ جھوٹ کا احتمال نہ ہو
اِنفِکاک	الگ ہونا، جدا ہونا
اِبہام	شک یا وہم میں ڈالنا
.....الخ	الیٰ آخرہٖ (آخر تک)
بالاِستیعاب	سارا، تمام، شروع سے آخر تک

لفظ	مفہوم
باوجودیکہ	اس کے باوجود
بے اِعتنائی	بے پروائی، لاپروائی، غفلت
بے بِضاعتی	بے سرو سامانی
بے عدیل	بے مثال
پُر آشوب	فتنہ اور فساد سے بھرا ہوا
پیچ و تاب	غصہ، کڑھن، رنج و حسد
تَتِمّہ	کسی مضمون سے متعلق اس کا اختتامی حصہ
تدوین	ترتیب و تسہیل کاری، اہم رد و بدل
تشخیص	جانچنا، پہچاننا، آگاہی حاصل کرنا
تمہید	مقصد، مضمون کا آغاز
تنبیہ	خبردار کرنا، آگاہ کرنا
توضیح	واضح کرنا، بات کا کھولنا
توَہُّم	وہم، وسوسہ، شک، گمان
جاگزین	دل میں ٹھہر جانا، مُتمکّن
جدوَل	خانہ دار نقشہ، گراف
جُنبش	حرکت، گردش، ہلنا
چنانچہ	جیسا کہ، مثلاً، اس طرح

لفظ	مفہوم
چنداں	اس قدر، اتنی، ایسی
خاطر	لحاظ، واسطے، دل، مزاج
خلط ملط	درہم برہم، گڈمڈ، گڑبڑ
خواہ	چاہے، یا
دَقیق/ دَقائق	باریک، مشکل/ باریکیاں، نکتے
دِلآویز	دل لُبھانے یعنی خوش کرنے والا
زَلَّۃُ القاری	قاری سے کوتاہی ہو جانے کی جگہ
ذوق	شوق، لطف، خوشی
ذہن نشین	سمجھا ہوا، یاد رکھا ہوا
ذُہول	بھول جانا، یاد نہ رہنا
رُخسار	گال، چہرے کا دایاں، بایاں حصہ
سَلَف و خَلَف	پہلے یعنی گزشتہ زمانہ کے بزرگ
سَلِیس	آسان اور عام فہم
شاذ و نادر	بہت کم، کبھی کبھی، اتفاقاً
شبہ مُستعلیہ	حروفِ مستعلیہ سے مشابہت والا
شِکم	پیٹ، اندرونی حصہ
شَیخین	حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما
شِیر و شکر	نہایت مانوس گھل مل جانا، دودھ و شکر
ضابطہ	پابند قاعدہ و قانون
ضَوء	روشنی، چمک، نور
عُجلت	تیزی، پھُرتی

لفظ	مفہوم
عرض رِسا	درخواست گزار، درخواست دہندہ
عَیاں	ظاہر، علانیہ، کھلا ہوا
طَبعی	فطری، قدرتی، اصلی
عِیاذاً بِاللہ	اللہ کی پناہ، خدا سے پناہ مانگنا
فاش	ظاہر کھلی، واضح
فَصل	کتاب یا باب کا حصہ، حدِ فاصل
فقط	مضمون کا اختتامیہ، بس ختم شد
قبیح	بُرا، نازیبا، عیب دار، شرم ناک
قبیل	قِسم، جِنس، نَوع
قصیر	کوتاہ، مختصر، چھوٹا
گڈمڈ	گڑبڑ، ایک دوسرے میں ملا دینا
گرانی	بوجھ، بھاری پن
گُنگنی	ترنُّم، ناک سے نکالی ہوئی آواز
لعنت	پھٹکار، دُھتکار، بیزاری، رُسوائی
لغزِش	خطاء، بھول چوک غلطی
ماہیت	حقیقت، اصل جوہر، مادّہ
مَبادی	مَبداء کی جمع، بنیادی باتیں
مُبالغہ	حد اور اصل سے زیادہ
مَبذول	لگایا گیا، خرچ کیا گیا
مُتزلزِل	ڈگمگانے اور کانپنے والا
متعلقات	کسی چیز سے وابستہ دوسری چیزیں

لفظ	مفہوم
مُتفرِّع	اصل سے شاخ کی طرح نکلنے والا
متقاضی	تقاضا یعنی طلب اور چاہنے والا
مُرتکِب	قصوروار، جرم کرنے والا
مرجعِ خلائق	خلقت کی چاہتوں کا محور و مرکز
مَرحمت	مہربانی، نوازش، رحم
مَردِ متین	مضبوط، مستحکم، سنجیدہ
مَرعی	رعایت اور لحاظ کی گئی
مَرموز	جسکے لیے رمز کہی گئی، یا اشارہ کیا گیا
مُساعدت	یاوری، مدد، ساتھ دینا
مُسامحت	درگزر، معافی، نرمی، فراخدلی
مستحب	شریعت میں پسندیدہ
مُشرّفہ	بُلند کیا گیا
مِصداق	سچائی کا ثبوت، تصدیق شدہ
مُضایقہ/مُضائقہ	قباحت، دُشواری، تنگی، حرج
مُضحکہ خیز	ہنسی مذاق میں ڈالنے والی بات
مَطعُون	طعنہ دیا گیا، عیب نکالنا، بدنام کرنا
مطلق، مطلقاً	بلاقید، آزاد، غیر مشروط
معدوم	ناپید، کالعدم، مٹایا گیا
معمور	بھرا ہوا، لبریز، آباد
مُغلق	بند کیا گیا، مشکل، بعید از فہم
مُغایرت	غیریّت، اجنبیّت، جدائی

لفظ	مفہوم
مَفر	جائے فرار، بھاگنے کی جگہ
مفقود	غائب، کھویا ہوا، ناپید، ندارد
مَقُولہ	کہی ہوئی بات، کہاوت
ملحوظ	لحاظ اور خیال کیا گیا
مُمیِّز	تمیز کرنے والا
مُنافی	نفی کرنے والا، خلاف، ضد
منجملہ، مِن جملہ	سب میں سے، تمام میں سے
مُنطبَق	برابر، اُوپر تلے ٹھیک آنے والا
مُنعطِف	پھرنے والا، توجہ چاہنے والا
مُنہمک	کسی کام میں بہت مصروف، گُم
مُواخذہ	گرفت، باز پُرس، جواب طلبی
مَوانِع	مانع کی جمع، رکاوٹ والی چیزیں
مُوجِد	ایجاد اور نئی بات نکالنے والا
مُوحّدہ	تنہا (نقطہ) والا
مُہتمم بالشّان	عظیمُ الشّان، شاندار، جلیلُ القدر
مُہمَل	نقطے کے بغیر حرف، بے معنیٰ
مَیلان	توجہ، رُجحان، خواہش
نادِرُالوُجود	کم یاب اور نایاب شخص
نسیمِ صبح	صبح کی ہلکی اور خوشبودار ہوا
نکہتِ گل	پھول کی خوشبو، مہک
واثق	مضبوط، مستحکم، پختہ



مکتبۃ القراءۃ لاہور

ناشر
مکتبۃ القراءۃ
B-143 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون نمبر 042-3585 3171
0333-449 50 52

16-اردو بازار لاہور
042-37223210

12-اردو بازار لاہور
042-37361468

Published by:

Maktabatul-Qira-at. 143-B, Model Town, Lahore-54700, Pakis